ہندوستانی مفسرین

اور

ان کی عربی تفسیریں

ڈاکٹر سالم قدوائی

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ نئی دہلی
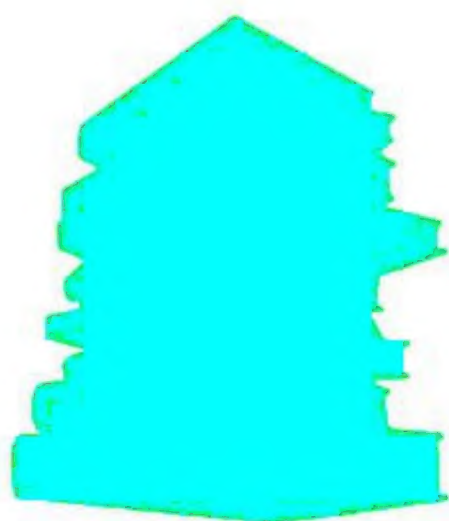
ہندوستانی مفسرین

اور اُن کی

عربی تفسیریں

(اس مقالے پر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نے پی ایچ ڈی کی ڈگری تفویض کی)

ڈاکٹر محمد سالم قدوائی

۱۹۷۳ء

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ نئی دہلی

اپنے والد محترم مولانا عبدالسلام صاحب قدوائی ندوی
کے نام

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

قرآن مجید اسلام کی بنیادی کتاب ہے جس میں لوگوں کے لیے ہدایت اور نور ہے، اور جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلّم کے ذریعے سے انسان تک پہنچایا۔ اس کی زبان عربی ہے جو اُس قوم کی زبان ہے جس میں حضرت محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم کو اسلام پھیلانے اور احکام الٰہی کی تبلیغ کے لیے بھیجا گیا تھا۔ مسلمانوں کے عقیدے کے مطابق یہ خدا کی آخری کتاب ہے جو شروع سے آخر تک منشاے الٰہی کی ترجمان ہے۔ ان کے نزدیک اس کا ایک ایک لفظ معانی و حقائق کا گراں قدر خزانہ ہے اور وہ اس کتاب میں اپنے انفرادی اور اجتماعی مسائل کا حل مضمر سمجھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ عہدِ رسالت سے آج تک قرآن مجید کے ساتھ مسلمانوں کو گہرا شغف رہا ہے۔

آں حضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے زمانے میں قرآن مجید مختلف موقعوں پر تھوڑا تھوڑا کر کے اُترتا رہا۔ اُس وقت جو حالات و مسائل درپیش ہوتے تھے اُن کے بارے میں قرآن مجید کی آیات نازل ہوتیں اسی وجہ سے صحابۂ کرام قرآن مجید کا مفہوم زیادہ آسانی سے سمجھتے تھے اگر کہیں مشکل پیش آتی تو رسول اللہ صلعم سے دریافت کر لیتے تھے۔ اپنی فہم و بصیرت اور رسول اللہ صلعم کے ارشادات کی روشنی میں صحابۂ کرام قرآن مجید کی تفسیر بیان کرتے تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہ حضرت عمر بن خطاب، حضرت علی بن ابی طالب، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن مسعود،

حضرت ابی بن کعب وغیرہ اکابر صحابہ کے تفسیری بیانات تحریری شکل میں بھی اُسی
زمانے میں آنے لگے تھے۔ خاص طور سے حضرت عبداللہ بن عباس نے اِس سلسلے
میں بہت کام کیا تھا۔ پھر تابعین نے اِن بزرگوں کی روایات کو جمع کیا۔ بعد کو انھیں
ذاتی نسخوں نے کتابی شکل اختیار کی اور بہت سے تفسیری مجموعے مرتب ہوگئے اور
انھیں کی بنیاد پر آگے چل کر بڑی بڑی تفسیریں تیار ہوئیں۔

جب فتوحات کی وسعت نے ذہنی اور سماجی انقلاب پیدا کردیا نئے نئے علوم و
فنون کا رواج ہوا مختلف رنگ و نسل مختلف مذاہب و ملل اور مختلف تہذیب و تمدن
سے تعلق رکھنے والے لوگ دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے تو نئے نئے سوالات سامنے
آئے اور مزید غور و فکر کی ضرورت محسوس ہوئی قرآن مجید سے ان جدید مسائل کو حل
کرنے کی کوشش کی گئی اُس وقت قرآن مجید کے الفاظ پر گہری نظر ڈالی گئی۔ اور سلف
کی سادہ روایات کے ساتھ عقل و استدلال سے بھی کام لیا گیا۔ متکلّمین نے اپنے
انداز میں عقل کی تشفی کی کوشش کی اور صوفیا نے اپنے انداز میں اِن حقائق کو
سمجھانے کی سعی کی اُسی زمانے میں یہ ضرورت بھی محسوس ہوئی کہ قرآنی الفاظ
کی وسعت و گہرائی کا جائزہ لیا جائے۔ اور دیکھا جائے کہ لفظ کے حقیقی معنی کیا
ہیں۔ مختلف زمانوں میں اِس کے استعمال میں کیا فرق آیا جملوں کی ساخت اور
زبان کے قواعد کے مطابق مطالب میں کیا فرق ہو سکتا ہے۔ قرآن مجید کے معنی خود
قرآن مجید کی آیتوں سے بھی واضح کرنے کی کوششیں کی گئیں۔ روایتی تفسیروں کی
جانچ پرتال کا کام بھی کیا گیا۔ الغرض مختلف نقطۂ نظر سے قرآن مجید کی
تشریح و تفسیر کی گئی۔

ہندوستان سے عربوں کے تعلقات بہت قدیم ہیں اِس کا سلسلہ تجارت
کی بنیادوں پر قائم تھا۔ عرب اسلام کی آمد سے پہلے سے ہندوستان آیا کرتے
تھے۔ مختلف جگہوں سے یہاں سامان لاکر فروخت کرتے اور پھر یہاں سے
مسالہ اور قیمتی اشیا دوسری جگہوں کو پہنچاتے تھے۔ اسلام کی آمد کے بعد

بھی تعلقات اسی طرح سے باقی رہے اور اسلام شروع میں انھیں عرب تاجروں کے توسط سے ہندوستان میں پھیلنے لگا۔

خلافت راشدہ کے زمانے میں اسلام عرب کے حدود سے باہر پہنچ گیا تھا۔ اور عربوں کے علاوہ مختلف قوموں اور ملکوں کے لوگ اسلام کے حلقہ بگوش ہوگیے تھے۔ عربوں کے علاوہ ان لوگوں نے بھی قرآن مجید سے متعلق بہت کام کیا۔ بنی امیہ کے دور میں اسلامی مملکت کی حدیں ہندوستان تک وسیع ہوگئیں۔ ولید بن عبدالملک کے زمانے میں سندھ باقاعدہ اسلامی سلطنت کا ایک عضو بن گیا۔ عرب تاجروں کے ذریعے جنوبی ہند میں بھی مسلمانوں کی آمد شروع ہو چکی تھی۔ بعد کو درۂ خیبر کی راہ سے مسلمانوں کا داخلہ ہندوستان میں شروع ہوا اور باقاعدہ مسلمان حکومت قائم ہوگئی۔ اس طرح اس ملک میں مسلمانوں کی آبادی لاکھوں سے تجاوز کر گئی۔ عرب، ایران، افغانستان و ترکستان سے آکر آباد ہونے والوں کے علاوہ خود اس ملک کے لاکھوں باشندے دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے۔ ان حالات میں یہاں بھی اسلامی تعلیمات کی اشاعت کی ضرورت محسوس ہوئی اس ملک کے مخصوص حالات، یہاں کے باشندوں کے مزاج اور ذہنی استعداد کے پیش نظر نئے زاویۂ فکر سے کام لینے کی فکر ہوئی۔ اس غرض سے فقہ و حدیث اور تاریخ و سیر کے ساتھ قرآن مجید کی تفسیریں بھی لکھی گئیں۔ عربی کے علاوہ فارسی میں بھی کتابیں لکھی گئیں وعظ و پند اور افہام و تفہیم کے لیے دیسی زبانوں سے بھی کام لیا گیا۔ لیکن چوں کہ عربی زبان کی اہمیت بہت تھی مذہبی تقدس کے ساتھ اسے علمی تفوق بھی حاصل تھا اس کے علاوہ دنیا کے تمام مسلمانوں کے درمیان یہ رابطہ کی زبان بھی تھی جو کچھ اس میں لکھا جاتا اس کی اشاعت سارے مسلمان ملکوں اور آبادیوں میں ہوتی تھی۔ اس لیے جو اہل علم عربی زبان میں تصنیف و تالیف کی صلاحیت رکھتے تھے وہ ضرور اس میں کتابیں لکھتے تھے۔ دوسرے عقلی و نقلی علوم کے علاوہ تفسیری

کتابیں بھی اچھی خاصی تعداد میں عربی زبان میں لکھی گئیں۔ یہ تفسیریں مختلف نقطۂ نظر سے تیار کی گئیں۔ کسی نے احکام کے استنباط کا خیال رکھا۔ کسی نے ادبی پہلوؤں پر زور دیا کسی نے روایات سلف کو جمع کرنے کی کوشش کی کسی نے تصوف کے نکات واضح کرنے کی سعی کی۔

ہندوستان میں یہ فن کب آیا اور سب سے پہلے کس نے تفسیر لکھی اس کی بالکل صحیح تعیین کرنا خاصا مشکل ہے اس لیے کہ ہندوستانی مسلمانوں کی کوئی ایسی مکمل تاریخ نہیں ہے جس میں شروع سے لے کر اب تک کے تمام حالات مع تصانیف وغیرہ کے تذکرے کے موجود ہوں۔ مختلف جگہوں سے جو تذکرے اور کتابیں مل سکی ہیں ان میں علمی و ادبی کارناموں کا ذکر نہ ہونے کے برابر ہے۔ ہندوستان میں لکھی گئی عربی تفسیروں کا جب بھی ذکر آتا ہے عام طور سے لوگوں کا خیال یہ ہوتا ہے کہ ایسی تفسیروں کی تعداد بس برائے نام ہی ہوگی۔ اس سلسلے میں بعض لوگوں نے کام بھی کیا ہے جن میں ڈاکٹر زبید احمد صاحب کی انگریزی کتاب "کنٹری بیوشن آف انڈیا ٹو عربک لٹریچر"
Contribution of India to Arabic Literature
کا ایک باب ہندوستان میں علوم قرآن سے متعلق بھی ہے۔ انھوں نے ایک طرح سے ایک فہرست پیش کر دی جس سے پتہ چل جائے کہ ہندوستان میں کتنا کام ہوا ہے۔ یہ فہرست بھی پوری طرح سے مکمل نہیں ہے۔ اس کی وجہ بظاہر یہ معلوم ہوتی ہے کہ ڈاکٹر زبید احمد صاحب نے مختلف کتب خانوں کی فہرستوں پر ہی بھروسہ کیا ہے اور ان میں جو نام مل گیے ہیں انھیں اپنی کتاب میں درج کر لیا ہے۔ لیکن ان فہرستوں کے علاوہ پرانے تذکروں اور تاریخی کتابوں کو دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ زبید صاحب کی یہ فہرست مکمل نہیں ہے۔ بعض بہت ہی اہم قسم کی تصانیف کا ذکر ان کے یہاں نہیں ملتا ہے۔ انھوں نے کل ۹۴ کتابوں کے نام لکھے ہیں جن میں سے ۷۳ مختلف کتب خانوں میں (ہندوستان اور ہندوستان کے باہر) موجود ہیں باقی ۲۱ کتابوں کے متعلق انھوں نے لکھا ہے کہ نہیں ملتی ہیں۔ لیکن میری

فہرست اس سے بالکل مختلف ہے۔ مجھے مجموعی طور پر ۱۵۶ کتابوں کے نام مل سکے ہیں۔ ان میں سے ۸۳ کتابیں ہندوستان ہی کے کتب خانوں میں موجود ہیں۔ ۱۰ انڈیا آفس کے کتب خانے میں ہیں باقی (۶۳) کتابوں کا باوجود کوشش کے پتہ نہیں چل پایا ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہ فہرست اور بھی طویل ہوتی اگر بہت سے ذاتی کتب خانوں اور ذاتی نسخوں کا پتہ چل جاتا۔ یقیناً اور بھی بہت سے لوگوں نے تفسیریں لکھی ہوں گی لیکن مکمل اور مفصل تاریخی کتابوں کے نہ ہونے کی وجہ سے ہم کو ان کا پتہ نہیں چل پایا ہے۔

جو کتابیں مل سکی ہیں انھیں چار حصّوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ہر حصّے کو مصنّفین کے سنہ وفات کے حساب سے مرتّب کیا گیا ہے۔ پہلے حصّے میں اُن تفسیروں کا ذکر ہے جو مکمل ہو گئیں خواہ وہ مکمّل ملتی ہوں یا اُن کا کوئی حصّہ۔ دوسرے حصّے میں اجزائے قرآن کی تفسیریں ہیں یعنی مختلف سورتوں کی یا محض آیتوں کی۔ تیسرے حصّے میں قدما کی تفسیروں کے حواشی اور شرحوں کا ذکر ہے۔ چوتھے حصّے میں متعلقات قرآن مجید کا ذکر ہے یعنی اُن کتابوں کا جو قرآن مجید سے متعلق ہیں مثلاً ناسخ و منسوخ، رسم خط، تخریج آیات، مفردات قرآن۔ فضائل قرآن، احکام قرآن وغیرہ۔ ان تمام کتابوں پر الگ الگ تبصرہ اور مصنف کے مختصر حالات لکھے ہیں چوں کہ تصانیف کی تعداد بہت ہے اس لیے ان پر مفصّل بحث نہیں ہو سکتی تھی۔ پھر بھی اس بات کی کوشش کی ہے کہ مختصراً انداز میں کتاب کے متعلق تمام خاص باتیں پیش کر دی جائیں۔

پہلا حصّہ جو مکمّل تفسیروں پر مشتمل ہے اس میں بعض کتابیں ہر اعتبار سے بہت اہم ہیں۔ کاشف الحقائق و قاموس الدقائق مصنّفہ محمد بن احمد گجراتی (۸۲۰ھ)، اور تفسیر در ملتقط مصنّفہ سید محمد گیسو دراز (۸۲۵ھ) علمو فیا نہ رنگ کی تفسیریں ہیں۔ پہلی تفسیر کا مکمل نسخہ ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ میں موجود ہے۔ سید گیسو دراز کی تفسیر کا ایک حصہ لکھنؤ میں ناصریہ کتب خانہ میں ہے اور

بعض اجزاء انڈیا آفس لائبریری میں بھی ہیں۔ علامہ علی مہائمی (۸۳۵ھ) کی تفسیر تبصیر الرحمٰن و تیسیر المنان بہت سی خصوصیات کی حامل ہے۔ اس کی سب سے بڑی خوبی ربط آیات ہے اس کے علاوہ دو اور باتیں اس میں ایسی ہیں جو اور لوگوں کے یہاں ہم کو نہیں ملتی ہیں۔ پہلی تو یہ کہ ہر سورۃ سے پہلے اُس کا تعارف اور اُس کے نام کی توجیہ بیان کرتے ہیں دوسرے یہ کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی تفسیر ہر سورۃ میں مختلف طریقوں سے سورۃ کے مضمون کے مطابق کرتے ہیں۔

محمد بن احمد میا نجیو (۹۸۲ھ) بڑے عالم اور صوفی بزرگ تھے ان کی تفسیر محمدی بھی ربط آیات کے نقطۂ نظر سے بڑی اچھی ہے مگر تفسیر مہائمی کے مقابلے میں کم درجے کی ہے۔

شیخ مبارک (۱۰۰۱ھ) کی "منبع عیون المعانی" بڑی نادر تفسیر ہے۔ اس کے متعلق عام خیال ہے کہ ضائع ہو گئی ہے۔ زبید احمد صاحب نے بھی اسے لاپتہ قرار دیا ہے۔ لیکن یہ تفسیر پانچ ضخیم جلدوں میں لکھنؤ میں سید تقی صاحب کے کتب خانے میں موجود ہے اس تفسیر پر تفصیلی بحث کی گئی ہے۔ یہ ہندوستانی علماء کے مرتبے کو بلند کرتی ہے۔

فیضی (۱۰۰۴ھ) کی "سواطع الالہام" کو ہندوستان کے تفسیری کارناموں کا ذکر کرتے ہوئے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ عرب و عجم ہر جگہ اس کا چرچا رہا ہے اس کی سب سے اہم خصوصیت یہ ہے کہ پوری تفسیر بے نقط الفاظ میں لکھی گئی ہے جس سے عربی زبان پر فیضی کے عبور کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس صنعت کی وجہ سے یہ تفسیر خاصی مشکل اور مبہم ہو گئی ہے لیکن پھر بھی اسے ایک مہمل کام قرار نہیں دیا جا سکتا۔

ہندوستانی علماء کی ایک عجیب و غریب تفسیر حاجی عبد الوہاب بخاری

(۹۳۲ھ) کی ہے اِس میں قرآن کریم کی تمام آیات کو رسول اللہ صلعم کی منقبت قرار دیا گیا ہے اور تفسیر بھی اسی نقطۂ نظر سے کی ہے۔ اِس کا کوئی مکمل نسخہ تو نہیں ملتا ہے البتہ اخبار الاخیار میں اس کے بعض اجزاء موجود ہیں۔

اِس کے علاوہ شیخ عیسیٰ بن قاسم سندھی (۱۰۳۱ھ) کی تفسیر "انوار الاسرار" بھی بڑی اہم سمجھی جاتی ہے۔ اِس کا بھی کوئی نسخہ کہیں موجود نہیں ہے، چند عبارتیں معارج الولایۃ اور نزہۃ الخواطر ۵ میں موجود ہیں۔

قاضی ثناء اللہ مظہری (۱۲۲۵ھ) کی "تفسیر مظہری" اور نواب صدیق حسن خان (۱۳۰۷ھ) کی "فتح البیان فی مقاصد القرآن" بھی ہندوستان کی اہم تفسیروں میں شمار ہوتی ہیں۔ دونوں ہی پُرانے مفسّرین کے اصولوں کو پیش نظر رکھ کر لکھی گئی ہیں۔

اِن کے علاوہ جو تفسیریں ہیں اِن میں بھی کسی نہ کسی پہلو کو پیشِ نظر رکھا گیا ہے لیکن کوئی بہت غیر معمولی بات پیش نہیں کی گئی ہے۔

دوسرے حصّے میں جو اجزائے قرآن کی تفسیروں پر مشتمل ہے عبد اللہ بن عبد الحکیم (۱۰۹۳ھ) کی تفسیر سورۃ الفاتحہ اور غلام نقشبندی لکھنوی (۱۱۲۶ھ) "انوار الفرقان" خاصی اہم ہیں۔ شیعہ علماء میں سید محمد تقی (۱۲۸۹ھ) کی "ینابیع الانوار" اچھی تصنیف ہے۔ اِس کے علاوہ جدید دور کے لوگوں میں مولانا حمید الدین فراہی (۱۳۴۹ھ) کی "نظام القرآن وتاویل الفرقان" کے تحت لکھی گئی مختلف سورتوں کی تفسیریں قابلِ ذکر ہیں۔ مولانا چونکہ جید عالم تھے اور جدید دور کے تقاضوں کو پوری طرح سمجھتے تھے اس لیے اُنھوں نے اپنی تصانیف میں تمام باتوں کا خیال رکھا ہے۔ اِن کی ایک بات اور قابلِ ذکر ہے کہ اُنھوں نے قرآن مجید کو مربوط ثابت کیا ہے اور تمام سورتوں کا ایک دوسری سے گہرا تعلق بیان کیا ہے۔

تیسرا حصہ قدما کی تفسیروں کی شرحوں اور حواشی سے متعلق ہے۔ اِس میں اللہ داد جون پوری (۹۲۳ھ) کا "حاشیہ تفسیر مدارک" ایک تو اِس لحاظ سے بہت اہم ہے کہ اِس کا یہی ایک قلمی نسخہ موجود ہے دوسرے اِس اعتبار سے بھی کہ یہ زیادہ واضح اور مفصل ہے۔ عبد الحکیم سیالکوٹی (م ۱۰۶۷ھ) کا حاشیہ بیضاوی بھی اہم اور مفید سمجھا جاتا ہے۔ بیضاوی پر علامہ وجیہ الدین علوی گجراتی (۹۹۸ھ) عبد السلام لاہوری (م ۱۰۳۷ھ) اور مولانا جار اللہ الہ آبادی (۱۱۱۰ھ) کے حاشیے بھی اچھے ہیں۔ تراب علی لکھنوی (۱۲۸۱ھ) اور فیض الحسن سہارن پوری م ۱۳۰۴ھ کے حاشیے جلالین پر بہت زیادہ مفید سمجھے جاتے ہیں۔ چوں کہ یہ سب تفسیریں درس میں داخل تھیں اِس لیے یہ حواشی خصوصی توجہ سے لکھے گئے تھے۔

چوتھے حصے میں متعلقاتِ قرآن کا ذکر ہے یعنی اُن تصانیف کا جو علوم قرآن سے متعلق ہیں۔ مثلاً ناسخ و منسوخ، تجوید و قرأت، رسم خط قرآن، تخریج آیات، احکامِ قرآن وغیرہ اِس سلسلے کی سب سے اہم تصنیف عماد الدین عبد النبی اکبرآبادی کی دستور المفسرین مصنفہ ۱۰۲۱ھ ہے۔ اِس میں انھوں نے ان تمام باتوں کا ذکر کیا ہے جن کا علم مفسّرِ قرآن کے لیے ضروری ہے۔ یہ کتاب نادر ہے۔ زبید احمد صاحب نے اسے لاپتہ قرار دیا ہے لیکن اِس کا ایک قلمی نسخہ علی گڑھ میں مولانا عبد الحیٔ صاحب کے ذخیرۂ کتب میں مل گیا ہے۔ اِس کے علاوہ بعض اور کتابیں اِس سلسلے کی ملتی ہیں ہادیہ قطب شاہیہ مصنفہ محمد علی کربلائی م ۱۰۴۴ھ تخریج آیات سے متعلق ہے۔ مصطفےٰ بن محمد سعید کی نجوم الفرقان بھی اِسی فن میں ہے۔ احکام کی تفسیر سے متعلق سب سے اہم اور مشہور "تفسیرات الاحمدیہ فی بیان آیات الشرعیۃ" ہے جس کے مصنف ملا جیون (م ۱۰۶۹ھ) ہیں

اس کے علاوہ بھی بعض لوگوں نے اس سلسلے میں کتابیں لکھی ہیں لیکن جو جامعیت اور تمام مسائل کی تشریح و توضیح ان کے یہاں ملتی ہے دوسری جگہوں پر نہیں ہے "جنۃ النعیم فی فضائل القرآن الکریم" مصنفہ محمد ہاشم بن عبدالغفور ۱۱۷۴ھ "آیات الاعجاز" مصنفہ مولانا عبدالرشید کشمیری ۱۲۹۵ھ وغیرہ بھی قابلِ ذکر تصانیف ہیں۔

ان تصانیف کے علاوہ بہت سی کتابوں کا ذکر تذکروں میں ملتا ہے مگر وہ اب ملتی نہیں ہیں یا اُن کا ایک آدھ نسخہ ہندوستان سے باہر کے کتب خانوں میں موجود ہے ایسے تمام مصنّفین کے حالات پانچویں حصّے میں بیان کیے گئے ہیں۔ مختلف ذرائع سے جس مصنّف کے بارے میں پتہ چلتا ہے کہ اُس نے ہندوستان میں پہلی تفسیر عربی زبان میں لکھی وہ ابوبکر اسحاق بن تاج الدین[۱] (۱) ابو الحسن ۷۳۶ھ ہے یہ حنفی المذہب تھے اور ابنِ تاج کے نام سے مشہور رہے تھے اُنھوں نے جواہر القرآن کے نام سے قرآن مجید کی تفسیر لکھی اس کے بعد اپنی تفسیر کا خلاصہ بھی خود ہی کیا جس کا نام خلاصۂ جواہر القرآن فی بیان معانی الفرقان ہے اصل کتاب کا تو پتہ نہیں چلتا البتہ خلاصہ کا ایک نسخہ برلن کے کتب خانہ میں موجود ہے (۲) ان کے مفصّل حالات کا بھی پتہ نہیں چلتا ہے۔

دوسرا نام جو اس سلسلے میں آتا ہے وہ امیر کبیر سیّد علی ہمدانی (۳) کا ہے ان کی پیدائش ہمدان میں ہوئی ۷۸۱ھ میں ہندوستان میں آئے اور کشمیر

---

(۱) زبید احمد ص ۳۵ (کنٹری بیوشن آف انڈیا ٹو عربک لٹریچر)

(۲) فہرست برلن نمبر ۸۷۶

(۳) زبید احمد

میں قیام کیا یہاں ان کی بزرگی اور علمیت کا بہت شہرہ ہوا اُنھوں نے علم ناسخ و منسوخ سے متعلق ایک رسالہ تصنیف کیا۔ اِس کا بھی کوئی نسخہ انڈیا آفس لائبریری کے سوا نہیں پایا جاتا ہے (۱) اِس کے علاوہ بھی اُنھوں نے بہت سے علمی کام کیے۔ ان کا انتقال ۷۸۶ھ میں ہوا (۲)

سیّد اشرف جہانگیر سمنانی (۳) (۸۰۸ھ) بہت بڑے بزرگ اور عالم تھے اُنھوں نے بہت سے علمی کام کیے ہیں اُن کے حالات دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ اُنھوں نے تفسیر قرآن بھی لکھی تھی اُس کا کوئی نسخہ غالبًا نہیں پایا جاتا ہے۔

شیخ محمد بن یوسف حسنی دہلوی (۴) (۸۲۵ھ) بہت بڑے فقیہ اور عالم دین تھے۔ زہد و تقویٰ کے ساتھ ساتھ لکھنے پڑھنے کا بھی اُن کو بہت شوق تھا۔ فنِ تفسیر پر بھی اُن کو عبور تھا۔ اِس فن میں اُنھوں نے کئی کتابیں لکھیں۔ "تفسیر القرآن الکریم" معرفتِ الٰہی کے نظریات کے پیشِ نظر لکھی تھی ایک اور تفسیر کشاف کے انداز پر لکھی اِس کے علاوہ کشاف کے بعض اجزاء پر حواشی بھی لکھے۔ اِن میں سے کسی ایک کا بھی اب پتہ نہیں چلتا ہے۔ اِن کی تصانیف کی مجموعی تعداد ایک سو پچیس بتائی جاتی ہے۔

خواجہ حسین بن خالد ناگوری (۵) (۹۰۱ھ) اپنے دور کے اہم عالم اور

---

(۱) زبید احمد

(۲) تذکرۂ علمائے ہند ص ۱۴۸

(۳) نزہتہ ص ۳۳ ج ۳

(۴) نزہتہ ص ۱۵۲ ج ۳

(۵) اخبار الاخیار ص ۱۷۷

بزرگ تھے انھوں نے علوم دین کی تبلیغ میں بہت حصّہ لیا۔ اُنھوں نے قرآن مجید کی تفسیر نور البنی کے نام سے لکھی۔ یہ تفسیر تیس جلدوں میں تھی۔ گویا کہ ہر پارے کی الگ الگ اِس میں اُنھوں نے توضیح معانی اور حلِ تراکیب پر خاص توجہ رکھی ہے۔ اِس تفسیر کا بھی اب پتہ نہیں چلتا ہے۔

شیخ طاہر بن رضی ہمدانی (۱) ۹۵۶ھ مذہباً شیعہ تھے۔ کاشان سے ہندوستان آئے شیخ پیر محمد کے توسط سے اُن کی رسائی احمد نگر میں ہوئی۔ برہان نظام شاہ اُن سے کافی متاثر تھا اور کبھی کبھی اُن کی مجلس میں حاضر ہوتا تھا۔ اُنھوں نے فقہ امامیہ سے متعلق بہت سی کتابیں لکھی ہیں۔ بیضاوی کا حاشیہ بھی لکھا۔ اب اس کے نسخے کا پتہ نہیں چلتا ہے۔

شیخ محمد بن عاشق پھریا کوٹی (۲) ۹۷۲ھ فقہائے حنفیہ میں سے تھے اُن کی بہت سی تصانیف کا ذکر ملتا ہے اُنھوں نے ایک تفسیر بھی لکھی جس کا نام تفسیر محمدی بتایا جاتا ہے اِس تفسیر کا کوئی نسخہ نہیں پایا جاتا ہے۔

شیخ علی متقی برہان پوری (۳) ۹۷۵ھ شیخ باجن برہان پوری کے مرید اور شیخ حسام الدین ملتانی کے شاگرد تھے۔ اُن کے علم کا بہت شہرہ تھا۔ شیخ ابن حجر مکّی جو اپنے دور کے اساتذہ میں سے تھے انھیں اپنا شیخ تسلیم کرتے تھے تحصیلِ علم کا اُن کو بہت شوق تھا۔ اُن کی سب سے اہم اور بڑی تصنیف "کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال" ہے۔ اِس میں انھوں نے سیوطی کی جامع صغیر و جامع کبیر کی احادیث کی تبویب فقہی انداز پر کی ہے۔ انھوں نے

---

(۱) نزہتہ ص ۱۶۳ ج ۴

(۲) نزہتہ ص ۳۰۲ ج ۴

(۳) نزہتہ ص ۲۳۴ ج ۴

قرآن مجید کی تفسیر " شئون المنزلات " کے نام سے لکھی تھی اُس کا صرف ایک نسخہ انڈیا آفس لائبریری میں ملتا ہے (۱) یہ قرآن مجید کے منتخب اجزا کی تفسیر ہے جس میں مختصر جملوں میں مطالب کو واضح کیا ہے۔ کہیں کہیں پر فارسی اشعار بھی ہیں قدیم مفسّرین و محدّثین کے اقوال بھی نقل کیے گیے ہیں۔

شیخ شمس الدین شیرازی بیجاپوری ۹۸۶ھ (۲) شیخ محمد گوالیاری کے شاگرد تھے۔ شیراز سے آکر بیجاپور میں قیام کیا۔ ساری عمر توکّل اور قناعت سے بسر کی بہت متقی اور لوگوں سے بے نیاز رہتے تھے اُنھوں نے بیضاوی کا حاشیہ لکھا جواب نہیں ملتا ہے۔

شیخ محمد بن احمد فاکہی گجراتی ۹۹۲ھ (۳) بڑے علماء میں سے تھے۔ یہ ہندوستان آئے کچھ دن یہاں رہے پھر مکّہ معظمہ چلے گیے پھر ۹۶۰ھ میں واپس آئے یہیں قیام کیا اور یہیں وفات پائی اُن کی بہت سی تصانیف ہیں جن میں شرح مختصر الانوار رسالہ فی اللغۃ وغیرہ اہم ہیں اُنھوں نے رسالہ علیٰ آیۃ الکرسی لکھا جو بہت مشہور ہوا۔ مگر اِس کا کوئی نسخہ نہیں ملتا ہے۔

شیخ ہبۃ اللہ شیرازی (۴) جو شاہ میر کے نام سے مشہور ہوئے (۹۸۸ھ) میں ہندوستان آئے۔ جابجا شیر میں مقیم ہوئے کثیر تعداد میں علما نے اُن سے استفادہ کیا۔ اُنھوں نے بہت سی کتابیں لکھیں۔ جن میں سے لوامع البیان فی قدم القرآن اہم اور مشہور ہے۔ اس کا بھی کوئی نسخہ نہیں ملتا۔

علامہ مصلح الدین لاری (۵) علوم عربیہ اور معارف حکمیہ میں ماہر تھے۔ اُنھوں نے تفسیر بیضاوی پر تعلیقات لکھی ہیں جواب نہیں ملتی ہیں۔

---

(۱) فہرست مخطوطات عربی نمبر ۱۵۲ سی اے اسٹوری (۲) نزہۃ ج ۴ ص ۱۴۰ (۳) ایضاً ج ۴ ص ۲۸۳

(۴) ایضاً ج ۴ ص ۳۸۸ (۵) ایضاً ج ۴ ص ۳۵۶

اِن لوگوں کے علاوہ اور بھی بہت سے لوگوں نے تفسیریں لکھی تھیں مگر اب ان کا پتہ نہیں چلتا۔ ایسے لوگوں کی تعداد ۵۶ ہے۔ ان کے مختصر حالات لکھ دئے گئے ہیں۔ مقالہ کے آخر میں قلمی اور مطبوعہ کتابوں کی الگ الگ فہرست لکھی گئی ہے۔ قلمی کتابیں جن کتب خانوں میں پائی جاتی ہیں ان کے نام بھی لکھ دئے ہیں۔ جن تذکروں یا تاریخی کتابوں سے لوگوں کے حالات لیے گئے ہیں ان کی بھی فہرست الگ شامل کردی ہے۔

اِس مقالے کی تیاری میں مجھے اپنے محترم استاد پروفیسر عبدالعلیم (وائس چانسلر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی) کی رہبری بہ حیثیت میرے پی۔ایچ ڈی کے سپروائزر کے قدم قدم پر حاصل رہی ہے اس لیے میں اُن کا تہہ دل سے ممنون ہوں۔ اس سلسلے میں حسب ذیل کتب خانوں کے منتظمین کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں کیوں کہ اگر وہ پوری طرح سے مدد نہ کرتے تو بہت سی اہم کتابوں تک رسائی نہ ہوتی۔

۱۔ مولانا آزاد لائبریری مسلم یونیورسٹی علی گڑھ
(بہ شمول مختلف ذخیرہ کتب)

۲۔ رضا لائبریری رام پور

۳۔ صولت پبلک لائبریری رام پور

۴۔ لائبریری ندوۃ العلماء لکھنؤ

۵۔ ناصریہ لائبریری لکھنؤ

۶۔ لائبریری سلطان المدارس لکھنؤ

۷۔ لائبریری مدرسۃ الواعظین لکھنؤ

۸۔ لائبریری سیّد تقی صاحب مرحوم لکھنؤ

۹۔ کاظمیہ لائبریری کاکوری

۱۰ - امیرالدولہ پبلک لائبریری لکھنؤ۔

۱۱ - خدابخش لائبریری پٹنہ

۱۲ - پٹنہ یونیورسٹی لائبریری

۱۳ - نیشنل لائبریری کلکتہ

۱۴ - لائبریری ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ

۱۵ - آصفیہ لائبریری حیدرآباد۔

۱۶ - عثمانیہ یونیورسٹی لائبریری حیدرآباد

۱۷ - لائبریری دائرۃ المعارف حیدرآباد

۱۸ - سرسالار جنگ لائبریری حیدرآباد

۲۰ - کتب خانہ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی

آخر میں ایک بات خاص طور سے قابلِ ذکر ہے اِس کتاب کو مرتّب کرتے وقت یہ خیال تھا کہ یہ صرف ان اہلِ علم کی نظر سے گزرے گی جو عربی زبان اور اسلامی علوم سے واقف ہیں اِس لیے کتابوں کے اقتباسات اور مصنّفین کے خیالات ان کی اصلی عربی میں جیوں کے تیوں نقل کر دئے گیے تھے لیکن اب چونکہ یہ کتاب اُردو داں قارئین کی خدمت میں پیش کی جارہی ہے اِس لیے میں نے مشکل فنی مباحث خارج کر دئے ہیں اور طویل عربی اقتباسات حذف کر دئے ہیں اور صرف اہم معلوماتی عبارتوں کے مختصر ترجموں پر اکتفا کی ہے امید ہے کہ اِس طرح کتاب عام فہم ہو جائے گی اور ناظرین کو اِس کے مطالعہ میں کوئی الجھن نہ ہو گی۔ ساتھ ہی کوشش کی ہے کہ مغزِ سخن اہلِ علم کی نظر سے اوجھل نہ ہونے پائے۔

ناسپاسی ہو گی اگر میں اپنے والدِ محترم مولانا عبدالسلام صاحب قدوائی ندوی کا ذکر نہ کروں جن کی دعاؤں کے طفیل میں اِس قابل ہو سکا۔ مجھے خوشی

اور اطمینان ہے کہ یہ مقابلہ اُن کی نظر سے گزر چکا ہے اور اُن کے مشورے اس میں شامل ہیں۔ میں ڈاکٹر منشیر الحق صاحب ریڈر ویسٹ ایشین اسٹڈیز مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ کا بھی مشکور ہوں جن کی کوشش اور اصرار سے یہ کتاب اشاعت کے لیے جا رہی ہے۔

محمد سالم قدوائی

ادارۂ علوم اسلامیہ
مسلم یونی ورسٹی
علی گڑھ

پہلا باب

کاشف الحقائق وقاموس الدقائق

محمد بن احمد بن محمد شریحی تھانیسری گجراتی

اِس تفسیر کا قلمی نسخہ ایشیاٹک سوسائٹی کے کتب خانے میں موجود ہے[۱]۔ اِس پر نصرت جنگ کی مہر ثبت ہے۔ زبید احمد صاحب کو اِس نسخے کے سلسلے میں کچھ غلط فہمی ہوئی ہے۔ اور اُنھوں نے اسے اور تفسیر محمدی مصنفہ محمد بن احمد نصیر میاںجیو کو ایک ہی تفسیر کے دو نسخے قرار دیا ہے[۲] حالانکہ دونوں الگ الگ تفسیریں ہیں دونوں میں کسی بھی قسم کی ایسی مطابقت نہیں ہے جس کی وجہ سے دونوں کو ایک ہی قرار دیا جا سکے۔ پتہ نہیں زبید صاحب کو کس وجہ سے ایسا شبہ ہوا ہے۔ کاتب کا نام اور سنِ تصنیف درج نہیں ہے۔ کتاب صاف ستھرے خط میں لکھی ہے۔ اِس میں ۱۳۱۷ اوراق ہیں اکثر جگہوں پر حواشی بھی لکھے ہیں غالباً مصنف ہی کے تحریر کردہ ہیں کہیں کہیں پر کرم خوردہ ہے۔ یہ تفسیر صوفیانہ رنگ میں ہے۔ زبان آسان اور مفہوم واضح ہے۔ ابتدا اِن الفاظ سے ہوتی ہے۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم وبہ نستعین۔ الحمد للہ رب العالمین الذی انزل علی حبیبہ القرآن و

---

[۱] مخطوطہ

[۲] The Contribution of India to Arabic Literature P. 16 & 236

دجلۂ ہا دریا مے

آگے چل کر اِس تفسیر کو لکھنے کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں :۔

"چونکہ اکثر تفسیریں شریعت اور عربیت کے مطالب سے بھری ہیں لیکن کوئی تفسیر ایسی نہیں ہے جو طریقت و حقیقت کی باریکیوں پر مشتمل ہو لہٰذا میں نے ارادہ کیا کہ ایک ایسی مختصر تفسیر لکھوں جو الٰہیات کے رموز و اسرار پر مشتمل ہو۔ اُمید ہے کہ میرے لیے یہ قیامت کے دن ذخیرۂ خیر اور شفیع اکبر ہوگی۔" صـ۲ (ملخص ترجمہ)

اُن کا اندازِ سمجھنے کے لیے بسم اللہ کی تفسیر ملاحظہ ہو :۔

"ب سے اللہ کے بہائے جمال کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور الف خفی سے اُس کے جلال کی کمالیت کی جانب اشارہ ہے سین قہاریت و ربوبیت کے سرِ خفی کا مظہر ہے اور میم اِس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ تمام مکونات کا وہ مالک و متصرف ہے۔"

(ملخص صـ۲)

یہ قرآن مجید کی مکمل تفسیر ہے۔ شروع میں بہت تفصیلی انداز اختیار کیا ہے لیکن رفتہ رفتہ یہ انداز بدل کر مختصر ہوتا گیا ہے۔ جیسا کہ خود انھوں نے لکھا ہے اولیاء اللہ، صلحا اور بزرگوں کے قصے بھی مختصراً بعض جگہوں پر بیان کیے ہیں۔ اُن کا کہنا ہے کہ اُن کو صوفیانہ رنگ کی کوئی تفسیر نظر نہیں آتی اسی نقطۂ نظر کے پیشِ نظر اُنھوں نے اِس کی تصنیف کی ضرورت سمجھی اور شاید یہی وجہ ہے کہ اُنھوں نے ابتدا ہی میں اِس کا اظہار بھی کر دیا ہے کہ اگر کوئی بات لوگوں کو نئی محسوس ہو تو اس پر غور کریں اور اسے سمجھنے کی کوشش کریں محض بکو اس اور لایعنی بات قرار نہ دیں۔ لیکن جیسا کہ تفسیر کو دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے

اِس میں کوئی ایسی بات نہیں ہے جو قابلِ اعتراض ہو۔ اُنھوں نے اِس تفسیر میں ابنِ عطا، حسن بصری، دینوری، قشیری، جلال الدّین رومی، شمس تبریزی، سعدی وغیرہ کے حوالے دیے ہیں۔ تفسیری عبارتیں مختصر ہیں لیکن مفہوم واضح اور آسان۔ حاشیہ پر بھی بہت سی عبارتیں ہیں۔

الحمدللہ کی تفسیر میں یہ بحث کی ہے کہ "الحمدللہ" کیوں کہا، اِس کے بجائے کوئی اور لفظ کیوں استعمال نہیں کیا ہے۔ اِس سلسلے میں متعدد نکتے بیان کیے ہیں مثلاً:۔

" احمداللہ کہتے تو اِس میں ادائے لفظ کے وقت حضورِ قلب ضروری تھا ورنہ کذب بیانی ہوتی۔ پھر احمداللہ (میں اللہ کی حمد کرتا ہوں) کہنے میں صرف اپنی حمد کا ذکر ہوتا اور الحمدللہ اپنی وغیر سب کی حمد پر حاوی ہے۔" (مفہوم ملخص) ورق ۴

حروفِ مقطعات کے سلسلے میں مختلف لوگ مختلف توجیہیں کرتے ہیں۔ اِن کی توجیہ بھی ملاحظہ ہو۔ ۔ الٓم کے سلسلے میں پہلے تو یہ عام بیان نقل کر دیا ہے کہ سورتوں کے آغاز میں حروفِ مقطعات اُن متشابہات میں سے ہیں جن کا علم اللہ کے سوا اور کسی کو نہیں ہے۔ ہر کتاب کا ایک سر (راز) ہوتا ہے اور قرآن کا راز یہ حروف ہیں۔ اِس کے بعد لکھا ہے کہ :۔

بعض مفسرین کے نزدیک یہ مفتاح اسمائے الٰہی ہیں۔ الف اِس امر کی جانب اشارہ کرتا ہے کہ بندہ کو الف کی طرح ہونا چاہیے جس طرح وہ حرکت اور نقطہ قبول نہیں کرتا اُسی طرح بندہ کو بھی چاہیے کہ وہ غیراللہ کی محبت قبول نہ کرے جس طرح الف کسی حرف سے ملتا نہیں ہے اُسی طرح بندہ کو چاہیے کہ اُس کا دل ماسوا سے نہ ملے۔ جس طرح الف سیدھا ہے اُسی طرح

بندہ کو چاہیے کہ اللہ کی بندگی میں مستقیم رہے اُس کا دل نہ طلبِ دنیا کی طرف مائل ہو نہ طلب جنت کی طرف۔ لام اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ بندہ کے دل کو نرم ہونا چاہیے کہ وہ محبتِ حق کو قبول کر سکے اور کفّار کے دلوں کی طرح سخت نہ ہو اور میم یہ بتاتا ہے کہ بندہ اپنے رب کے موافق اور اُس کے اوامر کا مطیع ہو۔ (ملخص ترجمہ)

سورۂ یوسف کی ابتدائی عبارت سے انھوں نے قرآن مجید کے خطی لفظی اور ذہنی وجود کو ثابت کیا ہے:۔

"کتاب وجود خطی قرآن وجود لفظی اور تعقلوان وجود ذہنی پر دلالت کرتے ہیں۔"

آخر کے دو صفحے خاصے بوسیدہ ہیں۔ بیچ بیچ میں نسخہ کئی جگہوں پر سادہ رہ گیا ہے۔ غالباً اصل سے نقل کرتے وقت رہ گیا ہوگا یا اگر یہ نسخہ خود مصنّف کے قلم کا ہے تو اُنھوں نے اِس لیے چھوڑ دیا ہوگا کہ بعد میں لکھیں گے لیکن پھر نہ لکھ سکے ہوں گے۔ کچھ جگہوں پر اوراق غلط طریقے پر مرتّب ہوئے ہیں۔ آخری سورۃ کی تشریح کے ساتھ یہ تفسیر ختم ہوتی ہے۔ خاتمے کی عبارت یہ ہے:۔

" بدلائل التوحید فانہم یریدون احدیۃ کل موجود من الدلیل علی احدیۃ الخلق من الجنۃ والناس تمت "

یہ بہت ہی نادر تفسیر ہے اس کے علاوہ کسی دوسرے نسخے کا پتہ نہیں چلتا ہے۔

تفسیر ملتقط

سید محمد حسن گیسو دراز ولادت ۷۲۱ھ وفات ۸۲۸ھ

مصنف کا نام سید محمد حسنی اور گیسو دراز لقب تھا۔ ۷۲۱ھ میں پیدا ہوئے (۱) والد کا نام سید یوسف حسنی اور عرف سید راجا تھا والدہ کا نام بی بی رانی تھا۔ بندہ نواز گیسو دراز کے لقب سے زیادہ مشہور ہوئے۔ دہلی میں پیدا ہوئے لیکن جب ۷۲۸ء میں سلطان محمد تغلق نے تمام دہلی والوں کو دولت آباد جانے کا حکم دیا تو ان کے والد صاحب مع اپنے خاندان کے دولت آباد چلے گیے (۲) ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی ان کے انتقال کے بعد ان کی تربیت ان کے ماموں سید محمد ابراہیم نے کی۔ کم عمری میں ہی علوم متداولہ سے فارغ ہو گیے۔ یہ حضرت نصیر الدین چراغ دہلی (۳) متوفی ۷۵۷ھ سے بہت متاثر تھے اور بیعت بھی تھے۔ ان کے لقب گیسو دراز کے متعلق کئی روایتیں ملتی ہیں کہتے ہیں کہ یہ ایک بار اپنے پیر حضرت نصیر الدین سے ملنے گئے وہ بالا خانے پر تھے۔ خادم سے کہا کہ سید محمد کو بلا لاؤ اتفاق سے اس وقت کئی سید محمد نام کے لوگ

---

(۱) نزہۃ الخواطر ۳/۱۵۲

(۲) " " "

(۳) اخبار الاخیار ص ۸۰

موجود تھے۔ خادم نے واپس آکر دریافت کیا کن سیّد محمد کو۔ آپ نے فرمایا گیسو دراز کو۔ اسی طرح یہ واقعہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ ایک روز سیّد محمد اپنے پیر کی پالکی اُٹھائے چل رہے تھے اُن کے بال لمبے ہونے کی وجہ سے پالکی کے پائے میں اُلجھ گئے مگر یہ احتراماً کچھ نہ بولے۔ جب حضرت نصیر الدین کو خبر ہوئی تو ان سے بہت متاثر ہوئے اور یہ شعر پڑھا ؎

ہر کو مرید سیّد گیسو دراز شد
واللہ خلاف نیست کہ او عشق باز شد (۱)

حضرت گیسو دراز کی بزرگی کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ سیّد اشرف جہانگیر سمنانی (۲) متوفی ۸۰۸ھ جیسے بزرگ اُن کے بڑے معتقد تھے اور اُن سے ملنے کے مشتاق رہتے تھے۔ شیخ عبدالحق دہلوی نے اپنی کتاب اخبار الاخیار میں بہت تفصیل سے حضرت گیسو دراز کے حالات لکھے ہیں اور علمی کمالات بیان کیے ہیں۔ ان سے پہلے چشتیہ سلسلے کے بزرگوں نے تصنیف و تالیف کی طرف کوئی خاص توجہ نہ کی تھی۔ یہ پہلے بزرگ ہیں جنھوں نے اس جانب توجہ کی اور بہت سی کتابیں اور رسالے تصنیف کیے۔ تفسیر و حدیث، فقہ و اصول اور ادب میں اُن کی بہت سی تصانیف ہیں۔ اِن کو عربی، فارسی اور قدیم اُردو تینوں زبانوں میں مہارت تھی اِن کی تصانیف کی مجموعی تعداد ایک سو پانچ بیان کی جاتی ہے۔ اِس میں سے بہت سی کتابیں اب نہیں ملتی ہیں۔ (۳)

حضرت گیسو دراز کو اسلامی علوم اور مذہب کو سب تک پہنچانے اور ہر ایک کی

---

(۱) اخبار الاخیار ص ۱۳۰ (۲) اخبار الاخیار ص ۱۲۹

(۳) مقدمہ شکار نامہ مرتبہ ڈاکٹر ثمینہ شوکت ص ۵۱

نظروں میں برتر ثابت کرنے کی فکر رہتی تھی۔آپ کی اکثر تصانیف کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اسی اصول کے پیش نظر لکھی گئی تھیں۔ایک روایت یہ بھی ملتی ہے کہ آپ نے اپنے پیر و مرشد حضرت چراغ دہلی سے کہا کہ مجھے علوم ظاہری میں اب کافی دستگاہ ہو گئی ہے اگر آپ اجازت دیں تو علوم باطنی کی طرف توجہ کروں لیکن اُنھوں نے گیسو دراز کو محض علمی کاموں میں لگے رہنے کی تاکید کی (۱) اِن کی تصانیف کے متعلق ایک بات اور بھی کہی جاتی ہے کہ وہ خود اِن کو نہیں لکھتے تھے بلکہ وہ بولا کرتے تھے اور کاتب لکھ لیتے تھے۔کسی کتاب کو لکھوانے کے بعد نہ خود دوبارہ دیکھتے اور نہ پڑھوا کر سُنتے تھے۔اِن کے بہت سے فارسی اشعار بھی ملتے ہیں۔تخلص کے طور پر اپنے نام و لقب کے جس حصّے کو مناسب سمجھتے تھے استعمال کرتے تھے۔طرزِ فکر اور اندازِ بیان کے اعتبار سے یہ اشعار انھی مضامین پر مبنی ہوتے تھے جنھیں آپ اپنے متن کے طور پر عوام میں پھیلانا چاہتے تھے۔۸۲۵ھ میں اُن کی وفات گلبرگہ میں ہوئی وہیں اُن کی قبر ہے (۲)

سیّد محمد گیسو دراز کی تفسیر کا ذکر اُن کے تذکروں میں تو عام طور سے مل جاتا ہے لیکن کتاب کے موجود ہونے کی طرف کسی نے بھی اشارہ نہیں کیا ہے (۳) مجھے اِس تفسیر کا پہلا حصّہ جس کے شروع کے کچھ اوراق غائب ہیں لکھنؤ کے ناصریہ کتب خانے میں مل گیا ہے (۴) اِس کے علاوہ کسی اور نسخے کا پتہ یہاں کے اور کتب خانوں میں نہیں چلتا ہے البتہ انڈیا آفس لائبریری میں اس کے دو نسخے نصف اوّل اور ایک نصف آخر موجود ہیں جن کا ذکر آٹو لوتھ (Otto Loth) نے انڈیا آفس کی فہرست

---

(۱) تکملہ نامہ مرتبہ ڈاکٹر حفیظ شوکت ص ۱۵ (۲) نزہتہ ۳/۴ ۱۵ (۳) اُنھوں نے کشاف کے انداز میں بھی ایک تفسیر لکھنی شروع کی تھی جو چند پاروں سے آگے نہ بڑھ سکی۔اس کے علاوہ کشاف پر حاشی بھی لکھے تھے مگر ان دونوں عبارتوں کا اب کہیں پتہ نہیں چلتا ہے۔نزہتہ ۳/ ۱۵۴

(۴) مخطوطہ ۹۶۷ (تفسیر)

مطبوعہ ۱۸۷۷ء میں کیا ہے۔ مگر وہ بھی پورے یقین کے ساتھ اس کو سید گیسو دراز کی تصنیف نہیں کہتے ہیں۔ اِس فہرست کے مطابق مخطوطہ نمبر ۱۰۹ نمبر ۱۱۰ اور نمبر ۱۱۱ غالباً تفسیر ملتقط کے اجزا ہیں۔

مخطوطہ نمبر ۱۰۹ کے نہ تو مصنف کا پتہ چلتا ہے اور نہ ہی کتاب کا صحیح نام معلوم ہوتا ہے۔ آخر میں یہ عبارت درج ہے۔

"تمت تمام شد ہذا الکتاب الحقائق من تفسیر سہاب" (۱)

فہرست کے مرتب کا خیال ہے کہ یہ نام اصل نہیں بلکہ اندر کی عبارت ہی سے ماخوذ ہے۔ اِس کے بعد انھوں نے لکھا ہے کہ تفسیر عام طور سے تین عنوانات کے تحت بیان کی گئی ہے۔

(۱) حقائق (۲) لطائف (۳) الملتقط

اِس میں شروع کے ہیڈ اور ان کے ٹکڑے اور غائب ہیں۔ اِس کی ابتدا یوں ہے :-

"الادراک وحکی عن الشبلی انہٗ قال" اس میں اٹھارویں سورۃ تک کی تفسیر ہے۔

دوسرا مخطوطہ نمبر ۱۱۰ بھی اِس تفسیر کی نقل ہے لیکن پہلے مخطوطہ سے زیادہ خراب حال میں ہے شروع اور آخر کے اوراق بھی کافی کم ہیں۔ اِس کے ابتدائی حروف ہیں" یدعون ربھم بالغداۃ" اور اختتام اِن الفاظ پر ہوتا ہے۔" ان المرء سیبلغ علی" (چودھویں سورۃ کی ابتدا تک) اِس کے آخر میں اجزائے تفسیر ملتقط لکھا ہے۔

تیسرا مخطوطہ نمبر ۱۱۱ اِس تفسیر کا دوسرا حصہ ہے اور انیسویں سورۃ سے شروع

---

(۱) یہ لفظ اسی طرح سے لکھا ہے۔ ملاحظہ ہو فہرست انڈیا آفس نمبر ۱۰۹ ص ۲۴

ہوتا ہے اس میں بیچ کا کچھ حصّہ غائب ہے۔ اس کے آخر کی عبارت یہ ہے۔

"تفسیر ملتقط نصف آخر تصنیف سید محمد حسنی کیو دار" (۱)

اس کا انداز بھی پہلے اور دوسرے مخطوطہ کا سا ہے۔ یہاں بھی فہرست کے مرتب کو شبہ ہے کہ کتاب کا اصل اور صحیح نام کیا ہے۔

مجھے اس تفسیر کا پہلا حصّہ جو ناصریہ کتب خانہ لکھنؤ میں ملا ہے اسے اور اس فہرست کو دیکھنے کے بعد یقین ہے کہ یہ سب سید محمد گیسو دراز کی تفسیر ہی کے اجزا ہیں کتب خانۂ ناصریہ میں جو نسخہ ہے اس کے پہلے صفحے پر دو مہریں ہیں پہلی "الملک للہ" اور دوسری "حامد حسین" شروع کے کچھ صفحات غائب ہیں۔ عبارت "فقال ربّ ارنی" (سورۃ بقر کے خاتمے سے ذرا پہلے) سے شروع ہوتی ہے اور اٹھارویں سورۃ (یعنی سورۃ کہف) کی آیت "قل لو کان البحر مدا دا الخ کی تفسیر پر ختم ہوتی ہے۔ خاتمے کی عبارت یہ ہے۔

"تمّ بعون اللہ الملک الوہّاب" (سورۃ کہف کا اختتام)

اس کے بعد کاتب کے قلم سے لکھا ہے۔

" تمت المجلد الاول من تفسیر الملتقط تصنیف سیّد محمد گیسو دراز
قدس اللہ سرہ العزیز"

اس طرح سے یہ نسخہ انڈیا آفس کے مخطوطہ نمبر ۱۰۹ سے مل جاتا ہے (نمبر ۱۱۰ بھی اس کی نامکمل شکل ہے) دونوں ہی اٹھارویں سورۃ تک ہیں۔ اس نسخہ کا انداز بیان بھی وہی ہے جو انڈیا آفس والے نسخوں کا ہے یعنی حقائق، لطائف اور الملتقط کے عنوانوں کے تحت تفسیر بیان کی ہے اس میں پہلے تو آیت اور

---

(۱) اسی طرح لکھا ہے۔ ملاحظہ ہو فہرست نمبر ۱۱۱ ص ۲۴

اِس کی ضروری تشریح بیان کرتے ہیں اِس کے بعد "الملتقط" کے تحت اِس کی مکمّل تفسیر ہوتی ہے جس میں الفاظ و معانی پر پوری بحث کرتے ہیں۔ اِس سلسلہ میں کہیں کہیں اشعار بھی بطور ثبوت کے پیش کرتے ہیں۔ "لطائف" کے تحت الفاظ یا اُس کی تشریح سے متعلق اگر کوئی واقعہ یا قصّہ ہوتا ہے تو اسے بیان کرتے ہیں۔

معراج کے سلسلے میں خاص تفصیل سے لکھا ہے لفظ "اسریٰ" پر بھی خاصی طویل بحث کی ہے۔ لکھتے ہیں۔

اسراء کے بارے میں مختلف اقوال ہیں ہمارے نزدیک صحیح ترین بات یہ ہے کہ ایک بار جسم و روح کے ساتھ معراج ہوئی اور دوسری بار صرف روح کے ساتھ

(ورق ۳۴ ب)

سیّد محمد گیسو دراز ایک زبردست صوفی بزرگ تھے اِس تفسیر میں بہت سی جگہوں پر اُن کا یہ رنگ نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔

المترکیت ضرب اللہ مثلا کلمۃ طیبۃ الآیۃ (۱) کی تفسیر میں جو کچھ لکھا ہے اس کا مفہوم حسب ذیل ہے:۔

اللہ نے ایمان اور معرفت باللہ کی یہ مثال بیان کی ہے جڑ تو ایمان ہے اعمالِ صالحہ شاخیں ہیں، اخلاقِ جمیلہ پتے ہیں اور حلاوتِ طاعت اور لذّاتِ خدمت اِس کے پھل ہیں، حلاوت عابدین کی بسط عارفین کی لوعۃ ضمیر مریدین کی، انس محبین کی اور تعلق دھیان

(۱) سورۃ ابراہیم آیت ۲۴

مشتاقین کی صفت ہے۔ (ورق ۱۵)

سورۃ الحجر میں لطائف کے تحت ایک جگہ والارض مددناھا والقینا فیھا رواسی الآیۃ (۱) کی تفسیر میں لکھتے ہیں :۔

نفوس عابدین ارض عبادۃ قلوب عارفین ارضِ معرفت اور ارواح مشتاقین ارضِ محبت ہے۔ امید و بیم پہاڑ ہیں۔ کہا جاتا ہے اولیا اوتاد ارض ہیں جن کے ذریعے اللہ مخلوق سے بلاؤں کو دور کرتا ہے۔ وہ غیاثِ عالم ہیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ علما پہاڑ ہیں جن سے شریعت کا قیام و بقا ہے۔ علما اصول اصل دین کے اور فقہا نظامِ شریعت کے قیام کا باعث ہیں۔ (ورق ۶۱)

ایک اور جگہ پر الملتقط کے تحت صوفیا سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں :۔

تجلّی بالتمثیل ایک ایسی ذات کا ظل ہے جس کی نہ کوئی شکل ہے نہ مثل اور ظل شخص کا تابع اور عکس ہے بلکہ عکس کا عکس ہے پس اے محقق صوفیو تم فعلِ ظل کا جو کچھ مشاہدہ کرتے ہو وہ بعینہٖ فعل اصل ہے۔ (ورق ۵۷ ب)

ویوم نبعث فی کل امۃ شہیدا علیھم الآیۃ (۲) کی تفسیر میں لکھتے ہیں :۔

انبیا علیہم السّلام اُمتوں کے بارے میں گواہی دیں گے کیوں کہ وہ اپنے رب کے نزدیک سب سے زیادہ سچے ہیں اور مخلوق پر اس سے زیادہ شفیق ہیں جتنا کہ باپ اپنے بیٹے پر ہوتا ہے۔ جیسا کہ ہمارا مشاہدہ ہے کہ شیخ مریدوں پر اُس سے زیادہ مہربان ہوتا ہے جتنا کہ باپ بیٹے پر

---

(۱) سورۃ الحجر آیت ۱۹ (۲) سورۃ النحل آیت ۸۹

ہوتا ہے کیوں کہ پدری شفقت خیالی ہے اور نبی کی اُمت پر اور شیخ
کی مرید پر شفقت حقیقی ہے۔ اے شیوخ تم اپنے متّبعین پر گواہ ہو۔
(ورق ۴۳ ۸ ب)

اِس طرح سے تمام آیات کی تفسیر کے ساتھ ساتھ ضروری باتوں کی توضیح و تشریح بھی کرتے گئے ہیں۔ یہ صوفیانہ انداز کی تفسیر ہے جس میں سیدھی سادی باتوں کے ساتھ صوفیانہ نکات بھی بیان کیے گئے ہیں جو ایسے لوگوں کے لیے مفید ہیں جنھیں زبان سے دل چسپی اور مسائل سے شغف ہے۔ اِس میں تفسیری انداز کم ہے جس کی وجہ سے اُس کے مطالعہ سے قرآن مجید کے سمجھنے میں کچھ زیادہ آسانی نہیں ہوگی۔ البتّہ ان کا انداز جس میں اُنھوں نے تشبیہات استعمال کی ہیں اچھا ہے اور مفہوم کو پوری طرح واضح کرتا ہے۔ مختلف علماء کے حوالے بھی جا بہ جا مل جاتے ہیں۔ مثلاً حریری۔ واسطی اور خازن کی عبارتیں اور اقوال نقل کیے ہیں۔ بہ ہر حال اِس نقطۂ نظر سے بہت اہم ہے کہ اس میں ایک عظیم بزرگ کی علمی کاوشوں کا سرمایہ جمع ہے جو اُس کی بزرگی کے ساتھ ساتھ اُس کی صلاحیتوں اور اعلیٰ ذہنی خوبیوں کا ثبوت ہے۔

تبصیر الرحمٰن و تیسیر المنان بعض ما یشیر الی اعجاز القرآن

شیخ علاء الدین علی بن احمد المہائمی ولادت ۷۷۶ھ وفات ۸۳۵ھ

شیخ علی بن احمد گجرات کے قریب ساحلی علاقہ مہائم میں ۷۷۶ھ میں پیدا ہوئے (۱) والد کا نام احمد بیرو ہے لفظ بیرو آپ کے خاندان کا لقب ہے۔ ولادت کا زمانہ خیر و برکت کا دور تھا۔ علما و فضلا کی قدر دانی ہوتی تھی۔ سلطان محمد تغلق نے عرب، روم، شام و ایران کے اہلِ کمال کو جمع کیا تھا بڑے بڑے علمائے کرام اور اولیائے کبار اس دور میں موجود تھے۔ شیخ علی کے لیے تحصیلِ علم اور کسبِ کمال کے آسان ذرائع موجود تھے خود اُن کے والد کے علم کا دریا رواں تھا۔ زمانے نے فکرِ معاش سے پوری مہلت دے رکھی تھی۔ ابتدا جوانی میں علوم و فنونِ مروّجہ سے فارغ ہو جانا مولانا علی جیسے ہونہاروں کے لیے کیا بڑی بات تھی۔ جودتِ ذہن اور جدّتِ طبع تو خداداد تھی تھوڑے ہی دنوں میں اپنے معاصرین میں نمایاں حیثیت حاصل کر لی۔ علومِ باطنی میں بھی ریاضتِ شاقہ سے کمال کی حد کو پہنچے اور پھر درس و تدریس میں لگ گیے۔ کچھ عرصہ بعد طبیعت نے فقر و تجرد کی راہ اختیار کی اور مجاہدات کے بعد بدرِ کمال بن گیے۔

---

(۱) نزہتہ ۳/۱۰۵

ایک روایت یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ اِس زمانے میں اُن کو حضرت خضر علیہ السّلام سے شرفِ تلمذ حاصل ہوا۔ (۱)

علامہ علی مہائی زبردست عالم اور ولی کامل بھی تھے (۲) انھوں نے تفسیر و تصوف، فقہ و دینیات سے متعلق کئی اہم کتابیں اپنی یادگار چھوڑی ہیں جو مقبول و مشہور ہوئیں اور علماء نے انھیں قدر و منزلت کی نگاہوں سے دیکھا اِن میں سے بعض یہ ہیں زوارف اللطائف فی شرح عوارف المعارف، شرح ادلۃ التوحید، تفسیر تبصیر الرحمٰن و تیسیر المنان، مشرع الخصوص فی شرح الفصوص، النور الاظہر فی کشف سر القضا والقدر، الضوء الازہر فی الشرح النور الاظہر، اجلۃ التائید فی شرح ادلۃ التوحید وغیرہ (۳)

آپ کو شیخ محی الدین ابن عربی سے بڑی عقیدت تھی توحید وجودی جو اُن کے مسلک کا اہم ترین جزو ہے اِس میں یہ ابنِ عربی ہی کے پیرو ہیں۔ (۴) ان کی مجلس میں اسرار و معارف سننے کے لیے علمائے وقت کا ایک گروہ حاضر رہتا تھا جو اُن کی عالمانہ باتوں سے استفادہ کرتا تھا اِس کے علاوہ اہلِ حاجات بھی اُن کے در سے فیض یاب ہوتے تھے۔

مولانا عبدالحئی صاحب مرحوم (ناظم ندوۃ العلماء) آپ کے متعلق لکھتے ہیں:

---

(۱) تذکرہ مولانا فقیہ علی مخدوم مہائمی مصنفہ ابو محمد عبدالحق صاحب تفسیر حقانی ص مصنف کے حالات کے لیے خزینۃ الاصفیاء ۲/ ۳۰۹ حدائق الحنفیہ ص ۳۱۷ مآثر الکرام ص ۱۹۹ تذکرہ علمائے ہند ص ۱۴۷ اخبار الاخیار ص ۱۷۴

(۲) شیخ اکرام نے (آبِ کوثر ص ۵۱۱) رسالہ ضمیر الانسان مصنفہ سید ابراہیم مدنی کے حوالے سے ان کی بہت سی کرامات کا ذکر کیا ہے۔

(۳) نزہتہ ۳/ ۱۰۶

(۴) آبِ کوثر (مصنفہ شیخ اکرام) ص ۵۱۲

"شیخ علاؤ الدین علی بن احمد المہائمی گجرات کے سرمایۂ ناز ہیں اور میرے نزدیک ہندوستان کے ہزار سالہ دور میں شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی کے سوا حقائق نگاری میں اُن کا کوئی نظیر نہیں ...... جو تصانیف اُن کی پیشِ نظر ہیں اُن کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ ایسا شخص جس کو ابنِ عربی ثانی کہنا زیبا ہے وہ کس مپرسی کی حالت میں ہے۔ کہیں اور اُن کا وجود ہوا ہوتا تو اُن کی سیرت پر کئی کتابیں لکھی جا چکی ہوتیں اور کس پُرفخر لہجے میں مورّخین اُن کی داستانیں دُہراتے" (۱)

۸۳۵ھ میں ان کا انتقال ہوا (۲) اُن کی قبر مہائم میں ہے اُن کے مزار پر دھوم دھام سے عرس بھی ہوتا ہے۔

یوں تو ہندوستان میں بہت سی تفسیریں لکھی گئی ہیں لیکن اُن میں شیخ علی مہائمی کی اِس تفسیر کو ایک خاص درجہ حاصل ہے۔ اِس تفسیر میں ویسے تو دوسری غیر ہندوستانی تفسیروں ہی کا تتبّع کیا گیا ہے خصوصًا جلالین کا، لیکن بعض جگہوں پر اِس کا انداز بالکل بدلا ہوا ہے۔ اُن کی اِس تفسیر کو علماء بڑی قدر کی نگاہوں سے دیکھتے اور اُس کی سب سے بڑی خوبی ربطِ آیات کو سراہتے ہیں۔ شیخ عبدالحق محدّث دہلوی اِس تفسیر کے متعلق لکھتے ہیں:-

"تفسیرِ رحمانی کہ بہ صنعتِ ایجاز و تدقیق موصوف است و

---

(۱) یادِ ایام ص ۵۹ و ۶۰ (مصنفہ سید عبد الحیٔ مطبوعہ انسٹی ٹیوٹ پریس علی گڑھ)

(۲) نزہۃ ۳/۱۰۵ تذکرہ علمائے ہند ص ۴۷

تفسیر را بہ قرآن امتزاج دادہ است" (۱)

کتاب کے شروع میں ایک مختصر سا مقدمہ ہے جس میں کلام اللہ کی خوبیوں، برکتوں اور اللہ کی بزرگی و شان کا ذکر ہے اس کے بعد اپنی تفسیر سے متعلق لکھتے ہیں :-

> یہ نکات نظم قرآنی کا بہترین مجموعہ ہے جن میں سے اکثر مجھ سے پہلے کسی جن وانسان کی دسترس میں نہیں آئے تھے۔ میں کہ غریق بحر پلید کہاں اس لائق تھا کہ ان تک پہنچ سکتا جنھیں صرف پاک ترین بندے چھو سکتے ہیں لیکن اللہ پاک نے محض اپنے فضل سے میرے لیے اس مہم کو آسان فرمایا۔ (ص ۳)

اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے خبیر و علیم اور قرآن کے معجزہ ہونے کے دلائل پیش کیے ہیں پھر اس بات کی تلقین آیات واحادیث واقوال کے ذریعے سے کی ہے کہ قرآن کی تفسیر ہر شخص کو بغیر اچھی طرح علم کے نہ کرنی چاہیے۔

سورۃ فاتحہ کی تفسیر بہت تفصیل سے بیان کی ہے۔ پہلے تو اُس کے نام کی فضیلت اور اہمیت کا ذکر کیا ہے پھر اُس کے جو مختلف نام ہیں مثلاً فاتحۃ الکتاب، سورۃ الحمد، سورۃ الشکر، سورۃ المنتہ، المثانی، سورۃ الکنز، سورۃ المناجاۃ، سورۃ التفویض، اُمّ الکتاب، سورۃ الوافیہ، سورۃ الشفا وغیرہ کا تذکرہ کیا ہے۔ اور اس کی وضاحت کی ہے کہ یہ نام کیوں رکھے گئے اور ان ناموں سے سورۃ کا تعلق کیا ہے۔

اس کے بعد یہ بحث چھیڑی ہے کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم سورۃ الحمد میں داخل

---

(۱) اخبار الاخیار ص ۲۷۱

ہے یا نہیں۔ یہ ایک پوری لمبی بحث ہے جس پر انھوں نے تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔

سورۂ فاتحہ چوں کہ اساسِ قرآن کا مرتبہ رکھتی ہے اور اُس کی بڑی اہمیت ہے اس لیے اس سورہ کی تفسیر و تشریح میں خاص طور سے بڑی کاوش کی گئی ہے اور بڑے سلجھے ہوئے انداز میں ہر ہر آیت کا مطلب سمجھایا گیا ہے۔

"غیر المغضوب علیہم ولا الضآلین" کی تفسیر میں انھوں نے بیضاوی سے اختلاف کیا ہے۔ لکھتے ہیں۔

> بیضاوی نے مغضوب کو عاصی اور ضالین کو جاہلین باللہ قرار دیا ہے۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ مغضوب سے معاند اور ضالین سے کفر میں مبتلا مراد ہیں۔"

اس تفسیر میں دوسری تفسیروں کے مقابلے میں چار باتیں خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں۔

(۱) سورۃ کا تعارف۔ ہر سورۃ سے پہلے اس کا تعارف کرایا ہے اور یہ بیان کیا ہے کہ اس کا یہ نام کیوں رکھا گیا ہے۔ اگر کسی واقعہ یا کسی پیغمبر کی وجہ سے ہے تو اس کی تھوڑی سی تاریخ بھی بیان کر دی ہے۔ سورۂ آلِ عمران کی وجہِ تسمیہ یہ بیان کی ہے۔

> اس کا نام آلِ عمران اس لیے رکھا گیا ہے کہ اس میں آلِ عمرانؑ یعنی حضرت عیسیٰؑ، یحییٰؑ، مریم اور اُن کی ماں کی برگزیدگی کے بارے میں جتنا بیان ہے اور کسی کے بارے میں نہیں ہے۔ اتنی سے کچھ اوپر آیتوں میں اُن کا ذکر ہے اور اسے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی برگزیدگی کی دلیل قرار دیا ہے اور آپ کو ہر اللہ کے محبِّ محبوب کے لیے متبوع قرار دیا ہے (ص ۱۱۸)

اِس طرح سے ہر سورۃ کے متعلق کچھ نہ کچھ ایسی باتیں کہہ دی ہیں جس سے اُس کی وجہِ تسمیہ اور تھوڑا بہت یہ اندازہ بھی ہو جاتا ہے کہ اِس میں کیا بیان کیا گیا ہے۔

(۲) بسم اللہ کی تشریح ۔ ہر سورۃ کے شروع میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی تشریح سورۃ کے مضمون کو مدِنظر رکھتے ہوئے کی ہے۔ یہ ایک بہت بڑی خوبی ہے جس کی مثال ہمیں کسی دوسرے کے یہاں نہیں ملتی۔ مثلاً سورۃ الحمد سے پہلے بسم اللہ کی تشریح سورۂ بقر یا کسی دوسری سورۃ سے بالکل مختلف ہے۔

بہرحال یہ بھی ایک بہت بڑی خوبی اور زبان و بیان پر پوری قدرت کا ثبوت ہے کہ ایک ہی جملے کو مختلف انداز اور مختلف معنوں میں استعمال کیا جائے اور کہیں بھی تفسیر و تشریح میں فرق نہ پڑے ساتھ ہی ساتھ اِس کا اندازہ ہو جائے کہ اِس سورۃ میں کس قسم کا مضمون بیان کیا گیا ہے۔

(۳) ربطِ آیات ۔ مفسرین عام طور سے یہ کرتے ہیں کہ محض آیتوں کی تشریح بیان کر دیتے ہیں اگر کوئی واقعہ ہوتا ہے تو اُس کا حوالہ دے دیتے ہیں اس کی پرواہ نہیں کرتے کہ ماقبل و مابعد کی آیتوں میں کوئی مطابقت ہے یا نہیں۔ قرآن مجید مختلف اوقات اور مختلف حالات میں نازل ہوا ہے۔ آیات میں مطابقت پیدا کرنا اور سب کا ایک دوسرے سے تعلق دکھانا بہت مشکل اور بڑی سوجھ بوجھ کا کام ہے۔ علامہ مہائمی نے یہ کام بڑی خوش اسلوبی سے انجام دیا ہے۔ شروع سے لے کر آخر تک سارے کلام پاک کی تفسیر انھوں نے اِس انداز سے کی ہے کہ تمام آیات ایک دوسرے سے مربوط و منسلک نظر آتی ہیں۔

(۴) فنّی اور لغوی بحثیں ۔ بہت سے مفسرین آیتوں کی تشریح کے ساتھ ساتھ صرف و نحو کے پیچیدہ مسائل سے بھی بحث کرتے ہیں۔ ایک ایک لفظ پر لمبی لمبی بحثیں کی

ہیں اور دلائل پیش کیے ہیں۔ مہائمی اِن باتوں میں زیادہ نہیں اُلجھتے، اُن کے نزدیک معنی و مفہوم کی اہمیت زبان و بیان سے زیادہ ہے۔ عام طور سے چھوٹے چھوٹے جملوں اور واضح اشاروں سے وہ آیاتِ قرآنی کی تفسیر بیان کر دیتے ہیں اور اپنے پڑھنے والوں کو اُلجھنوں میں نہیں پھنساتے۔ البتہ کہیں کہیں پر عقلی توجیہ اور فلسفیانہ اندازِ بیان بھی ہے۔ اسی انداز کی وجہ سے مجدّد صاحب نے ان پر اپنے خط میں بہت اعتراض کیا ہے اور اُن کی اِس تفسیر کو پڑھنے سے بڑے بڑے نقصانات پیدا ہونے کا اندیشہ ظاہر کیا ہے۔ مجدّد صاحب نے لکھا ہے:-

"..... مصنّفِ ایں کتاب خیلے میل بہ مذہب فلاسفہ دارد و نزدیک است کہ حکیماں را عدیلِ انبیا سازد علیہم السّلام ..... (۱)

حروفِ مقطعات پر بھی انھوں نے روشنی ڈالی ہے اور ان کی وضاحت کی کوشش کی ہے مگر اس کی حیثیت خیال آرائی سے زیادہ نہیں ہے۔

اُنھوں نے تمام حروفِ مقطّعات کی توجیہیں کی ہیں۔ در اصل یہ حروف کے معنی نہیں ہیں بلکہ ہر حرف سے اندازاً ایک لفظ بنا لیا ہے گویا کہ وہ حرف بجائے اِس لفظ کے قرآن مجید میں استعمال ہوا ہے۔ بہرحال یہ کوئی تحقیقی بات نہیں ہے بس موقع و محل اور سورۃ کی مناسبت سے اِن مبہم الفاظ کی توضیح کر دی ہے۔

---

(۱) بحوالہ آبِ کوثر (شیخ اکرام) ص ۱۱۵

تفسیر القرآن

شیخ حاجی عبدالوہاب بخاری ولادت ۸۶۹ھ وفات ۹۳۲ھ

شیخ جلال الدین بخاری کی اولاد میں سے تھے پورا خاندان بزرگوں اور علما کا تھا۔ ان کی ولادت ۸۶۹ھ میں فاطمہ بنت قطب الدین بن کبیر الدین بن اسماعیل الحسینی البخاری کے بطن سے اچ (اچھ) میں ہوئی (۱) وہیں پرورش پائی اور تعلیم و تربیت حاصل کی۔ سید صدرالدین بخاری ان کے استاد اور خسر تھے (۲) ایک مدت تک ان کے ساتھ رہے اور استفادہ کرتے رہے۔ حاجی عبدالوہاب بخاری اپنے دور کے بہت ہی اہم بزرگ ہوئے ہیں۔ ان کے علم کا بڑا شہرہ تھا۔ اپنے استاد کی زندگی میں اُن کی اجازت سے حج کے لئے گیے واپسی پر ملتان میں قیام کیا اور کچھ عرصے بعد شدائد زمانہ کی وجہ سے سکندر لودی کے عہد میں دہلی آ گیے۔ (۳) یہاں عبداللہ بن یوسف قریشی سے کسب علم کیا اور دوسری بار حج کے لیے گیے۔ واپس آکر پھر دہلی میں قیام کیا اور آخر تک یہیں رہ کر تبلیغ دین و علم کرتے رہے۔ سکندر شاہ لودی ان کا معتقد تھا اور بہت تعظیم و تکریم کرتا تھا (۴)

---

(۱) نزہتہ ۴/۲۲۳ (۲) نزہتہ ۴/۲۲۳

(۳) اخبار الاخیار ص ۹ تذکرہ علمائے ہند ص ۱۳۸

(۴) ایضاً

انھوں نے قرآن کی ایک عجیب وغریب تفسیر لکھی ہے اس کی تصنیف انھوں نے اوائل ربیع الثانی ۹۱۵ھ میں شروع کی اور تقریبًا چھ ماہ کی مدت میں ۱۷ار شوال ۹۱۵ھ میں مکمل کر لی (۱) اس میں انھوں نے تمام مطالب قرآن اس انداز سے پیش کیے گئے ہیں گویا کہ سارا کلام اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح و منقبت میں ہے۔ نزہتہ الخواطر میں لکھا ہے۔

"تقریبًا تمام مطالب قرآنی کو مناقب نبوی کا رنگ دے دیا ہے اور اس میں دقائق و اسرار محبت بیان کیے ہیں۔ شاید انھوں نے اسے غلبۂ حال میں لکھا ہے۔ کیوں کہ اکثر امور جو انھوں نے ذکر کیے ہیں صحیح نہیں ہیں۔" (۲)

اس کتاب کا کوئی نسخہ غالبًا اب کہیں بھی نہیں پایا جاتا ہے۔ البتہ اس کے بعض اجزاء شیخ عبدالحق دہلوی نے اخبار الاخیار میں نقل کیے ہیں۔ اس کے علاوہ شروع کی دو تین سطریں معارج الولایۃ (قلمی نسخہ) میں بھی موجود ہیں جس میں انھوں نے لکھا ہے:۔

ایک رات میں عقل مند مجنونوں کے سردار اپنے مرشد عبداللہ بن یوسف قریشی کی خدمت میں حاضر تھا۔ اللہ نے جو انھیں بتایا تھا

---

(۱) نزہتہ ۴/۳۴۳ تذکرہ ص ۳۸۰ (۲) نزہتہ ۴/۳۲۳

وہ مجھے بتا رہے تھے جب وہ مشاہدے کی کیفیت بیان کرنے لگے تو فرمایا
یہ علم احاطۂ تقریر میں نہیں آسکتا ہے لیکن جب تحصیلِ وطلب رشد کا
جذبہ ہوتا ہے تو اس کی طرف رہ نمائی کی جاتی ہے (۱)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قدر لگاؤ کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے
کہ ایک روز یہ اپنے استاد شیخ صدرالدین کے پاس تھے انھوں نے استاد کو کہتے
سنا کہ۔

"دنیا میں تمام نعمتوں سے بڑھ کر دو نعمتیں موجود ہیں لیکن لوگ ان کی قدر
نہیں جانتے نہ ان کے لیے جد وجہد کرتے ہیں اور نہ ان کے حصول سے غافل
ہیں ایک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وجودِ مبارک کہ مدینۂ منورہ میں
حالتِ حیات میں موجود ہے۔ دوسری نعمت قرآن مجید ہے کہ جو کلامِ پروردگار
ہے اور اللہ پاک اس کے ذریعے براہِ راست کلام کر رہا ہے لیکن مخلوق
اس سے غافل ہے" (۲)

استاد سے اتنا سننے کے بعد ان کو زیارتِ مدینہ کا شوق ہوا اور اجازت
لے کر چلے گیے۔ سلطان لودی کے عہد میں واپس ہوئے اور دہلی میں قیام پذیر
ہو گیے۔

شیخ عبدالحق صاحب نے اخبار الاخیار میں سورۂ مریم، سورۂ طٰہٰ، سورۂ
انبیا، سورۂ حج کی تفسیر سے منتخب حصے نقل کیے ہیں۔ سورۂ مریم کی تفسیر میں
کھیعص کے ذریعے سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کیا ہے۔

---

(۱) معارج الولایت ۴۸۰،۴۸
(۲) اخبار الاخیار ۲۰۹

اسی طرح سے اُنھوں نے دوسری سورتوں کی بھی تفسیر کی ہے۔ اگر اِس تفسیر کا مکمل نسخہ نظر کے سامنے ہوتا تو اِس بات کا پورا اندازہ ہو سکتا تھا کہ کہاں تک اپنے مقصد میں کامیاب رہے ہیں۔ بہ ہر حال اتنا تو یقین ہے کہ جب اُنھوں نے سارے کے سارے قرآن مجید کو نعت پیغمبر صلعم کہا ہے تو اسے ثابت کرنے میں ضرور ہی انوکھا انداز اختیار کیا ہوگا۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں صحتِ مطالب کا کتنا امکان ہے۔ لیکن اُن کا عشقِ نبوی اور اِس باب میں اُن کی والہانہ نکتہ سنجی قابلِ داد ہے۔

شاہ عبدالعزیز صاحب کے ملفوظات میں بھی ان کا اور ان کی تفسیر کا ذکر ہے۔ شاہ صاحب نے ان کا عرف مجھی ردو لکھا ہے (۱)۔ مولانا مناظر احسن گیلانی لکھتے ہیں :۔

"میں سمجھتا ہوں کہ عوام میں اُن کے اِس کام نے بڑی اہمیت حاصل کی ہو گی کہ سارا قرآن پیغمبر کی نعت ہے۔ عام مسلمانوں کے لیے بڑا دل کش فقرہ ہے۔ میں نہیں جانتا ہوں کہ ہندوستان کے سوا قرآن کی ایسی تفسیر کہیں اور لکھی گئی ہو۔" (۲)

اپنی نوعیت کا غالبًا یہ پہلا کام ہے اور اِس کے اتنے ہی حصے ملتے ہیں جن کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے۔

---

(۱) لکھا ہے "عبدالوہاب بخاری مشہور بہ مجھی ردو"، ملفوظات عزیزیہ ص ۹۷

(۲) نظام تعلیم و تربیت ۲/ ۳۰۹

تفسیر محمدی

حسن محمد بن میاں جیو ولادت ۹۲۳ھ وفات ۹۸۲ھ

یہ نادر تفسیر شیخ ابو صالح حسن محمد بن احمد بن نصیر احمد آبادی گجراتی معروف بہ حسن محمد میاں جیو کی تصنیف ہے۔ اُن کی پیدائش ۹۲۳ھ میں احمد آباد میں ہوئی۔ یہ علامہ کمال الدین دہلوی کی اولاد میں سے تھے۔ ان کی تعلیم و تربیت ان کے والد اور احمد آباد کے علماء اور بزرگوں کے زیر سایہ ہوئی۔ ان کو طریقت سے بھی لگاؤ تھا۔ چشتیہ طریقہ اپنے والد اور چچا سے سیکھا۔ قادریہ طریقہ شیخ محمد غیاث سے حاصل کیا اور مداریہ طریقہ کی تعلیم اپنے بھائی شیخ فرید الدین سے حاصل کی۔ (۱)

انھوں نے بہت ہی تھوڑے عرصہ میں تعلیم مکمل کی اور جلد ہی علوم ظاہری و باطنی میں بڑی شہرت حاصل کر لی۔ فقہ و اصول، عربی ادب اور تصوف و تفسیر پر ان کی گہری نظر تھی۔ ان کو دولت و ثروت سے بھی وافر حصہ ملا تھا۔ بزرگوں کے عُرس اور درویشوں کے کھلانے پلانے پر دل کھول کے خرچ کرتے تھے۔ احمد آباد میں اُنھوں نے ایک بہت بڑی مسجد بنوائی جس پر ایک لاکھ روپیہ خرچ ہوا۔ "بنائے شیخ" سے اُس کی تاریخ نکلتی ہے۔ (۹۷۳ھ) (۲)

---

(۱) نزہتہ ۴/۸۷ (۲) تذکرہ علمائے ہند ص ۲۱۴

اکتالیس سال تک درس و افاضہ میں مصروف رہے۔ انیس سال کی عمر میں مسندِ ارشاد پر متمکن ہوئے تھے اور آخر عمر تک لوگوں کو فیض پہنچاتے رہے۔ ان کی علمیت اور بزرگی کے لوگ بہت قائل تھے۔ ۹۸۲ھ میں انسٹھ سال کی عمر میں انتقال کیا (۱)

ان کی تصانیف میں تفسیر محمدی اور حاشیہ تفسیر بیضاوی کا ذکر ملتا ہے۔ حاشیہ کا تو باوجود کوشش کے پتہ نہ چل سکا۔ البتہ تفسیر کے دو نسخوں کا پتہ چلتا ہے ایک تو مکمل ہے جو انڈیا آفس کے کتب خانے میں موجود ہے (۲) دوسرا صرف نصف اوّل ہے جو سالار جنگ لائبریری حیدرآباد میں ہے (۳) اس میں ابتدائے کلام پاک سے لے کر سورۂ کہف تک کی تفسیر ہے۔

ڈاکٹر زبید احمد صاحب کو پتہ نہیں کس وجہ سے دھوکا ہوا ہے کہ تفسیر محمدی اور ایک دوسری تفسیر "کاشف الحقائق وقاموس الدقائق" (۴) ایک ہی ہیں چنانچہ انھوں نے اپنی کتاب میں

جہاں ہندوستان کی تفسیروں کا ذکر کیا ہے وہاں تفسیر محمدی پر تبصرہ کرتے ہوئے حاشیے پر لکھتے ہیں۔ (۵)

کاشف الحقائق وقاموس الدقائق

---

(۱) نزہۃ ۴/ ۸۷ (۲) فہرست مرتبہ لوخو (۱۳۰ صلہ) ۱۰۳۔ یہ نسخہ ایک آدھ جگہ پر خراب ہے۔ اسی وجہ سے مرتبہ فہرست (انڈیا آفس) کو مصنف کا پورا نام پڑھنے میں دقت ہوئی ہے۔ محمد بن احمد بن نصیر تو صاف لکھا ہے لیکن المعروف کے بعد کے الفاظ پڑھے نہیں جا سکے پھر بھی مجموعہ صاف ہے۔ ان باتوں کے پیش نظر اور ابتدائی عبارت کے یکساں ہونے کی وجہ سے یقینی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ یہ نسخہ اور سالار جنگ کا نسخہ ایک ہی ہے فرق صرف اتنا ہے کہ ایک مکمل ہے دوسرا نصف اول۔

(۳) مخطوطہ نمبر ۳۲ (۴) قلمی نسخہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال نمبر ۱۱۵

(۵) ص ۱۶

اس کے علاوہ جہاں تفسیروں کی فہرست لکھی ہے وہاں بھی التفسیر المحمدی مسمی به کاشف الحقائق وقاموس الدقائق لکھا ہے۔ زبید احمد صاحب کی یہ رائے صحیح نہیں معلوم ہوتی یہ دونوں تفسیریں بالکل مختلف ہیں۔ ان کے مصنف بھی الگ الگ ہیں۔ تفسیر محمدی کے مصنف جیساکہ اوپر ذکر ہوا حسن محمد بن میاںجیو ہیں (متوفیٰ ۹۸۲ھ) کاشف الحقائق کے مصنف محمد بن احمد الشریحی الکندی التھانیسری (۱) ہیں (متوفی ۸۲۰ھ) دونوں تفسیروں کا انداز بیان جدا جدا ہے۔ ربط آیات تفسیر محمدی کی نمایاں خصوصیت ہے اور کاشف الحقائق میں صوفیانہ رنگ جھلکتا ہے۔ تفسیر محمدی میں ۴۸۵ اوراق ہیں کاشف الحقائق میں ۷۱۳۔ کاشف الحقائق کی ابتدا ان الفاظ سے ہوتی ہے۔

"الحمد للہ رب العالمین انزل علیٰ حبیبہ القرآن اما بعد"

تفسیر محمدی کی ابتدا اس طرح سے ہوتی ہے۔

"الحمد للہ الذی انزل علیٰ عبدہ الکتٰب معجزا تاما علی مر الدھور"

تفسیر محمدی کا پہلا حصہ (ابتدائے کلام اللہ سے سورۂ کہف تک) سرسالار جنگ لائبریری حیدرآباد میں موجود ہے اس میں ۳۷۸ اوراق ہیں (۲) کاتب کا نام سید محمد جعفر سرہندی ہے۔ سنہ کتابت نہیں پڑھا جا سکا۔

---

(۱) حالات کے لیے اخبار الاخیار ص ۱۴۲، خزینۃ الاصفیاء ص ۳۷۹ ج ۱، سبحۃ المرجان ص ۳۷، تذکرہ ص ۱۹۱۔ نزہۃ ص ۸ ج ۳۔ مآثر الکرام دفتر اول ص ۱۸۶ (۲) مکمل نسخہ انڈیا آفس لائبریری میں ہے جس میں ۴۸۵ اوراق ہیں۔ اس کی کتابت شیخ محمد بن کبیر محمد نے کی ہے اور اس پر سنہ کتابت ۲۸ صفر ۱۰۱۳ھ درج ہے۔ ملاحظہ ہو فہرست مرتبہ لوکھتر (۸۰-۱۸۷۷) ۱۰۳

یہ تفسیر شیخ حسن محمد بن میاں جیو نے اپنی عمر کے بالکل آخری حصہ میں لکھی تھی جس کا پتہ انڈیا آفس والے نسخہ کے خاتمے کی عبارت سے چلتا ہے۔ کتاب کا آغاز شعبان ۹۸۱ھ میں ہوا تھا اور اختتام رمضان ۹۸۲ھ میں ہوا (۱) لیکن اتنی مختصر مدتِ تصنیف کے باوجود کتاب خاصی ضخیم اور قابلِ قدر ہے۔

تفسیر کے شروع میں ایک مقدمہ ہے جس میں اس تفسیر سے متعلق ضروری باتوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔ تفسیر میں اُنھوں نے سب سے زیادہ زور ربطِ آیات پر دیا ہے لکھتے ہیں کہ میں نے کافی غور و خوض کے بعد اس تفسیر کو لکھا ہے اور اس بات کی کوشش کی ہے کہ آیات کی تفسیر مربوط انداز میں بیان کروں۔ مصنّف کا خیال ہے کہ یوں تو بہت سے لوگوں نے کلام اللہ کی تفسیریں لکھی ہیں لیکن کسی نے بھی قرآن مجید کی تمام آیات کو ایک دوسرے سے متعلق ثابت نہیں کیا ہے۔ ان کا یہ خیال صحیح نہیں ہے۔ علامہ علاؤ الدین علی بن احمد مہائمی (متوفی ۸۳۵ھ) نے اپنی تفسیر "تبصیر الرحمان و تیسیر المنّان" (جو تفسیر رحمانی کے نام سے زیادہ مشہور ہے) اس سے تقریباً ڈیڑھ سو سال قبل اسی نقطۂ نظر سے لکھی تھی۔

تفسیر محمدی میں مصنّف نے الفاظ کے معانی اور آیات کے ترجمے سے زیادہ ان کے مفہوم کو بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ جن آیتوں سے مسائل مستنبط ہوتے ہیں ان کی توضیح مفصّل کی ہے اور مسئلوں کو پوری تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ائمہ کے اختلافات کا بھی ذکر کیا ہے لیکن بہت زیادہ شرح و بسط اور بلا وجہ کی طوالت اور غیر متعلق باتوں سے گریز کیا ہے۔

آیتوں اور سورتوں کی شانِ نزول بھی بیان کر دیتے ہیں۔

---

(۱) فہرست انڈیا آفس ۱۰۳، ص ۲۲

مطالب قرآنی آسان زبان میں بیان کرتے ہیں اور مفہوم کو پوری طرح واضح کر دیتے ہیں۔

جو واقعات قرآن مجید میں بیان کیے گیے ہیں اُن کا ذکر کرتے ہیں۔ مثلاً معراج کے واقعے کو بھی اچھی طرح سے بیان کیا ہے۔ آخری صفحے کی عبارت مٹ گئی ہے صرف اتنی پڑھی جا سکی"

....." انکاره وقبحه فعلی هذا یکون جمیع الکلام علی نسق احسد فانک لقد جئت بهذا الفعل شیئاً نکرا ینکره جمیع من یراه او یسمعه۔"

منبع عیون المعانی و مطلع شموس المثانی

شیخ مبارک بن خضر ناگوری ولادت ۹۱۱ھ وفات ۱۰۰۱ھ

ان کے آباء و اجداد یمنی تھے۔ ان کے والد نے ناگورہ میں اقامت اختیار کی۔ شیخ مبارک کی ولادت یہیں ہوئی۔ بچپن کی تعلیم کے بعد شیخ مبارک احمد آباد گئے اور خطیب ابوالفضل کے آگے زانوئے شاگردی تہہ کیے۔ تھوڑے ہی عرصے میں ان کی علمی حیثیت مسلّم ہو گئی۔ ۹۵۰ھ میں آگرہ آئے اور درس و تدریس میں لگ گئے۔ لکھنے پڑھنے کا یہ عالم تھا کہ خود اپنے ہاتھ سے پانچ سو سے زیادہ کتابیں لکھ ڈالیں۔ آخر عمر میں باوجودیکہ بصارت کمزور ہو گئی تھی انھوں نے محض اپنی یادداشت سے پانچ جلدوں میں تفسیر "منبع عیون المعانی" تصنیف کی۔ یہ بولتے جاتے تھے اور ان کے شاگرد لکھتے رہتے تھے۔ شیخ مبارک کی شہرت اور عظمت کو ان کے بیٹوں ابوالفضل اور فیضی نے چار چاند لگائے۔ شیخ مبارک اس دور کے علماء کے مقابلے میں جن کا اکبر کے دربار میں بہت زور تھا قدرے آزاد خیال تھے اسی لیے شروع میں ان کو دربار میں اپنی حیثیت بنانے میں خاص دقت ہوئی۔ مگر اکبر جو کثر مذہبی طبقے سے پریشان تھا ان سے اور ان کے بیٹوں سے بہت متاثر تھا اور ان کی بہت عزت کرتا تھا۔ آگرہ ۱۰۰۱ھ میں ان کی وفات ہوئی۔ (۱)

(۱) شیخ مبارک کے مفصل حالات کے لیے ملاحظہ ہو (۱) آئین اکبری ۲/۲۶۲ (۲) منتخب اللباب ۲/۳۴۳، (۳) تذکرہ علمائے ہند ۱۷۴، (۴) حدائق الحنفیہ ص ۳۹۴ (۵) ماثر الکرام ص ۱۹۷ (۶) قاموس المشاہیر ۲/۳۰

"منبع عیون المعانی ومطلع شموس المثانی" پانچ ضخیم جلدوں میں سید تقی صاحب مرحوم (لکھنؤ) کے کتب خانے میں موجود ہے۔ ڈاکٹر زبید احمد نے اپنی تصنیف "کنٹری بیوشن آف انڈیا ٹو تحریک لٹریچر میں اسے لاپتہ قرار دیا ہے۔ مجھے بھی اس نسخے کے علاوہ کسی دوسرے نسخے کا پتہ نہیں چل سکا ہے۔ شروع کی تین جلدیں ذرا بوسیدہ ہیں چوتھی اور پانچویں جلدیں مضبوط ہیں۔ پہلی جلدمیں شروع کے چند اوراق غائب ہیں اس کے بعد کی عبارت ان الفاظ سے شروع ہوتی ہے:۔

" للآثار مستكملا للعلوم سيما استماع الحديث واصوله

مضغا مسلسلا متنا واسنادا وضبط رجاله وروانة تحقيقا واتقانا

من السنة لدى المشاهير العابرين من الحرمين الشريفين

زادهما الله شرفا ... "

اس کے بعد انھوں نے لاہور میں اپنی آمد اور قیام کا ذکر لیا ہے اس دور کے کچھ بزرگوں اور اہل علم کے نام اور ان کی عظمت کو بھی بیان کیا ہے۔ اس کے بعد اپنا ذکر اور اس تفسیر کی تصنیف کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ پھر اپنی تعلیم، اساتذہ اور مذہب کے متعلق لکھتے ہیں اور ان اہل علم وفضل کا ذکر کرتے ہیں جن سے مستفید ہوئے ہیں۔

پھر آگرہ میں رہنے اور وہاں کے بزرگوں سے کسب فیض کا ذکر کرتے ہیں اس سلسلے میں شیخ عطاء الدین مجذوب (۱) اور محدث کامل شیخ رفیع الدین (۲) کا خاص طور سے نام لیا ہے۔ اس کے بعد فن تفسیر کی اہمیت، یہ تفسیر عربی میں لکھنے کی وجہ اور اس کے نام کا ذکر کرتے ہیں۔

اِس تفسیر میں انھوں نے جن خاص امور کو پیشِ نظر رکھا ہے ان کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اُس کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

اِس کتاب میں وجوہ نظم قرآن، قرأت عشرہ، انواع وقوف وفواصل آیات کا ذکر کروں گا، نیز علمائے راسخین، حکما اور صاحب کشف عارفین نے جو معانی ومطالب بیان کیے ہیں انھیں بتاؤں گا۔ جملوں کے ربط اور آیتوں اور سورتوں کے درمیان جو مناسبت ہے اُسے واضح کروں گا۔ انبیاء علیہم السلام کے قصص، اقوام وملل کے واقعات اسباب نزول اور ناسخ منسوخ کو بیان کروں گا اور یہ بتاؤں گا کہ سورتیں جن آیات پر ختم کی گئی ہیں ان کی وجہ کیا ہے۔

اِس کے بعد ایک مبسوط مقدمہ لکھا ہے جس میں تمام علوم قرآنی کا مفصّل ذکر کیا ہے۔ عرب کون تھے سب سے پہلے عربی زبان کس نے استعمال کی۔ اس زبان کی فضیلت کیا ہے۔ نزول قرآن کا بیان، وحی کا تذکرہ، نزول کی مدّت، سورتوں کی تنزیلی ترتیب، مکّی ومدنی سورتوں کا بیان، تعداد اعجاز قرآن کا تذکرہ، قراۃ قرآن، تعلیم قرآن، تلاوت کے فوائد، معانی کا ذکر، مختلف لوگوں کا مختلف انداز سے پڑھنا بہت سے الفاظ کی کتابت کا بیان، مفسّرین کے اندازِ بیان کا ذکر، اہلِ لغت و فصحاء کا تذکرہ، غرض کوئی بھی ایسی بات اور کوئی ایسا مسئلہ نہیں ہے جس کا مفصّل ذکر انھوں نے اِس مقدمے میں نہ کیا ہو اِسے پڑھ کر شیخ کے غیر معمولی ذہن اعلیٰ دماغ اور زبردست لیاقت کا پتہ چلتا ہے۔

سورۃ الفاتحہ کے تیس نام انھوں نے بیان کیے ہیں۔ فاتحہ و حمد

---

(۱) نزہتہ ۴/۲۲۔ اخبار (اردو ترجمہ) ص ۷۹-۴۸ (۲) نزہتہ ۴/۱۱۵ تذکرہ رحمان علی ص ۱۹۵

شکر نعمۃ، سبع مثانی، اُمّ الکتاب، اُمّ القرآن۔ نور، کنز، دعا مناجاۃ، وافیہ، اساس، شافیہ وغیرہ، اس میں سے ہر ایک نام کی الگ الگ توجیہ بھی کی ہے اور یہ بیان کیا ہے کہ یہ نام کیوں رکھا گیا۔ اس کے بعد اس سورۃ کی مفصّل تفسیر بیان کی ہے۔

کسی سورۃ کی تفسیر بیان کرنے سے پہلے اس کا نام آیات وکلمات وغیرہ کی تعداد اور اس میں اگر کچھ ناسخ منسوخ ہے تو اس سب کا ذکر تفصیل سے کر دیتے ہیں۔

پہلی جلد پارۂ سیقول کی پہلی آیت کی تشریح پر ختم ہوتی ہے۔ دوسری جلد "قال رب انی لا املک الا نفسی واخی فافرق بیننا وبین القوم الفاسقین" (۱) پر ختم ہوتی ہے۔ تیسری جلد فھل ینتظرون الا مثل ایام الذین خلوا من قبلھم قل فانتظروا انی معکم من المنتظرین (۲) تک ہے۔ چوتھی جلد "فمن کان یرجو لقاء ربہ فلیعمل عملا صالحا ولا یشرک بعبادۃ ربہ احدا" پر ختم ہوتی ہے یعنی سورۂ کہف کے خاتمے تک۔ پانچویں جلد میں شروع کے ایک آدھ صفحات غائب ہیں۔ اس آیت سے شروع ہوتی ہے "وما علمناہ الشعر وما ینبغی لہ (۲)" اور ختم قرآن مجید تک ہے۔ آخر کے اختتامیہ صفحات بھی دو ایک غائب ہیں۔ یہ تفسیر پانچ ضخیم جلدوں میں ہے جن کے صفحات کی مجموعی تعداد تقریباً تین ہزار ہے۔ (۳)

---

(۱) سورۃ المائدہ آیت ۲۵

(۲) سورۂ یونس آیت ۱۰۲ (۳) سورۂ یٰسین آیت ۶۹

(۳) غالباً اس کی چھ جلدیں تھیں، اس لیے کہ موجودہ چوتھی جلد سورۂ کہف پر ختم ہوتی ہے اور پانچویں سورۂ یٰسین سے شروع ہوتی ہے یعنی سورۂ مریم سے سورۂ یٰسین تک کی سورتوں کی تفسیر کا پتہ نہیں چلتا ہے ممکن ہے ضائع ہو گئی ہو۔

انھوں نے ہر ہر آیت پر پوری بحث کی ہے۔ تمام مطالب کو بہ حسن تحقیق و تدقیق بیان کیا ہے۔ شانِ نزول اور واقعات متعلقہ کا بھی ذکر کیا ہے۔ زبان کی بھی بحثیں کی ہیں۔ قصص قرآنی اور انبیاء علیہم السلام کا تذکرہ بھی کرتے ہیں۔

تمام سورتوں کی تفسیر بہت عمدہ کی ہے پہلے سورۃ کا نام لکھتے ہیں۔ پھر یہ بیان کرتے ہیں کہ اس کے اور کتنے نام ہیں پھر یہ کہ سورہ مکی ہے یا مدنی۔ اس میں کتنے حروف کلمات اور آیات ہیں اس میں کن جگہوں پر وقف لازم ہے کتنے رکوع ہیں اور اس کا مضمون کیا ہے اس کی طرف بھی مختصراً اشارہ کر دیتے ہیں۔

جہاں پر روزہ کی فرضیت کا بیان ہے وہاں پوری تفصیل سے روزہ کی فضیلت اور اُس کی اہمیت کا ذکر کیا ہے اور اس کو اچھی طرح ذہن نشین کرانے کے بعد اس سلسلے کے ضروری مسائل کو بیان کیا ہے اور سفر و حضر میں اس کی حیثیت کیا ہوتی ہے اس کا ذکر کیا ہے۔ اسی طرح سے وضو، نماز، حج وغیرہ کے مسائل پر بھی سیر حاصل بحثیں کی ہیں اپنی تفسیر میں انھوں نے کلبی، غسانی، زاہدی وغیرہ کے حوالے دئے ہیں۔ حضرت یونس علیہ السلام کا قصہ مفصل لکھا ہے کہ کس طرح انھوں نے لوگوں کے ساتھ کشتی میں سفر کیا۔ سمندر میں طغیانی آئی انھوں نے اپنے آپ کو اس مصیبت کا سبب ٹھہرالیا اور لوگوں سے کہا کہ مجھے سمندر میں ڈال دو، لوگ اس پر تیار نہ ہوئے آخر قرعہ اندازی سے ان کا نام نکلا، پھر ان کو مچھلی نے نگل لیا۔ غرض پورا واقعہ بیان کر دیا ہے۔ اسی طرح سے اور دوسرے نبیوں وغیرہ کے قصوں کا بھی تفصیلی ذکر کر دیا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ اس بات کو بھی ملحوظ رکھا ہے کہ غلط اور لایعنی روایات سے اجتناب کیا جائے اور صحیح اور سچے واقعات بیان کر دئے جائیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعات بھی پوری تفصیل سے بیان کیے ہیں اور ان تمام واقعات کا ذکر کیا ہے جن کا تعلق حضرت یوسف سے کسی نہ کسی طرح

بھی ہوسکتا ہے۔ خاص طور سے ان آیات کی تشریح میں بہت تفصیل سے کام لیا ہے جن سے حضرت یوسف کی برأت ثابت ہوتی ہے یعنی امراۃ عزیز کا ان کو پھسلانا، بادشاہ کا خواب دیکھنا، ان کو جیل خانے سے بلانا، اور اُن کا اِس بات پر اصرار کہ پہلے ان کے فردِ جرم کی تحقیق اچھی طرح کرلی جائے۔ وغیرہ وغیرہ تمام باتوں کو ثبوت و دلائل کے ساتھ پیش کیا ہے۔ تشریح و توضیح بہت اچھے انداز میں کی ہے۔ جس سے تمام مسائل حل ہو گیے ہیں اور حضرت یوسف علیہ السلام کی زندگی کے تمام واقعات پوری طرح سے سامنے آگیے ہیں اور اُن کی برأت ثابت ہوگئی ہے۔

اِس تفسیر کی پہلی جلد بالخصوص بہت اہمیت رکھتی ہے۔ اِس میں مصنف نے اپنے حالات اور اُس دور کی بہت سی باتوں کا ذکر کیا ہے۔ علوم قرآنی سے سے متعلق بھی بہت تفصیل سے لکھا ہے۔ علم تفسیر کی ضرورت اور اس کی اہمیت پر روشنی ڈالی ہے۔ شیخ مبارک کا ذوق علمی و ادبی ہونے کے ساتھ ساتھ صوفیانہ بھی تھا جس کی جھلک ان کی اس تفسیر میں بھی ملتی ہے۔ یہ رنگ ان پر صوفیائے کرام اور بزرگانِ دین سے ملاقات اور کسب فیض کا نتیجہ تھا۔ انھوں نے علم کے بیشتر شعبوں میں اُس دور کے ممتاز بزرگوں سے استفادہ کیا تھا اور یہی وجہ ہے کہ اُن کی اِس تفسیر میں عالمانہ اور محققانہ رنگ نظر آتا ہے۔ اُن کا مطالعہ بہت گہرا تھا اور وہ محض کسی ایک فن سے متعلق نہ تھا بلکہ اس دور کے تمام علوم پر حاوی تھا۔ اُن کے علمی شوق کا اندازہ اس سے بخوبی کیا جاسکتا ہے کہ انھوں نے اپنی تصانیف سے قطع نظر محض قندھار کی پانچ سو کتابوں کو اپنے ہاتھ سے نقل کیا تھا۔ اِس کا ذکر بھی انھوں نے اپنی تفسیر کے مقدمے میں کیا ہے۔

کسی سورۃ کو شروع کرنے وقت ابتدا ہی میں اُس کا مضمون بیان کردیتے ہیں تاکہ سورۃ کے مطالب ذہن نشین ہوجائیں۔

انھوں نے ربطِ سورہ کی طرف بھی اشارے کیے ہیں۔ کسی سورۃ کو شروع کرنے کے بعد جب اُس کا مضمون بیان کرتے ہیں تو پھر اس کا نظم اور وجہِ نظم بھی بیان کرتے ہیں مثلاً سورہ والضحیٰ کا مضمون اور پچھلی سورۃ سے اس کا ربط یوں بیان کرتے ہیں کہ سورۂ واللیل میں حضرت ابوبکر کی تعریف بیان کی گئی ہے اور سورۂ والضحیٰ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت بیان کی گئی ہے۔

ہر سورۃ کے خاتمے پر دعا مانگتے ہیں جو مفہوم کے اعتبار سے تو یکساں ہوتی ہے لیکن الفاظ قدرے بدلے رہتے ہیں۔

سواطع الالہام

ابوالفیض فیضی ولادت ۹۵۴ھ - وفات ۱۰۰۴ھ

یوں تو فیضی کی شہرت اور حیثیت فارسی شاعری کی وجہ سے بہت ہے
لیکن اُس کی عربی زبان کی صلاحیت بھی غیر معمولی تھی اور اس کا ایک بیّن
ثبوت اُس کی تفسیر سواطع الالہام ہے۔ فیضی نے یہ تفسیر غیر منقوط الفاظ میں لکھی
ہے جسے ادب کی اصطلاح میں صنعتِ مہملہ کہتے ہیں۔ عربی زبان میں اس قسم
کی تصنیف کرنا ایک غیر معمولی کارنامہ ہے اور پھر پورے قرآن کریم کی تفسیر
وہ بھی مختصر نہیں بلکہ سات سو صفحات میں۔ فیضی نے اس اہم کام کو بہت تھوڑی
مدت میں مکمل کرلیا۔ مولانا غلام علی آزاد اس تفسیر کے سلسلے میں لکھتے ہیں۔

"برہانِ فضیلت شیخ فیضی سواطع الالہام تفسیر بے نقاط است کہ
دریں ہزار سال پیشتر ہیچ مستعدی را میسر نہ شد طرفہ این کہ این چنین کار
دشوار در عرض دو سال از مبدء بہ منتہٰی رسانید" (۱)

علامہ شبلی لکھتے ہیں :-

"سواطع الالہام یعنی تفسیر غیر منقوط ۱۰۰۲ھ میں تمام ہوئی۔ کل

---

(۱) ماثر الکرام ۱۹۹

مدتِ تصنیف دو ڈھائی برس ہے۔ اِس تفسیر پر فیضی کو بڑا ناز ہے
دوستوں کو جو خطوط لکھے ہیں ان میں اکثر فخر سے اس کا تذکرہ
کرتا ہے۔ " (۱)

فیضی کی دربارِ اکبری میں بڑی حیثیت تھی۔ شروع میں تو درباری
چشمک کی وجہ سے اس کو خاصی پریشانی اُٹھانی پڑی۔ باپ شیخ مبارک
اور بھائی ابو الفضل تینوں ہی مختلف جگہوں کی ٹھوکریں کھاتے رہے اور
پھر بعد میں بڑی جد و جہد اور مختلف وسیلوں سے دربارِ اکبری میں پناہ
ملی۔ اکبر اِن لوگوں کی بہت عزّت کرتا تھا اور دربار میں اِن لوگوں کا
خاص مرتبہ تھا۔ چوں کہ فیضی اور ابو الفضل دونوں ہی بھائی انتہائی ذہین
تھے اِس لیے تھوڑے ہی عرصے میں اکبر پر اِن لوگوں کا بہت اثر پڑ گیا۔ اِس
اثر کی ایک وجہ اور بھی تھی۔ کٹّر مذہبی طبقہ اکبر کے خلاف تھا اور مختلف فتووں
میں اسے اُلجھائے رکھتا تھا۔ اُس دور کی اِس کش مکش کو ختم کرنے میں بھی ان
دونوں بھائیوں کا بہت بڑا ہاتھ تھا۔ شبلی نے لکھا ہے۔

" اکبر مخدوم الملک اور شیخ عبدالنبی کی تنگ خیالیوں سے
تنگ آ چکا تھا اور اِن لوگوں کے زور کو گھٹانا چاہتا تھا لیکن خود
جاہل تھا اِس لیے مذہبی فتووں کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ فیضی
اور ابو الفضل دربار میں پہنچے تو اکبر کو گویا اوزار ہاتھ آ گئے
اِن لوگوں نے ہر موقع پر اِن متعصبوں کو شکستیں دیں اور ان
کا سارا بھرم کھل گیا (۲)

---

(۱) شعر العجم ج ۳ ص ۵۸ (۲) شعر العجم ج ۳ ص ۵۸

اکبر تو فیضی اور ابوالفضل سے خوش تھا لیکن دربار کے دوسرے مذہبی لوگ جو خود اکبر کی بے اعتدالیوں سے پریشان تھے ان دونوں بھائیوں سے بھی برگشتہ ہوگیے اور ان لوگوں کے ہر کام کو معیوب نظروں سے دیکھنے لگے۔ فیضی شروع میں چوں کہ مذہبی امور میں بہت زیادہ آزاد خیال تھا اس لیے مولویوں کی نظر میں بے دین و لا مذہب سمجھا جاتا تھا جس کا اظہار بھی اس دور کے لوگوں نے جا بہ جا کیا ہے۔ خاص طور سے ملا عبدالقادر بدایونی اس میں پیش پیش ہیں۔ اس لئے جب فیضی نے اپنی تفسیر مکمل کی تو لوگوں نے اس کے خلاف طرح طرح کی باتیں پھیلائیں۔ ملا بدایونی لکھتے ہیں۔

"تفسیر بے نقط برائے شستن بدنامی کہ تا روز جزا بصد آب شستہ نگردد در عین حالت مستی و خباثت می نوشت و سگاں آں را از ہر طرف پامال ساختند۔" (۱)

اس کے علاوہ بھی طرح طرح کے الزامات عائد کیے ہیں لیکن تفسیر دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ سب باتیں بے بنیاد اور محض درباری دشمنی پر مبنی ہیں۔ فیضی اگر چاہتا تو تفسیر میں اپنی آزاد خیالی کو قائم رکھتا اور کلام اللہ کے معانی و مطالب کو الٹ پھیر کر بیان کر دیتا۔ لیکن اس نے ایک جگہ پر بھی ایسا نہیں کیا ہے۔ محمد حسین آزاد نے لکھا ہے:-

"زبانی باتوں میں ملا صاحب جو چاہیں کہیں مگر نفس مطالب میں جب نہ اب کوئی دم نہیں مار سکتا۔ ورنہ ظاہر ہے کہ وہ بے دینی

---

(۱) منتخب التواریخ ج ۳ ص ۲۹۹

اور بدنفسی پر آجاتے تو جو چاہتے لکھ جاتے اُنھیں ڈر کس کا تھا۔ (۱)

علامہ شبلی لکھتے ہیں :۔

" فیضی نے یہ تفسیر اِن واقعات کے بعد لکھی ہے لیکن ایک ذرہ مسلمات کی شاہ راہ سے نہیں ہٹا حالانکہ تفسیر میں ہر قدم پر اس کو آزاد خیالی دکھانے کا موقع حاصل تھا۔ ملّا صاحب تو فرماتے ہیں کہ وہ تمام عقائدِ اسلام کا منکر تھا لیکن وہ اُن تمام عقائد کا معترف نظر آتا ہے جن کو معتقداتِ عوام کہتے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ فیضی کی مذہبی آزادی ہم جو کچھ سنتے ہیں زبانی سنتے ہیں تصنیفات میں تو وہ ملّائے مسجدی نظر آتا ہے۔ (۲)

ملّا بدایونی کا بھی عجیب معاملہ ہے۔ کہاں تو فیضی اور اُس کی تفسیر کی اتنی مخالفت اور اتنی بُرائیاں اور دوسری طرف خود اس کی تاریخیں کہیں اور تقریظیں بھی لکھیں۔ لکھتے ہیں۔

" فقیر من احسن التفاسیر بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم علم القرآن تاریخ یافت و توقیعی نوشت انشاء اللہ تبقریبی در محل خود مذکور گردد" (۳)

علامہ شبلی ایک جگہ پر ملّا صاحب کے تمام خیالات کو بے بنیاد ثابت کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

" ملّا صاحب اور اُن کے تمام پیرووں نے متفقاً فیضی کو ملحد۔ بے دین، زندیق اور کافر لکھا ہے۔ ملّا صاحب نے یہ بھی لکھا ہے کہ

---

(۱) دربار اکبری ص ۴۳۰ (۲) شعر العجم ج ۳ ص ۵۔۵۲

(۳) منتخب التواریخ ج ۳ ص ۳۹۳

فیضی مرنے کے وقت کتوں کی طرح بھونکتا تھا اور اُس کے ہونٹ سیاہ ہوگیے تھے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ فیضی کے رُتبے کو سمجھ نہیں سکتے تھے۔ وہ جو حکیمانہ خیالات ظاہر کرتا تھا ان لوگوں کو الحاد و زندقہ نظر آتا تھا۔" (۱)

فیضی کے تعلقات شیخ عبدالحق دہلوی سے بھی بہت خوش گوار تھے۔ دونوں بہت بے تکلف تھے اور ایک دوسرے کا خیال رکھتے تھے لیکن جب شیخ صاحب مکہ معظمہ سے واپس ہوئے تو اُن کو معلوم ہوا کہ فیضی کے خیالات میں تبدیلی آچکی ہے اُنھوں نے فیضی سے قطع تعلق کرلیا۔ (۲) فیضی کو شروع میں اس کا اندازہ نہ ہوسکا اس لیے جب شیخ صاحب واپس لوٹے تو فیضی نے ان کو خط لکھا اور ملاقات کے شوق کا اظہار کیا۔

" اگر بال دپرے می داشتم ہر روز بر بام آں حجرہ می نشستم و دانہ چین نکات نبت می شدم " (۳)

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شیخ صاحب فیضی سے بہت خفا تھے اس لیے انھوں نے فیضی کو اس قسم کا کوئی موقع نہ دیا۔ (۴) صاحب نزہتہ الخواطر نے شیخ عبدالحق کی رائے اس طرح سے پیش کی ہے کہ :-

وہ اپنے زمانے میں فصاحت و بلاغت اور متانت و مہارت میں منفرد تھا لیکن کفر و ضلالت کے غار میں گر جانے کی وجہ سے اس کی پیشانی پر ردت و انکار و ادبار کے نقوش نمودار ہو گیے تھے۔ اس بنا پر اہل دین و ملّت اور محبین نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کا اور اس کے متعلقین کا نام

(۱) شعرالعجم ج ۳ ص ۸۴ (۲) حیات عبدالحق پروفیسر (خلیق احمد نظامی) ص ۲۴۲ (۳) حیات عبدالحق بحوالہ لطائف فیضی ص ۳۵۳ (۴) حیات عبدالحق ص ۲۴۱

لینے میں عار سمجھتے ہیں۔ اگر یہ لوگ مسلمان ہیں تو اللہ انھیں معاف فرمائے۔ (۱)

لیکن ان سب باتوں کا اثر اُس کی تفسیر میں کہیں بھی نظر نہیں آتا ہے۔ اپنی تفسیر کی ابتدا یوں کی ہے:

" اللہ لا الہ الا ھو لا اعلم ما ھو وما ادراکہ کما ھو ۔ احامد المحامد ومحامد الاحامد للہ مصدر لوامع العلم وملھم سواطع الالھام " ص ۲

پھر آگے چل کر دعا مانگی ہے کہ خدایا اس کام کو آسان فرما۔ اس کے بعد اپنی تعلیم و تربیت کا ذکر کیا ہے۔ آگے چل کر اپنے مولد آگرہ کا ذکر کیا ہے۔ شہر کی بہت تعریف کی ہے۔ علماء کی مجلسوں، مدرسوں، مسجدوں اور دوسرے عبادت خانوں کا ذکر ہے۔ اس کے بعد بادشاہ کی تعریف کی ہے۔ اس کا نام اور مناقب اسی صنعتِ بے نقط میں عجیب معمائی انداز میں لکھے ہیں۔

اسی طرح سے اپنا، اپنے والد اور اپنے بھائیوں کا بھی تعارف کرایا ہے۔ چوں کہ ہر نام میں نقطے آتے ہیں اس لیے اُس نے یہ صورت اختیار کی اور معموں سے کام نکالا۔ سب کے ناموں کی طرف اس طرح سے اشارے کیے ہیں۔ مثلاً اپنے والد کا نام اس طرح سے لکھا ہے۔

" وھو اساس العلم واصل الورع ومطلع الالھام وراس الرؤس وامام الکرام " ص ۵

اسی طرح سے اور ناموں کو بھی اشاروں میں پیش کیا ہے۔ اس کی وجہ سے بڑی تعقید پیدا ہو گئی ہے اور آسانی سے نام سمجھ میں نہیں آسکتے۔ البتہ

اس سے فیضی کی عربی زبان پر قدرت کا اندازہ ضرور ہوتا ہے۔

فیضی نے اس تفسیر کو لکھنے سے پہلے مشق کے طور پر "موارد الکلم" (۱) بھی بے نقط لکھی تھی۔ خود اپنی اس تصنیف کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔

اس کے بعد اپنی تفسیر کے متعلق لکھا ہے کہ کس طرح سے یہ خیال ان کے ذہن میں آیا اور اس کا ان کے والد پر کیا اثر ہوا لکھتے ہیں کہ ان کے والد اس سے بے حد خوش ہوئے اور ان کو دعائیں دیں۔

اس کے بعد اس مقدمہ میں آگے چل کر لکھتے ہیں کہ یہ تفسیر لکھی ہی جا رہی تھی کہ بادشاہ نے اپنے پاس بلا لیا اور کام رک گیا لیکن پھر ایک سال بعد فیضی کو اسے مکمل کرنے کا خیال آیا۔ وہ اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ اس نے اس کا موقع دیا کہ مکمل ہو جائے اور سال بھر بعد پھر میں نے لکھنا شروع کیا اور بہت ہی تھوڑے عرصے میں یہ تفسیر لاہور میں مکمل ہو گئی۔ اس تفسیر میں فیضی نے جو انداز اختیار کیا ہے۔ اُس کے متعلق مقدمہ میں تصریح کر دی ہے۔

خدا معلوم لوگوں نے کس طرح سے فیضی کو ملحد و بے دین ثابت کیا ہے اپنی تصانیف میں کسی بھی جگہ وہ ایسا نہیں لگتا ہے۔ اگر اس کو ملحد اور بے دین ہی رہنا ہوتا تو وہ قرآن کریم کی تفسیر کیوں لکھتا اور اگر لکھ ہی رہا تھا تو پھر اپنی من مانی باتیں کہتا اور آیات اللہ کی تاویلیں اپنے حساب سے کرتا اور اُس کے رسول کی حمد و ثنا سے بھی گریز کرتا۔ لیکن اُس نے کہیں بھی ایسا نہیں کیا ہے بلکہ لکھتا ہے :۔

"اللہ واحد اصل مقصود ہے اُس نے اصلاح عالم کے لیے رسول بھیجے ان میں پہلے حضرت آدمؑ اور آخری محمد صلی اللہ علیہ

---

(۱) یہ رسالہ علم اخلاق سے متعلق ہے۔ اس کے مطبوعہ و غیر مطبوعہ نسخے بہت سے ملتے ہیں۔

وسلم ہیں، سب سے بڑھ کر علم و کمال والے اور نہایت معزز۔ لوائے الحمد انھیں کے ہاتھ میں ہوگا اور صاحب مقام محمود ہیں۔"

اس کے بعد آگے چل کر کلام اللہ کی وسعت کے بارے میں لکھتا ہے کہ کلام اللہ ایک بحر ناپیدا کنار ہے۔

آگے چل کر مختصراً نزولِ قرآن کا ذکر کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کس طرح نازل ہوتی تھی۔ آپؐ کی اُس وقت کیا کیفیت ہوتی تھی۔ اس کے بعد جمع و ترتیبِ قرآن کے متعلق بھی لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ہی مکمل طریقے سے لکھا گیا تھا۔ پھر کتنی سورتیں ہیں اور ان میں کتنی کتنی آیات ہیں سب کا تفصیلی تذکرہ کیا ہے۔ قرآن مجید کے کتنے نام ہیں ان میں سے جو بے نقط ہیں۔ مثلاً صراط، کلام، امام وغیرہ ان کا ذکر کیا ہے۔ قرآن مجید کے حفاظ، راویوں اور ابتدائی مفسرین کا تذکرہ بھی کیا ہے۔ حروف کے صحیح تلفظ کی طرف بھی اشارہ کیا ہے اور لکھا ہے کہ تمام حروف کو ادا کرنے کا ایک خاص طریقہ اور خاص انداز ہے۔ اسی طرح سے محکم و غیر محکم آیات و الفاظ کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔ محکم وہ ہیں جن کا سمجھنا آسان ہے اور غیر محکم وہ ہیں جن کا علم سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی اور کو نہیں ہے۔ جیسے سورتوں کے ابتدائی الفاظ آلم۔ آلر۔ طسم وغیرہ۔

اس کے بعد تفسیر سے متعلق اور بھی بعض ضروری باتوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔ مقدمہ کے آخر میں اللہ تعالیٰ سے نیک عمل اور نیک نیتی کی دعا مانگی ہے کیونکہ یہی باتیں اسلام کے اصلی اور سچے اصول ہیں۔

مقدمہ خاصا بسیط ہے جس میں مذکورہ بالا تمام باتیں تفصیل سے بیان کی ہیں۔ مقدمہ کے دو حصے ہیں۔ پہلے میں اپنا اور اپنے اعزا کا حال لکھا ہے۔ دوسرے میں علوم قرآنی کا مفصل تذکرہ ہے۔ اِن دو حصوں کو بھی الگ

حاشیہ: ع سواطع الالہام ص

الگ ابواب میں تقسیم کیا ہے اور ہر باب کا نام ساطعہ رکھا ہے۔ بعض ساطعہ بہت مختصر صرف سطر ڈیڑھ سطر کے ہیں اور بعض خاصے طویل تیس تیس سطروں تک کے۔

مقدمے کے خاتمے پر ایک نظم بھی لکھی ہے۔ اس میں بھی صنعتِ مہملہ کا التزام رکھا ہے۔

اس کے بعد سورۃ الفاتحہ کی تفسیر کی ہے۔ تفسیر سے پہلے اس کی اہمیت و عظمت پر روشنی ڈالی ہے۔ اسی جگہ پر سورۂ الحمد کے جو دوسرے نام ہیں اُن کا تذکرہ بھی کر دیا ہے اور اُن کی وجہ تسمیہ بھی بیان کر دی ہے۔

تمام سورتوں کی شانِ نزول بھی بیان کر دی ہے۔ اس میں انداز یہ ہوتا ہے کہ پورے واقعہ کی طرف مختصراً اشارہ کر دیتا ہے۔ اسی طرح سے مکّی و مدنی ہونے کا بھی ذکر کر دیا ہے۔ جب کسی سورۃ کو مدنی کہنا ہوتا ہے تو لکھتے ہیں :-

"موردھا مصر رسول اللہ صلعم"

مکی کہنا ہوتا ہے تو

"موردھا ام الرحم"

سورۃ الناس کے متعلق لکھتے ہیں :-

"موردھا مصر رسول اللہ صلعم" یعنی مدنی

سورۃ القمر کے بارے میں لکھا ہے :-

"موردھا ام الرحم" یعنی مکّی اور ضروری تعارف کرایا ہے۔

اسی طرح سے اُنھوں نے تمام سورتوں کے شروع میں تعارف کرایا ہے

اور واقعات کا ذکر کیا ہے۔ مگر عبارت بے نقط کا التزام کرنے کی وجہ سے اظہارِ مطلب میں بڑی محنت کرنی پڑتی ہے۔ بایں ہمہ قاری کے لیے اس کا سمجھنا خاصا مشکل ہوتا ہے۔

سورۂ یوسف میں امراۃ عزیز اور حضرت یوسف کے پیچیدہ مسائل کی تفسیر مجمل انداز سے کی ہے اور کہیں بھی نقطہ نہیں آنے دیا ہے۔

اسی انداز سے انھوں نے سارے کلام اللہ کی تفسیر کی ہے۔ عبارتوں میں اختصار ہے۔ معانی و مفہوم کو سہل انداز پر بیان کرنے کی کوشش کی ہے لیکن چوں کہ تفسیر سے زیادہ صنعت گری پیشِ نظر ہے اس لیے اس کو سمجھنا خاصا مشکل ہوگیا ہے۔ ملّا بدایونی وغیرہ تو اس تفسیر کی مخالفت محض اس وجہ سے کرتے ہیں کہ ان کو فیضی سے ایک قسم کی جلن اور اس کے تبحّر علمی سے حسد ہے۔ یہ ضرور ہے کہ اگر فیضی نے اس کو صنعتِ مہملہ میں نہ لکھا ہوتا تو اس کے خیالات زیادہ واضح ہوتے اور لوگوں کو جو غیر منقوط عبارت کی بدعت نظر آتی ہے فیضی اس سے بچ جاتا۔ لیکن فیضی غالباً کلام اللہ کے اس معجزے کو بھی دکھانا چاہتا تھا کہ اس کو سمجھنے اور سمجھانے کے لیے مختلف انداز اختیار کیے جاسکتے ہیں۔ حتیٰ کہ اس کی تفسیر غیر منقوط الفاظ میں بھی لکھی جاسکتی ہے۔ اس کے علاوہ عربی زبان پر اپنی قدرت کا ثبوت بھی دینا چاہتا تھا۔ اس لیے اس نے قصداً تفسیر غیر منقوط لکھی۔ ظاہر ہے جب الفاظ کا سرمایہ محدود ہو تو تعقید کا پیدا ہونا قدرتی بات ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ کام ہی فضول ہے اور اس میں مفہوم بالکل خبط ہوکر رہ گیا ہے۔ ایسا نہیں ہے۔ جہاں سے بھی اس کو پڑھا جائے مطلب سمجھ میں آجاتا ہے۔ فیضی نے جب یہ تفسیر لکھی اُس وقت بھی کسی نے زبان یا مطالب پر اعتراض نہ کیے بلکہ قابل

اعتراض بات صرف یہ تھی کہ آخر بے نقط کیوں لکھا۔

فیضی کی یہ تفسیر سات سو صفحات سے زائد پر مشتمل ہے اس میں کہیں بھی کوئی قابلِ اعتراض بات نظر نہیں آتی ہے۔ اکبری دور میں جب کہ دربار کا رنگ غیر مذہبی تھا فیضی کا اِس تفسیر کو لکھنا کوئی معمولی بات نہ تھی۔ ممکن ہے یہ اس کا مذہبی جذبہ رہا ہو جس نے اُس سے یہ کام کرا ڈالا۔ اگر اس تفسیر سے اس کو دنیاوی فائدہ یا درباری رُتبہ یا بادشاہ کا تقرب حاصل کرنا ہوتا تو اس نے حالات کے بپیشِ نظر اسی قسم کی باتیں لکھی ہوتیں۔

اِس تفسیر کی مذمت صرف ملّا بدایونی کے یہاں ملتی ہیں اور جن لوگوں نے اس کے بارے میں لکھا ہے انھیں کے حوالے سے لکھا ہے۔ فیضی نے تفسیر لکھنے کے بعد اُس کے نسخے مختلف ملکوں کے علما کے پاس بھیجے تھے روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ سب نے اسے پسند کیا۔ کسی نے بھی کوئی اعتراض نہ کیا۔ اُس زمانے کے متعدد بڑے علما نے تقریظیں لکھیں اور تاریخیں کہیں جو اِس تفسیر کے آخر میں درج ہیں۔ اِن علماء میں محمد حسینی المشہور بالشامی، مولانا یعقوب صیرفی کشمیری۔ قاضی نور اللہ شوستری۔ امان اللہ بن غازی سرہندی وغیرہ کے نام ہیں۔

بعض روایتوں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مجدّد صاحب نے بھی اس تفسیر کی تیاری میں مدد کی تھی اور اِس کا ایک مشکل حصّہ جو فیضی نہیں لکھ پا رہا تھا لکھ کر دیا تھا (۱) یہ اِس بات کا ثبوت ہے کہ مجدّد صاحب کی نظر میں بھی فیضی کی یہ کوشش قابلِ اعتراض نہ تھی۔

---

(۱) زبدۃ المقامات مصنفہ محمد ہاشم کشمی ص ۱۳۲

مولانا مناظر احسن گیلانی نے اپنی کتاب نظام تعلیم و تربیت میں بہت تفصیل سے فیضی اور اس کی تفسیر کے متعلق لکھا ہے۔ مختلف جگہوں سے اُن کی رائے پیش کی جاتی ہے۔

"میرا خیال ہے کہ یہ ایسا کارنامہ ہے جس کی نظیر شاید دوسرے اسلامی ممالک کے علمی حلقوں میں نہیں مل سکتی"۔۔ ۔۔ ۔۔ مطالعہ سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ غیر منقوطیت کے اس التزام کے باوجود فیضی نے یہ کمال کیا ہے کہ عام تفسیروں میں قرآنی آیات کے متعلق جو کچھ بیان کیا گیا ہے اُس شخص نے اُن تمام اُمور کے سمیٹنے کی جہاں تک میرا خیال ہے ایک کامیاب اور ایسی کوشش کی ہے جس کی نظیر اس سے پہلے مشکل ہی سے مل سکتی ہے"۔۔ ۔۔ کسی زبان کا سرمایہ اتنا وسیع ہو کہ وہ سارے معانی و مطالب جو عربی تفسیروں کی ضخیم مجلدات میں بیان کیے گیے ہیں غیر منقوط الفاظ میں ادا کر دئے جائیں کیا یہ کوئی معمولی بات ہے۔۔۔۔۔ گو اس کی تفسیر میں مطالب کے لحاظ سے کوئی جدت نہیں۔ تاہم وہ بہرحال ایک غیر معمولی ذہن و دماغ کا آدمی تھا۔ بیچ بیچ میں بعض نکتے اُس کے قلم سے بے ساختہ نکل گیے ہیں۔ اگر اُن کو ایک جگہ جمع کیا جائے تو اچھی خاصی چیز ایسی جمع ہو سکتی ہے جسے اس کی تفسیر کی معنوی خصوصیت بھی قرار دی جا سکتی ہے۔" (۱)

---

(۱) نظامِ تعلیم و تربیت ص ۲۸۵ تا ۲۹۴ ج ۲

فیضی کی یہ تفسیر ہر اعتبار سے مکمل اور خاصی اہم ہے۔ اسے کسی بھی دوسری تفسیر کے مقابلے میں آسانی سے رکھا جا سکتا ہے۔ تفسیری خوبیوں کے ساتھ ساتھ یہ ایک قابلِ قدر علمی و ادبی کارنامہ بھی ہے۔ فنِ تفسیر کے نقطۂ نظر سے بھی اس میں کسی قسم کی خامی نظر نہیں آتی۔ جو لوگ اسے عجیب و غریب تصنیف اور انتہائی مشکل کتاب سمجھتے ہیں اُن کا خیال بڑی حد تک صحیح نہیں ہے۔ البتہ کتاب کا مقدمہ خاصا مشکل ہے۔ خاص طور سے وہ عبارتیں جہاں وہ لوگوں کے نام اور اِس قسم کی دوسری باتوں کا ذکر کرتا ہے لیکن اصل تفسیری عبارتیں کچھ بہت زیادہ مشکل نہیں ہیں تھوڑی توجہ اور محنت سے مطالب سمجھ میں آجاتے ہیں۔

اِس تفسیر سے عربی زبان کی حیرت انگیز سرمایہ داری کا بھی ثبوت ملتا ہے جس میں خدا کا آخری پیغام نازل ہوا اور اُس پر فیضی کی قدرت اور کمالِ انشا پردازی کا بھی۔ ہندوستانی مفسّرین کے کارناموں میں یہ کتاب ایک اہم کارنامہ ہے جس پر بجا طور پر فخر کیا جا سکتا ہے۔

انوار الاسرار فی حقائق القرآن

شیخ عیسیٰ بن قاسم سندھی ۹۶۲ھ - ۱۰۳۱ھ

شیخ عیسیٰ بن قاسم سندھی دسویں گیارہویں صدی ہجری کے اہم لوگوں میں سے تھے، انھوں نے اپنا سلسلۂ نسب "عین المعانی" میں اس طرح لکھا ہے،

"عیسیٰ بن قاسم بن یوسف بن رکن الدین بن معروف بن شہاب الدین المعروف بالشہابی الجندی السندی الہندی۔" (۱)

سنہ ۹۵۰ھ میں ہمایوں کے سندھ آنے کی وجہ سے بہت بد امنی پھیلی، علماء و صوفیاء گھبرا کر اپنا وطن چھوڑ کر دوسری جگہوں کو کوچ کر گئے۔ انھیں لوگوں میں شیخ عیسیٰ کے والد شیخ قاسم بھی تھے۔ شیخ قاسم اور ان کے بڑے بھائی شیخ طاہر محمد اپنے خاندان کے ساتھ ہجرت کر کے پہلے احمد آباد تشریف لائے۔ حضرت محمد غوث گوالیاری سے بیعت ہوئے اور پھر اپنے مرشد کی اجازت سے برار چلے گئے۔ حاکم برار تفال خاں نے ان لوگوں کا خیر مقدام بہت احترام و عزت کے ساتھ کیا۔ شیخ قاسم اس کے غیر معمولی خلوص و اخلاق سے بہت متاثر ہوئے اور وہیں ایلچ پور میں قیام پذیر ہو گئے۔ (۲)

شیخ عیسیٰ کی ولادت ۹۶۲ھ میں ایلچ پور میں ہوئی۔ جس روز آپ پیدا ہوئے، آپ کے والد گھر پر موجود نہ تھے۔ شیخ طاہر محمد نے آپ کا نام عیسیٰ رکھا۔ بعد میں جب والد واپس لوٹے تو انھوں نے ان کا نام بدل کر سلیمان رکھنا چاہا۔ اس خیال کا بڑا سبب یہ تھا کہ

---

(۱) تذکرۂ صوفیائے سندھ مصنفہ اعجاز الحق قدوسی ص ۱۵۶ (۲) ایضاً

شیخ عیسیٰ کی والدہ نے دورانِ حمل میں خواب دیکھا تھا کہ حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام اُن کے گھر آئے ہیں۔ لیکن پھر بھائی کے ادب و احترام کے خیال سے نام نہ بدلا۔ (۱)

کم عمری ہی میں انھوں نے قرآن مجید حفظ کیا اور علوم متداولہ کی طرف توجہ کی۔ ان کے چچا شیخ طاہر بہت بڑے محدث اور فقیہ تھے۔ شیخ عیسیٰ نے ان سے حدیث، فقہ، تجوید اور دوسرے علوم کی تعلیم حاصل کی، انیس سال کی عمر میں ۹۸۱ھ میں آپ کے والد کا انتقال ہو گیا۔ اس کے تھوڑے ہی عرصہ بعد حاکم برار تفال خاں کا بھی انتقال ہو گیا اور برار کا نظم و نسق کافی بگڑ گیا۔ اسی زمانے میں حاکم برہان پور محمد شاہ فاروقی کے بے حد اصرار سے مجبور ہو کر شیخ طاہر مع متعلقین برہان پور آ گئے۔ رفتہ رفتہ جتنے لوگ بھی سندھ چھوڑ کر مختلف جگہوں پر آباد ہو گئے تھے وہ سب برہان پور آ آ کر آباد ہونے لگے اور ان لوگوں کا ایک مستقل محلہ بن گیا جو سندھی پورہ کے نام سے مشہور ہوا۔ (۲)

اگرچہ شیخ عیسیٰ کے چچا شیخ طاہر بہت بڑے عالم تھے اور انھوں نے اپنے بھتیجے کو بڑی لگن اور بڑی محنت سے پڑھایا لیکن اس کے باوجود ان کے ذوقِ علم کی تسکین پوری طرح سے نہ ہوئی تھی۔ آپ مزید حصولِ علم کے لیے آگرہ تشریف لے گئے اور وہاں قاضی جلال الدین ملتانی سے کسبِ فیض کرنے لگے، ابھی اس سلسلے کو تھوڑے ہی دن ہوئے تھے کہ حکیم عثمان بوبکانی برہان پور آئے اور لوگوں کو درس دینے لگے۔ شیخ طاہر نے اس کی اطلاع ان کو دی۔ یہ فوراً برہان پور واپس آئے حکیم بوبکانی کے درس میں شریک ہوئے۔ یہیں سے ان کو عرفان، معرفت کے حصول کی فکر پیدا ہوئی۔ اب تک آپ نے کسی سے بیعت نہ کی تھی۔ اب فکر ہوئی کہ کوئی مرشد طریقت ان کی رہنمائی کرے۔ اسی زمانے میں ایک روز آپ بازار

---

(۱) نزہۃ الخواطر ۵ : ۲۹۵ (۲) تذکرہ صوفیائے سندھ : ص ۱۵۷

میں تھے۔ ادھر سے حضرت شیخ لشکر محمد عارف (۱) کا گزر ہوا۔ شیخ عارف نے شیخ عیسیٰ کو دیکھ کر ان کے متعلق لوگوں سے پوچھا، ان کو بتایا کہ یہ شیخ محمد طاہر کے بھتیجے ہیں۔ شیخ عارف نے ان سے مخاطب ہو کر کہا "میاں تم ہمارے ہو، ہمارے پاس کیوں نہیں آتے"۔ شیخ تو اتنا کہہ کر چلے گئے۔ مگر شیخ عیسیٰ کے دل میں کسک سی رہنے لگی۔ چند روز بعد وہ شیخ عارف کی خدمت میں پہنچے اور ایک یا دو ملاقاتوں میں اتنا متاثر ہوئے کہ اُن کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔

بیعت کے بعد ریاضتوں اور مجاہدوں میں لگ گئے اور آخر میں اپنے شیخ سے خرقۂ خلافت حاصل کیا۔ ان کے مجاہدات کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے۔ کہ ایک مرتبہ انھوں نے ایک چلہ کھینچا۔ چالیس روز تک یہ کیفیت تھی کہ اگر اتفاقاً سے کوئی کھانے کا سامان ہو گیا تو ہو گیا ورنہ نیم کے پتوں سے افطار کرتے اور کہا کرتے تھے کہ نیم کے پتّے بھی اس وقت میٹھے معلوم ہوتے تھے۔ مجاہدات کی کثرت سے آپ بہت کمزور ہو گئے تھے۔ ایک بار شیخ عارف کا مکان بن رہا تھا۔ زمین کو برابر کرنے کے لیے مریدین مٹی کی ٹوکریاں بھر بھر کر لاتے تھے۔ شیخ عیسیٰ بھی کام میں شریک تھے۔ ایک مرتبہ ٹوکری لاتے ہوئے راستے میں کمزوری سے گر پڑے۔ شیخ نے بڑھ کر اُٹھایا اور کہا میاں تم "جواہر خمسہ" پڑھو۔ دوسری ریاضتیں اور مجاہدے

---

(۱) ان کا شمار شطاریہ سلسلے کے مشائخ میں ہوتا ہے۔ ان کے آباد اجداد کا تعلق گجرات سے تھا۔ یہ بھی وہیں پیدا ہوئے۔ عمر کا ایک حصہ فنون جنگ میں مہارت پیدا کرنے اور بادشاہوں اور امراء کے ساتھ رہنے میں گزرا۔ پھر دل ان سب سے بے زار ہوا۔ قاضی محمود بیر پوری، قطب الدین ذاکر اور آخر میں شیخ حوث گوالیری کی صحبت اختیار کی اور تھوڑے ہی عرصے میں تلقین و ارشاد کی مسند پر متمکن ہو گئے۔ ۹۸۲ھ میں برہان پور گئے اور وہیں اقامت اختیار کی۔ ان سے بہت سے لوگوں نے فیض حاصل کیا۔ جن میں شیخ عیسیٰ بن قاسم کی شخصیت قابل ذکر ہے۔ ۹۹۳ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ (نزہتہ ۴: ۲۷۶)

کرو۔ تمہارا کام یہ نہیں ہے۔ پھر آہستہ سے فرمایا: آفرین باد، کار طالبانِ حق چنین است!

آپ اللہ پر بہت بھروسہ رکھتے تھے۔ اپنی ضروریات کے لیے کسی سے کسی چیز کے طالب نہیں ہوتے تھے۔ آگرہ جاتے ہوئے جب اجین میں قیام ہوا تو لوگوں نے بہت کہا کہ حاکم مالوہ اس وقت اُجین ہی میں ہیں آپ اُن سے مل لیں کہ کچھ دنیاوی فائدہ ہو مگر آپ نے اسے پسند نہ کیا۔ بہت سے لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ بیعت کرنے سے پہلے آپ اُس شخص کے متعلق پوری طرح سے اطمینان کر لیتے تھے کہ وہ ہدایات پر عمل کرنے کی صلاحیت رکھتا بھی ہے یا نہیں۔ شرعِ اسلام کی پابندی کرانے، روزہ، نماز، حج، زکوٰۃ، حرام و حلال وغیرہ پر پوری طرح کاربند رہنے کی تلقین کرتے۔ عورتوں کو بھی مرید کرتے تھے۔ مریدوں سے خاص شفقت و محبت سے پیش آتے تھے۔ اُن کو بیش بہا نصیحتیں کرتے اور ہمیشہ اس بات کی کوشش کرتے کہ وہ لوگ نیکی اور تقویٰ کی راہ پر چلیں اور باعمل رہیں۔ اپنے مریدوں کو پہلے فنا فی الشیخ کی تعلیم دیتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ مرشد مرید اور خدا کے درمیان ایک واسطہ ہے جس کی وجہ سے جمالِ الٰہی کی تجلی نظر آتی ہے۔ سماع کے قائل تھے اور خاص دلچسپی رکھتے تھے۔ محفل سماع میں شرکت کرتے اور اُس کے آداب کا احترام کرتے تھے۔[۱]

شیخ عیسیٰ کو درس و تدریس سے خاص رغبت تھی۔ دور دور سے لوگ ان سے استفادہ کے لیے آتے اور اپنے ذوق کی تسکین کرتے۔ درس میں بڑی جاذبیت اور کشش تھی۔ مشہور ہے کہ لوگ میلوں پیدل چل کر اُن کا درس سننے آتے تھے۔ اپنے درس میں معانی و مفہوم بہت سادے آسان اور دل نشین انداز سے بیان کرتے جس سے لوگوں کو خاص لطف محسوس ہوتا تھا۔

ان کو تصنیف و تالیف کا بھی اچھا ذوق تھا۔ عربی و فارسی دونوں زبانوں میں لکھتے تھے۔ مختلف تذکروں میں ان کی بہت سی تصانیف کا ذکر ملتا ہے مثلاً روضۃ الحسنیٰ

---

(۱) تذکرہ صوفیائے سندھ: ۱۶۱

فی شرح اسماء اللہ الحسنیٰ، عین المعانی، الخواص الخمسۃ، شرح قصیدہ بردۃ بالفارسی۔ تبلتہ المذاہب الأربعۃ، الفتح المحمدی، ترجمۃ اسرار الوحی، انوار الاسرار فی حقائق القرآن وغیرہ (۱) ان میں سے موخر الذکر تین کتابیں قرآن کریم سے متعلق ہیں۔ الفتح المحمدی انھوں نے اپنے صاحب زادے فتح محمد کے لیے لکھی تھی اس میں انھوں نے متعلقات تفسیر سے بحث کی ہے اور مسائل کو آسان طور پر پیش کیا ہے۔ لیکن یہ کتاب کہیں بھی نہیں ملتی ہے اور نہ ہی اس کے متعلق تفصیلی معلومات حاصل ہو سکی ہیں "اسرار الوحی" کا بھی کچھ پتا نہیں چلتا۔ "انوار الاسرار" کا بھی مکمل یا نامکمل نسخہ الگ سے نہیں مل سکا ہے، البتہ اس کے بعض اجزاء "نزہتہ الخواطر" اور "معارج الولایۃ" میں نقل کیے گئے ہیں۔ معارج الولایۃ[۲] میں اعوذ باللہ، بسم اللہ اور سورۃ الحمد کی تفسیر کی عبارتیں ہیں۔ اس کے بعض اجزاء نزہتہ الخواطر میں بھی موجود ہیں۔ چونکہ معارج الولایۃ بذات خود ایک نادر کتاب ہے اور جو کچھ اس میں موجود ہے اس کا بہت کم لوگوں کو علم ہے۔ اس لیے انوار الاسرار کے یہ اجزاء بہت اہمیت رکھتے ہیں، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جو کچھ بھی موجود ہے اسے بہ جنسہ نقل کر دیا جائے۔ نزہتہ الخواطر میں لکھا ہے کہ اس کی ابتدا یوں ہے:

"لک الحمد یا من دعوۃ الطالبیہ الی جمال عزتہ فاتحۃ الابواب"

---

(۱) نزہتہ الخواطر ۵: ۲۹۵

(۲) معارج الولایۃ کا ایک نادر قلمی نسخہ پروفیسر خلیق احمد نظامی، علی گڑھ کے پاس موجود ہے۔ شیخ عیسیٰ کے متعلق اس میں تحریر ہے:

"خلیفہ و مرید شیخ لشکر محمد عارف است۔ جامع علوم ظاہر و باطن بودہ۔ اصل او از سند است و از آنجا آمدہ در برہان پور سکونت گرفتہ و سندی پورہ در برہانپور بہ نام او است و شیخ لشکر محمد عارف کہ خلیفہ شیخ محمد غوث است بہ صحبت او از گجرات آمدہ در برہان پور رخت اقامت انداخت و راکی پورہ بہ نام بی بی راستی منکوحہ او است۔ و شیخ عیسیٰ مردے بزرگ و شخصے متبرک بود و بر مسلک او توحید غالب بود و اتباع شیخ محی الدین عربی بر کمال داشت و توحید را آشکارا گفتی و کتب شیخ محی الدین را درس و تدریس نمودی و مواضع مشکلات را توجیہات فرمودی۔" ص ۵۸۴

زبدۃ التفاسیر

شیخ معین الدین بن خاوند محمود کشمیری متوفی ۱۰۸۵ ھ

معین الدین بن خاوند محمود (۱) مشائخ نقش بندیہ اور فقہائے حنفیہ میں سے تھے۔ کشمیر میں پیدا ہوئے اور اپنے والد سے کسب علم کیا۔ اس کے بعد دہلی گیے اور شیخ عبدالحق دہلوی کے شاگرد ہوئے۔ ایک عرصے تک اُن سے فقہ اور حدیث کا درس لیتے رہے۔ تحصیل علم کے بعد کشمیر واپس لوٹے اور گدّی نشین ہوئے۔ مذہبی امور اور افتاء میں لوگ اُن سے رجوع کرتے تھے۔ بڑے بڑے علماء اُن سے مشورہ کرتے تھے۔ اُمرا بھی اُن کی قدر کرتے تھے۔ ہزاروں آدمی آپ سے بیعت تھے۔

ان کی کئی تصانیف کا ذکر ملتا ہے۔ فتاوی نقش بندیہ، کنز السعادت، فقہی مسائل میں رسالہ رضوانی جس میں اپنے والد کے حالات وکرامات وغیرہ بیان کیے ہیں۔ شرح القرآن فارسی میں اور زبدۃ التفاسیر عربی میں۔ اس کے علاوہ انھوں نے صحیح البخاری کی بھی کتابت کی تھی۔ ان کا انتقال ۱۰۸۵ ھ میں کشمیر میں ہوا۔

زبدۃ التفاسیر قرآن کی مکمل تفسیر ہے۔ اس کے تین نسخوں کا پتہ چلتا ہے۔

---

(۱) ان کے مفصل حالات کے لیے ملاحظہ ہو (۱) نزہۃ الخواطر ۵/۴۰۶ (۲) خزینۃ الاصفیاء (۳) حدائق الحنفیہ ص ۴۲۱

دو ہندوستان میں اور ایک کیمبرج یونی ورسٹی لائبریری میں (۱) ہندوستان میں اس کا ایک نسخہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال (۲) میں ہے۔ دوسرا خدابخش لائبریری پٹنہ (۳) میں۔ کیمبرج والے نسخے میں اس کا نام تفسیر اورنگ زیبی لکھا ہے۔ چوں کہ یہ تفسیر اورنگ زیب کے نام سے معنون ہے اس لیے ممکن ہے کسی نے اس نسبت سے اس کا نام یہی لکھ دیا ہو۔ فہرست میں اور جو تفصیل لکھی ہے وہ بھی ہندوستان کے نسخوں سے ملتی ہے۔ مصنّف کا نام لکھنے میں بھی غالباً فہرست کے مصنّف کو دھوکا ہوا ہے انھوں نے معین الدّین بن صدر لکھ کر انھیں خواجہ خاوند محمود نقش بندی کا شاگرد قرار دیا ہے۔ پٹنہ والے نسخے کی عبارت سے مطلب پوری طرح واضح ہوجاتا ہے۔ اس میں ان کا نام اس طرح سے لکھا ہے:۔ "معین الدّین بن صدر مسند الارشاد و الهدایة جامع نعوت الخصائص و الولایة زبدۃ العارفین، قدوۃ المحققین، وارث الانبیاء والمرسلین خواجہ خاوند محمود النقش بندی العلوی الحسنی۔"

سیدھے سادے انداز کی تفسیر ہے۔ اس بات کی کوشش کی ہے کہ مختصر طور پر آیات کے معانی و مطالب ذہن نشین کر دیے جائیں۔ اس کی ابتدا یوں ہوتی ہے:۔

"الحمد لله الّذی نزل کتابه الّذی هو ناسخ الادیان والباقی فی عدله الی انقراض الدوران"

اس کے بعد انھوں نے اپنا اور اپنے والد کا نام اور اُن کی بزرگانہ عظمت کا ذکر کیا ہے۔ پھر کفر و الحاد کی تاریکیوں کو بیان کیا ہے اور اورنگ زیب کی حکومت کو

(1) Hand List of Mohammadan Manuscripts by Brown No. 319 (a)
(2) Catalogue of Arabic MSS Asiatic Society by Ivane No. 186
(3) No 281

سراہا ہے اسے محافظِ دین وملت سلطانِ اعظم معظم ومعز کفار و روافض کا قاتل، دین حنفی کو زندہ کرنے والا، اللہ کی مسجدوں کو آباد کرنے والا اور شریعت کا پابند بتایا ہے۔ اس تعریف و توصیف کے بعد اپنی اس تفسیر کو اُن کے نام سے معنون کیا ہے۔ پھر اس تفسیر کا نام بتایا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ اس نام سے اس کی تاریخ بھی نکلتی ہے۔

یہ پوری تفسیر محفوظ اور اچھے حال میں ہے۔ لکھائی بہت صاف ہے۔ ہر صفحہ پر چوطرفہ سنہرا حاشیہ ہے۔ عام طور سے کتاب متن کی عبارت سُرخ روشنائی سے لکھتے ہیں اور شرح و مطالب سیاہ سے مگر اس کتاب میں اس روایت کے خلاف سیاہ روشنائی سے متن اور سُرخ سے مطالب لکھے ہیں۔(۱)

انھوں نے اپنی تفسیر میں دوسرے مفسّرین کے حوالے اور اقوال نہیں دیے ہیں بلکہ خود ہی مختصر انداز میں مطالب بیان کر دیے ہیں۔ لمبی اور بے جا بحثیں کہیں نہیں ہیں۔ تمام مسائل کو بغیر کسی اُلجھن اور طوالت کے بیان کرتے ہیں۔

اس تفسیر کے دو نسخے جو ایشیاٹک سوسائٹی بنگال اور خدابخش لائبریری پٹنہ میں پائے جاتے ہیں تھوڑے سے اختلاف کو چھوڑ کر یکساں ہیں۔ ابتدا دونوں کی ایک ہے۔ لیکن خدابخش والے نسخے میں شروع کی سطروں کے بعد عالمگیر کی مدح ہے اور کتاب کو اس کے نام سے معنون کیا ہے۔ ایشیاٹک سوسائٹی کے نسخے میں عالمگیر کا ذکر نہیں ملتا ہے۔ خاتمے میں بھی اختلاف ہے۔ خدابخش کے نسخے میں خاتمے کی عبارت یہ ہے:

"الحمد للہ المعین المحمود الذی وفقنی لاتمام تحریرنبذۃ

---

(۱) یہی انداز کیمبرج والے نسخے میں بھی ہے۔

تفاسیر من جمد المعین فی یوم عشرین من رجب المرجب
سنة الف واحدی وسبعین ارجوا من قرا هذ التفسیر
الشریف ان لاینسوا فی دعائما لمستجاب ...."

ایشیاٹک سوسائٹی کے نسخے میں خاتمے کی عبارت اس سے مختلف ہے۔
اس کے بعد کتابت کی تاریخ یہ لکھی ہے۔

"تمام شد زبدۃ التفاسیر بعون اللہ تعالیٰ بروز یوم الرابع
بوقت ظہر صورت سرانجام یافت ۱۱۵۰ھ"۔

مندرجہ بالا اختلاف کے علاوہ دونوں نسخے ایک ہی انداز کے ہیں۔ کیمبرج
کی فہرست میں اس تفسیر کے متعلق یہ لکھا ہے۔

"A Commentary on the Qur'an entitled Tafsir Awrangzibi by Muinuddin b. Sadr, one of the disciples of Khwaja Khwand Mahmud an-Naqshbandi-al-Alwi al-Husayni,
Fine large Naskh, text in black, Commentary in red, headings in Gold and blue.
The running Commentary is brief. Dated 1075/1664-5" (1)

مندرجہ بالا حوالہ میں اس کی تاریخ کتابت ۱۰۷۵ھ ہے۔ ایشیاٹک سوسائٹی

---

(1) Hand list of Muhammaden Manuscripts by Brown No.319 (a).

اس کا ایک اور قلمی نسخہ ٹونک میں جناب حکیم محمد عرفان خان صاحب مرحوم کے کتب خانے میں بھی ہے۔ اس میں ۱۰۷ صفحات ہیں۔ ۲۵ر شوال ۱۲۹۴ھ کی کتابت ہے۔ اس کے کاتب عبدالکریم خوش نویس ہیں۔ یہ نسخہ بھی مکمل ہے۔ اس کی ابتدا اور اختتام ایشیاٹک سوسائٹی والے نسخے کے مطابق ہے۔ اورنگ زیب کے نام معنون ہے۔

(معارف مارچ ۶۷ء معین کشمیری اور اُن کی تصانیف
از قاضی محمد عمران خان)

زبدۃ التفاسیر للقدماء المشاہیر

شیخ الاسلام بن قاضی عبد الوہاب گجراتی متوفی ۱۱۰۹ ھ

شیخ الاسلام کے والد قاضی عبد الوہاب فوج میں قاضی تھے۔ جب ان کا انتقال ہو اتو عالم گیر نے ان کو اس عہدے پر فائز کیا۔ یہ بڑے زبردست عالم اور مشہور حنفی فقیہ تھے۔ ایمان داری۔ دیانت۔ ذکاوت، حسنِ عمل، صدق و اخلاص ورع و تقویٰ اور امر بالمعروف والنہی عن المنکر ان کے کردار کے نمایاں پہلو تھے۔ اپنے عہدے کا کام نہایت ایمان داری سے کرتے تھے۔ بادشاہ کے سامنے بھی سچائی پر قائم رہتے تھے۔ عالم گیر ان سے بہت متاثر تھا اور ان کی بہت عزت کرتا تھا۔ ۱۰۹۵ھ میں بادشاہ سے اجازت لے کر حج کے لیے گیے۔ وہاں سے واپس آکر احمد آباد میں قیام کیا۔ جب عالم گیر کو اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے ان کو دوبارہ اپنا عہدہ قبول کرنے کی پیش کش کی مگر انھوں نے عبادت و ریاضت کی زندگی کو ترجیح دی اور اس عہدے کو قبول نہ کیا۔ ورع و تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ ان کو اپنے والد سے ورثے میں دو لاکھ اشرفی، پانچ لاکھ روپیہ قیمتی جواہرات اور بہت سا دوسرا سامان ملا تھا۔ مگر انھوں نے سب غرباء و فقراء پر تقسیم کر دیا محض یہ سوچ کر کہ ان کے والد نے خدا معلوم اس دولت کو

کس طرح جمع کیا ہو۔ (۱)

رام پور کے کتب خانے میں اس تفسیر کا قلمی نسخہ موجود ہے۔ اس میں ۲۳۷ صفحات ہیں ۱۰۹۳ھ کی تصنیف ہے۔ اس کی ابتدا یوں ہوتی ہے۔

"الحمد للہ الذی انزل الفرقان شفاء لما فی الصدور ورحمۃ للمومنین ومصدقا لما بین یدیہ وھدی وموعظۃ للمتقین۔"

خود اس کی تصنیف کے متعلق لکھتے ہیں جس کا مفہوم یہ ہے کہ :۔

"دورانِ تلاوت میرے ذہن میں یہ خیال آیا کہ متقدمین کی تفسیروں سے ایک مختصر سی تفسیر مرتب کروں جو تلاوت کے وقت قاری کو مفہوم سمجھنے میں مدد دے۔ عبارات حفص بن سلیمان کی روایت کے مطابق اور احکام کا بیان امام ابوحنیفہ کے مسلک کے مطابق ہو۔ ۱۰۹۳ھ میں یہ ارادہ پورا ہوا۔ میں نے اس کا نام زبدۃ التفاسیر للقدماء المشاہیر رکھا ہے۔"

یہ نسخہ بہت ہی خوب صورت خط میں ہے۔ شروع کے دو صفحے سنہری سطروں کے درمیان لکھے گیے ہیں۔ قرآن مجید کی آیات سُرخ روشنائی سے اور تفسیر سیاہ سے ہے۔ سورتوں کی ابتدا بھی سنہری سطروں کے درمیان ہے۔ علامات سجدہ، ربع، نصف، ثلث وغیرہ بھی حاشیہ پر سنہرے دائروں میں ہیں۔ پہلے قرآن مجید کی آیت لکھی ہے۔ اس کے بعد تفسیر ہے۔ تفسیر میں اختصار کو ملحوظ رکھا ہے۔ کہیں کہیں پر شانِ نزول بھی بیان کی ہے۔ چھوٹے چھوٹے جملوں میں تفسیر

---

(۱) نزہۃ ۶/۱۱۱ مزید حالات کے لیے (۱) مآثر الامرا مصنفہ شاہ نواز خاں (۲) مآثر عالمگیری مصنفہ مستعد خان (۳) منتخب اللباب خافی خان۔

بیان کی ہے اور آیتوں کے مطالب بہت آسان زبان میں لکھے ہیں۔ مختلف سورتوں سے متعلق جو قصے ہیں اُن کا بھی تذکرہ کر دیا ہے۔

چوں کہ اِس تفسیر کو یہ سوچ کر ہی لکھا گیا تھا کہ پڑھنے والوں کی سمجھ میں زیادہ سے زیادہ مطالب آ سکیں۔ اِس لیے اِس میں اشکال کسی بھی جگہ نہیں رہ گیا ہے۔ انتہائی سادگی اور اختصار کے ساتھ مطالب بیان کر دئے ہیں جہاں پر تشریح کی ضرورت نہیں ہے وہ جگہ ایسی ہی چھوڑ دی ہے۔ بعض جگہوں پر ربطِ آیت کے لیے ایک آدھ لفظ بڑھا دیا ہے۔ اختتام اِن الفاظ پر ہوتا ہے۔

"تمت هذه الكتاب بعون الله الملك الوهاب"

ثواقب التنزیل فی انارۃ التاویل

ملا علی اصغر بن عبد الصمد قنوجی متوفی ۱۱۴۰ھ

مصنف کا سلسلۂ نسب حضرت ابو بکر صدیقؓ تک پہنچتا ہے۔ قنوج میں ۱۰۵۱ھ میں پیدا ہوئے اور وہیں پلے بڑھے۔ سید محمد حسین قنوجی، مولانا عصمت اللہ سہارن پوری، محمد زماں کاکوروی اور دیانت خان سے کسبِ علم کیا۔ آخر میں مولانا لطف اللہ کی شاگردی اختیار کی اور علم کے انتہائی مدارج طے کیے۔ شیخ پیر محمد لکھنوی سے طریقۂ چشتیہ اختیار کیا اور دستارِ خلافت پائی۔ قنوج واپس آئے اور لوگوں سے الگ تھلگ ہو کر تدریسِ علم و فن میں لگ گئے۔ نواب صدیق حسن خان نے "تقصار جیود الاحرار من تذکار جنود الابرار" میں لکھا ہے جس کا ترجمہ حسب ذیل ہے:-

"شریعت و طریقت کے جامع تھے۔ سلوک و تصوف پر ان کی کتابیں ہیں نثر میں بھی نظم میں بھی ثواقب التنزیل نام کی ایک نہایت عمدہ مختصر تفسیر بھی لکھی ہے۔ (۱)

لطائف العلیہ فی معارف الالٰہیہ، تبصرۃ المدارج، ریاض المعارف اور

---

(۱) تذکار ص ۱۸۹

ثواقب التنزیل وغیرہ اُن کی اہم تصانیف ہیں۔ ثواقب التنزیل جلالین کے انداز پر ہے۔

ایک عرصے تک لوگوں کو تعلیم و تربیت دینے کے بعد ۱۱۴۰ھ میں انھوں نے اِس دارِ فانی کو خیرباد کہا۔ آزاد بلگرامی نے مصرع تاریخ وفات لکھا ہے۔

(۲) ع

شد نہاں آفتاب صبح علوم ۱۱۴۰ھ

رام پور کے کتب خانے میں اِس کا قلمی نسخہ موجود ہے۔ اِس میں نوّے صفحات ہیں۔ ابتدا یہ ہے:۔

"الحمد للہ العلیم الحکیم الذی انزل علی عبدہ کتابا فاتحتہ السبع المثانی والقرآن العظیم

شروع کے چار صفحوں میں اپنی تصنیف کی ضرورت، اہمیت اور انداز کا ذکر کیا ہے۔ اس کے بعد بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم کی تفسیر لکھی ہے۔ یہ بحث بھی کی ہے کہ یہ سورۃ الفاتحہ میں داخل ہے یا نہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ محض حصول برکت اور فصل کے لیے ہے۔ اِس سلسلے میں روایتوں اور علماء کے اقوال سے ہر ایک کی بات کا ثبوت پیش کیا ہے۔ نبی صلعم سے روایت نقل کی ہے کہ بسم اللہ فصل سورۃ کے لیے ہے۔

اِس قسم کی اور بھی بہت سی روایات نقل کرنے کے بعد اپنا اتفاق اسی رائے سے ظاہر کیا ہے۔ اِس کے بعد اِس کی مفصّل تشریح کی ہے۔ الرّحمٰن الرّحیم

---

(۱) مآثر الکرام ۲۵۱۔ مزید حالات کے لیے۔ نزہۃ ۶/۱۸۷ (۲) مآثر الکرام ص ۲۵۰

(۳) حدائق الحنفیہ ص ۴۳۸

کی تشریح میں زجاج، سیبویہ، صراح اور تاج وغیرہ کے اقوال نقل کیے ہیں۔ اس تفسیر کو دیکھ کر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ملا علی اصغر علمی و فنی اعتبار سے معمولی قابلیت کے آدمی نہ تھے بلکہ تحقیق و تدقیق میں دل چسپی رکھتے تھے اور بہت محنت و ذہانت سے کام کرتے تھے۔

انھوں نے اپنی تفسیر کا انداز یہ رکھا تھا کہ سارے قرآن مجید کی تفسیر سات ثاقبوں میں بیان کریں گے۔ پہلا "ثاقبہ" سورۃ الحمد کی تفسیر پر مشتمل ہے جو مکمل ہو گیا تھا" الثاقبۃ الثانیۃ "، جس میں سورۂ بقر اور آلِ عمران کی تفسیر بیان کرنے والے تھے غالباً مکمل نہ ہو سکا یا یہ کہ اُنھوں نے مکمل کیا اور بعد میں ضائع ہو گیا۔ بہرحال اِس وقت جو نسخہ موجود ہے وہ ذالک الکتاب کے بعد اِس عبارت پر ختم ہوتا ہے۔

"ذالک اشارۃ الی الم المذکور قبلہ .... بالمولف من هذه الحروف"

اُن کا کیا ارادہ تھا، اُس کے متعلق خود لکھتے ہیں:۔

"آیات سبع مثانی کے عدد کے مطابق اور سبع طوال اور حوامیم سے برکت حاصل کرتے ہوئے میں نے اس کو سات ثواقب پر تقسیم کیا ہے۔ احباب جلد چاہتے تھے اس لیے سورۂ فاتحہ کی تفسیر علیحدہ کر دی ہے۔ (ورق ۲)

بسم اللہ کی تفسیر کے بعد سورۃ الحمد کی تشریح کی ہے۔ یہ پندرہ صفحات پر مشتمل ہے۔ اِس کا انداز بھی اچھا ہے اور پوری وضاحت کے ساتھ الفاظ کی تشریح کی ہے اور معانی و مطالب کو بیان کیا ہے۔ حدیثوں سے بھی مثالیں اور اقوال پیش کیے ہیں اور دوسری تفسیروں کے بھی حوالے ہیں۔ تفسیر بیان کرنے کے بعد اس سورۃ کی اہمیت اور اُس کے مفہوم کو سمجھنے کی ضرورت پر زور

سورۂ الحمد کی تفسیر کے بعد انھوں نے "اعجاز القرآن" سے متعلق سات مسائل پر بحث کی ہے۔

پہلا مسئلہ جس کی طرف انھوں نے توجہ کی ہے وہ " نزول قرآن " کا ہے۔ دوسرا مسئلہ یہ کہ حضرت جبرئیلؑ کتنی مقدار لے کر آتے تھے۔ اِس سلسلے میں لکھتے ہیں کہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ قرآن کریم حسب ضرورت نازل ہوتا تھا۔ آیات کی تعداد متعین نہ تھی البتہ بعض لوگ اس میں اختلاف کرتے ہیں اور آیتوں کی تعداد متعین کرتے ہیں مگر وہ صحیح نہیں ہے۔

تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ نزولِ وحی کی کیفیت کیا ہوتی تھی یعنی کس طرح سے وہ آنحضورؐ صلعم تک پہنچتی تھی۔ اس میں بھی لوگوں کو اختلاف ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ حضرت جبریل کو الہام کرتا تھا اور وہ آنحضور صلعم کے پاس لاتے تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ فرشتہ انسانی شکل میں آکر پیغامِ الٰہی آپ کو سُناتا تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ گھنٹی کی سی آواز آتی تھی۔ بعضوں کا یہ خیال بھی ہے کہ خواب میں آیات آپؐ پر نازل ہوتی تھیں۔

چوتھا مسئلہ یہ کہ کون کون سی آیات مکّی ہیں اور کون کون سی مدنی۔ پانچواں مسئلہ ترتیبِ نزول کا ہے۔ چھٹا مسئلہ جمع قرآن اور ترتیب قرآن کا ہے۔ ساتواں مسئلہ اُن سات حروف سے متعلق ہے جس کی بنیاد نبی صلعم کی روایت " نزل القرآن علی سبعۃ احرف " ہے۔

اس کے بعد انھوں نے الٓمٓ کی تفسیر بیان کی ہے۔ اس سلسلے میں اس کی اور اِس قسم کے دوسرے حروف مقطعات کی تفصیل لکھی ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ سب آیات متشابہات میں سے ہیں۔ اِن کے معنی کا علم سوائے اللہ کے کسی کو نہیں۔ پھر یہ قول نقل کرتے ہیں۔

"ان لکل کتاب سر و سر القرآن فواتح السور"

(ورق ۴۳ - ۴۴)

یعنی ہر کتاب کا ایک پوشیدہ راز ہوتا ہے اور قرآن کا راز سورتوں کے آغاز کے حروف ہیں۔

اِس میں مصنف نے بہت سی اہم باتوں اور مسائل پر بحث کی ہے۔ قرآن مجید اور اُس سے متعلق موضوعات پر احادیث و اقوال کی روشنی میں مفصل طور پر لکھا ہے اور اپنی اِس تصنیف کو زیادہ سے زیادہ مفید بنانے کی کوشش کی ہے۔

قرآن القرآن بالبیان

شیخ کلیم اللہ جہان آبادی ولادت ۱۰۶۰ھ وفات ۱۱۴۱ھ

یہ مشائخِ چشت میں بڑی اہمیت رکھتے تھے۔ ۱۰۶۰ھ میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ سلسلہ نسب کلیم اللہ بن نور اللہ بن محمد صالح المہندس الصدیقی ہے۔ اپنے زمانے کے اساتذہ سے کسبِ علم کیا۔ پھر حجاز گیے۔ حج و زیارت سے شرف یاب ہوئے۔ اور ایک مدت تک وہاں رہے۔ طریقہ چشتیہ شیخ یحییٰ بن محمود گجراتی سے حاصل کیا۔ نقش بندی طریقے کو بھی اچھی طرح سے سمجھتے تھے اور اس کا علم انھوں نے خواجہ میر محترم سے حاصل کیا تھا جن کا سلسلہ عبد اللہ احرار تک پہنچتا ہے۔ طریقۂ قادریہ سے بھی واقف تھے اور اس میں ان کے شیخ حضرت محمد غیاث سندھی تھے۔ علوم و فنون اور مشیخت و طریقت کی باتیں سیکھنے کے بعد ہندوستان لوٹے اور درس و تدریس کے کاموں میں لگ گیے۔ ان کے بزرگوں کو فنِ تعمیر میں بڑی مہارت تھی۔ ان کے دادا محمد صالح اپنے دور کے بڑے اہم انجینئر سمجھے جاتے تھے۔ جامع مسجد، لال قلعہ اور تاج محل کی تعمیر میں اُن کا بڑا حصہ ہے۔

شیخ کلیم اللہ کی بہت سی تصانیف ہیں جن میں قرآن مجید کی تفسیر "قرآن القرآن بالبیان"، کشکول، المرقع، فی الرقی، التکبیر، سواء السبیل، العشرۃ الکاملۃ، الرد علی الشبیعۃ، شرح قانون اور مکاتیب کافی اہمیت رکھتے ہیں۔ مکاتیب سے

اُن کی زندگی اور سماجی حالات نیز عقائد وغیرہ پر کافی روشنی پڑتی ہے۔
۱۱۴۱ھ میں اِن کا انتقال ہوا اور دہلی میں خانم کے بازار میں دفن ہوئے۔
مآثرالکرام میں سنہ وفات ۱۱۴۲ھ ہے۔ (۱)

قرآن کریم کی یہ تفسیر شیخ کلیم اللہ نے ۱۱۲۵ھ میں لکھی۔ اِس تفسیر کے متعدد قلمی نسخے موجود ہیں۔ دو نسخے حیدرآباد میں میری نظر سے گزرے۔ ایک آصفیہ لائبریری میں (۲) دوسرا عثمانیہ یونی ورسٹی لائبریری میں (۳) عثمانیہ یونی ورسٹی والے نسخے میں کاتب کا نام نور محمد ولد ملا عمر بن محمد لکھا ہے۔ کتابت رجب ۱۲۵۰ھ کی ہے۔ پہلے صفحے پر جمال الدین قطبی کے نام کی دو مہریں لگی ہیں۔ حاشیے پر جا بجا نوٹس بھی ہیں۔ آصفیہ کے نسخے کے کاتب اور سنِ کتابت کا پتہ نہیں چلتا۔ یہ تفسیر الگ سے کتابی شکل میں شائع نہیں ہوئی ہے۔ البتہ شاہ رفیع الدین صاحب کے اردو ترجمہ قرآن کے حاشیے پر ۱۲۹۰ھ میں مطبع احباب نے اسے شائع کیا ہے۔

اس کی ابتدا اِن الفاظ سے ہوتی ہے۔

"الحمد للہ الذی نزل الفرقان علی عبدہ فھو نور
علی نور ھدی بنورہ من شاء من عبادہ"

شیخ صاحب حمد و ثنا کے بعد تفسیر شروع کرنے سے قبل اپنا مذہب اور تفسیر کی تاریخ تحریر اور نام یوں بیان کرتے ہیں:۔

"یہ علمائے ملت حنفیہ بیضاوی کی تفسیروں سے ماخوذ ہے۔ میں نے اِس کا نام قرآن القرآن بالبیان رکھا ہے۔ میں کلیم اللہ جہان آبادی

---

(۱) حالات کے لیے نزہۃ ۶/۲۴۰ مآثرالکرام ص ۴۲ تاریخ مشائخ چشت ص ۳۶۶ (۲) نمبر ۹۸
(۳) نمبر ک ق / ۲۹۷

مذہباً حنفی اور مشرباً صوفی ہوں - یہ تصنیف ۱۱۲۵ھ میں مکمل ہوئی۔

اِن کی تفسیر اپنے سلجھے ہوئے انداز اور اختصار کی وجہ سے خاصی اہم سمجھی جاتی ہے اور اسے اُن کا بڑا کارنامہ قرار دیا جاتا ہے۔ چوں کہ یہ حنفی تھے اس لیے تفسیر میں بھی انھوں نے حنفی نقطۂ نظر کو ملحوظ رکھا ہے۔ مسائل کی توضیح میں اس کا انداز جلالین کا سا ہے۔ اِس میں جس قدر اختصار کے ساتھ عبارتوں کی تشریح کی گئی ہے مشکل ہی سے کہیں اور ملے گی۔ بعض جگہوں پر تو محض دو تین لفظوں ہی سے پورے مطلب کی طرف اشارہ کر دیتے ہیں۔ یہ اختصار ایجازی انداز کا ہے۔ جس سے مفہوم کی وضاحت پوری طرح ہو جاتی ہے۔

بہت سی آیتیں اور مختلف سورتیں، حالات اور واقعات کے پیشِ نظر نازل ہوئی ہیں۔ ہر ایک کی شانِ نزول کچھ نہ کچھ ضرور ہے۔ مصنف نے بہت سی جگہوں پر سببِ نزول کی طرف اشارہ کیا ہے اور واقعہ بھی نقل کر دیا ہے۔ مثلاً۔

"الذین ینفقون اموالھم باللیل والنھار سرا وعلانیۃ فلھم اجرھم عند ربھم ولا خوف علیھم ولا ھم یحزنون" (۱) (بقرہ)

میں اِس واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ہزار دینار راتوں میں، دس ہزار دن میں، دس ہزار پوشیدہ اور دس ہزار علانیہ راہِ خدا میں خرچ کیے۔ حضرت علی کی شان میں یہ قول بھی منقول ہے کہ اُن کے پاس صرف چار تھے۔ چاروں راہِ خدا میں صرف کر دیے۔

اسی طرح سورۂ اخلاص کی شانِ نزول یہ بیان کی ہے کہ لوگوں نے رسول اللہ

---

(۱) سورۂ بقرہ آیت ۲۷۴

صلی اللہ علیہ وسلم سے اوصافِ الٰہی دریافت کیے تھے جن سے وہ اسے پکاریں۔ اس پر قل ہو اللہ کی سورت نازل ہوئی۔

قرآن کریم نے بہت سے طویل واقعات کی طرف محض اشارے کر دیے ہیں تاکہ لوگوں کے ذہن اُس طرف منتقل ہوں اور وہ اس کے انجام اور جو کچھ پیش آیا اُس پر غور کریں۔ مثلاً سورۂ فیل میں ابرہہ کے واقعے کی طرف اشارہ ہے کہ اُس نے صنعاء میں ایک معبد تعمیر کیا تھا۔ اُس کو جواہرات اور دوسرے قیمتی پتھروں سے مزیّن کیا تھا تاکہ لوگ کعبہ سے ہٹ کر اُس کی طرف متوجہ ہو جائیں۔ مگر جب ایسا نہ ہوا تو پھر اُس نے کعبہ پر حملہ کیا مگر اس کا انجام جو کچھ ہوا خود کلام پاک میں اس کا ذکر موجود ہے۔ اس واقعے کا ذکر مکمل طور پر مصنف نے کر دیا ہے۔ اسی طرح سے اصحاب اخدود کا واقعہ بھی بیان کیا ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سے واقعات کا ذکر کیا ہے۔

غرض یوں تو اختصار کو پیش نظر رکھا ہے۔ لیکن کسی ایسی بات کو نہیں چھوڑا ہے جس سے واقعات کی کڑیاں ملانے میں دقت پیش آئے اور باتیں گنجلک ہو جائیں۔ اسی طرح سے بہت سی جگہوں پر حدیثیں بھی اپنی بات کے ثبوت میں پیش کی ہیں۔ الفاظ اور لغت کی بحثیں بہت کم ہیں۔

اگرچہ یہ خود بہت بڑے صوفی بزرگ تھے۔ لیکن ان کی تفسیر میں اس رنگ کی جھلک بہت کم نظر آتی ہے۔ اُن کی یہ تصنیف سیدھے سادے انداز میں کلام پاک کی توضیح ہے۔ اختصار اس کی مخصوص شان ہے۔

اس تفسیر کا اختتام اس عبارت پر ہوتا ہے: "سبحان ربک رب العزۃ عما یصفون. سلام علی المرسلین. والحمد للہ رب العلمین وصلی اللہ علی سیدنا المکونین محمد و آلہ و اصحابہ برحمتک یا ارحم الراحمین لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔"

تفسیر صغیر

امیر عبداللہ محمد بن علی اصغر قنوجی ۱۱۷۸ھ

بہت ہی مختصر اور سادہ انداز میں قرآن مجید کی تفسیر ہے۔ ڈاکٹر زبید احمد نے اس تفسیر کو لا پتہ قرار دیا ہے مگر کاکوری کی کاظمیہ لائبریری میں اس تفسیر کے ساڑھے چار پارے موجود ہیں۔ کتاب کے شروع میں ایک چھوٹا سا مقدمہ لکھا ہے جس میں اپنا نام ابو عبداللہ محمد بن علی اصغر بتایا ہے۔ اس کے بعد لکھتے ہیں۔

"چوں کہ علم تفسیر اپنے موضوع کے شرف کی وجہ سے تمام علوم سے بڑھ کر ہے اور اس میں مشغولیت دنیا و آخرت کے لیے بہتر ہے اس لیے اپنی کم زوری اور بے بضاعتی کے باوجود میں نے ایک چھوٹی سی تفسیر لکھنے کا ارادہ کیا ہے تاکہ تلاوت کے وقت میری ضرورت پوری ہو اور دنیا و آخرت میں رضائے الٰہی کے حصول کا ذریعہ ہو۔ اے میرے رب میری شرح صدر فرما۔ میرے معاملے کو میرے لیے آسان فرما، اور راہِ حق کی طرف میری ہدایت کر۔"

مقدمہ کے بعد انھوں نے تفسیر شروع کی ہے۔ انداز بہت ہی مختصر اور سلجھا ہوا ہے۔ سورۂ فاتحہ کے متعلق لکھتے ہیں:-

"ھی السبع مثانی کیوں کہ وہ ہر نماز میں دہرائی جاتی ہے۔

بسم اللہ کے متعلق لکھا ہے کہ وہ سورۂ فاتحہ کا جزو نہیں ہے بلکہ سورتوں کے درمیان فصل کرنے کے لیے آیۃ نازل ہوئی ہے۔

مسائل والی آیتوں کی تشریح کرتے وقت شافعی اور حنفی مسلک کا بھی ذکر کر دیتے ہیں۔ اگر کوئی آیت کسی دوسری سے منسوخ ہوئی ہے تو وہ بھی لکھ دیتے ہیں مثلاً "الحر بالحر والعبد بالعبد والانثی بالانثی (۱) کے بارے میں امام ابو حنیفہ اور امام شافعی کا اختلاف ہے۔ لکھتے ہیں :۔

اس آیت کے مطابق امام شافعی غلام کے بدلے میں آزاد کو قتل نہیں کرانتے ہیں لیکن امام ابوحنیفہ اس کے قتل کا حکم دیتے ہیں اور اس آیت کو النفس بالنفس (جان کے بدلے جان) سے منسوخ مانتے ہیں۔

قرآن کریم میں جو واقعات بیان کیے گئے ہیں اُن کی طرف بھی اشارہ کرتے ہیں۔ اس بات کا بہت خیال رکھا ہے کہ عبارت مشکل اور طویل نہ ہونے پائے۔ اختصار کا یہ عالم ہے کہ بڑی سے بڑی آیت کی تشریح میں بھی بیکار باتوں سے اجتناب کر کے ضروری باتوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

مقام ابراہیم کے متعلق لکھتے ہیں :۔

"یہ وہ پتھر ہے جس پر پتھروں کو بلندی تک پہنچانے کے لیے تعمیر کعبہ کے وقت حضرت ابراہیمؑ کھڑے ہوتے تھے۔ اِس پر اُن کے قدموں کے نشان پڑ گیے ہیں"

اِس تفسیر کی ابتدا اِن الفاظ سے ہوتی ہے :۔

الحمد للہ الذی انزل علی عبدہ الکتاب شفاء ورحمۃ بشیراً ونذیراً وصلی اللہ علی سیدنا ومولانا محمد ؐ اللہ

---

(۱) سورہ بقرہ آیت ۱۷۳

وصحبہ وسلم تسلیماً کثیراً کثیراً۔"

آخری آیت جس کی تفسیر اس کتاب میں ہے وہ یہ ہے۔

" ستجدون آخرین یریدون ان یامنوکم ویامنوا قومھم

(سورۃ نساء رکوع ۹)

عبارت بے ربط طریقے سے ان الفاظ پر ختم ہوتی ہے۔

کلما ردوا الی الفتنۃ دعوا الی الشرک ارکسوا فیھا

تفسیر مظہری

قاضی ثناء اللہ پانی پتی متوفی ۱۲۲۵ھ

قاضی ثناء اللہ شیخ جلال الدین عثمانی کی اولاد میں سے تھے۔ اپنے دور کے بہت اہم عالم، متقی اور پرہیزگار تھے۔ سلسلۂ نسب حضرت عثمان بن عفان تک پہنچتا ہے۔ ان کی پیدائش پانی پت میں ہوئی۔ قرآن مجید حفظ کیا اور اپنے شہر کے علما سے تھوڑے عرصے تک عربی کی تعلیم حاصل کرتے رہے۔ اس کے بعد دہلی گئے اور شاہ ولی اللہ سے کسبِ علم کیا۔ حدیث کی سند لی۔ اٹھارہ سال کی عمر میں فراغت حاصل کی پھر شیخ عابد سنامی کے حلقۂ درس میں شامل ہوئے ان سے طریقت کی تعلیم لی اور فنائے قلب کی منزلیں طے کیں۔ اس کے بعد مرزا مظہر جانِ جاناں کی خدمت میں حاضر ہوئے اور طریقۂ مجددیہ کے آخری مراحل طے کیے۔ مرزا مظہر جانِ جاناں کو اُن سے بہت تعلق تھا۔ انھوں نے آپ کو علم الہدیٰ کے لقب سے نوازا تھا وہ کہا کرتے تھے کہ ان کی عظمت و ہیبت میرے دل پر چھا گئی ہے ان میں ملکوتی صفات موجود ہیں۔ ان کی دیانت داری اور تقویٰ قابلِ ذکر ہے۔ یہ بھی کہتے تھے کہ جب اللہ تعالیٰ مجھ سے ہدیہ طلب کرے گا تو میں ان کو اس کی خدمت میں پیش کردوں گا۔ شاہ عبدالعزیز دہلوی نے آپ کو بیہقیِ وقت کا لقب دیا تھا جو آپ کے علم و فضل کے عین مطابق تھا۔

اپنے دور میں تقویٰ اور دیانت داری میں منفرد تھے۔ عبادت و ریاضت میں اُن کی مثال مشکل سے ملے گی روزانہ قرآن کریم کی ایک منزل اور سو رکعتیں نماز، مراقبہ اور ذکر و فکر کی مشغولیتوں کے ساتھ ساتھ پڑھتے تھے۔ اِس کے علاوہ درس و تدریس، مقدمات کے فیصلے اور لکھنے پڑھنے کا کام بھی کرتے رہتے تھے۔ ان کی تصانیف میں تفسیر مظہری، مالا بُدّ منہ، السیف المسلول، ارشاد الطالبین تذکرۃ المعاد حقیقۃ الاسلام وغیرہ ہیں (۱)

قاضی ثناء اللہ صاحب کو ایک ایسی مکمل تفسیر کی ضرورت محسوس ہوئی جس میں الفاظ کی تشریح اور معانی و مطالب کی وضاحت کے علاوہ احکام و عقائد کے بارے میں زیادہ وضاحت سے لکھا جائے۔ عام طور سے اُن کے زمانے تک عربی زبان میں جو تفسیریں رائج تھیں وہ زیادہ تر شوافع کی لکھی ہوئی تھی۔ بیضاوی اپنے دقیق اسلوب اور علمی نکات کی وجہ سے درس میں داخل تھی۔ لیکن بیضاوی میں عبارت کا اختصار رمز و اشارے کی حد تک پہنچ جاتا ہے۔ مصنف چوں کہ مذہباً شافعی ہیں اِس لیے فقہی مباحث میں حنفیوں کے نقطۂ نظر کی وضاحت نہیں ہوتی۔ ہندوستان کے باشندے زیادہ تر حنفی مذہب سے تعلق رکھتے ہیں اِس لیے طلبا کو اِس کے مطالعے میں بڑی اُلجھنیں ہوتی ہیں۔ قاضی صاحب نے انھیں حالات کے پیشِ نظر قرآن مجید کی مفصل تفسیر دس جلدوں میں لکھی۔ اور اپنے پیرو مرشد حضرت مرزا مظہر جان جاناں کے نام پر تفسیر مظہری اس کا نام رکھا اِس کتاب میں اُنھوں نے ضروری تفسیر کے ساتھ مسائل کی تشریح میں حنفیوں کے نقطۂ نظر کو مدلّل طور پر پیش کیا ہے۔

---

(۱) نزہتہ ج ۷ ص ۱۱۳

پہلی جلد سورۂ الحمد سے سورۂ بقرہ تک ہے۔ دوسری آل عمران سے سورۃ النساء تک، تیسری سورۃ المائدہ سے سورۃ الاعراف تک۔ چوتھی سورۃ الانفال سے سورۃ التوبہ تک۔ پانچویں سورۂ یونس سے سورۃ الاسراء تک، چھٹی سورۃ الکہف سے سورۃ النور تک، ساتویں سورۃ الفرقان سے سورۃ الاحزاب تک، آٹھویں سورۃ السباء سے سورۂ محمد تک، نویں سورۃ الفتح سے سورۃ التحریم تک، دسویں سورۃ الملک سے سورۃ النّاس تک، ہر جلد کے شروع میں اُس حصے سے متعلقہ مضامین اور مسائل کی تفصیلی فہرست ہے۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی تفسیر سے کتاب شروع ہوتی ہے۔ پہلے یہ بیان کیا ہے کہ سورۂ فاتحہ اور اُس کے دوسرے نام کیا ہیں اور کس وجہ سے ہیں۔

پھر یہ بحث کی ہے کہ بسم اللہ سورۂ فاتحہ کی آیت ہے یا علیحدہ ہے۔ پھر اس سے جو فقہی مسائل پیدا ہوتے ہیں اُن کا ذکر کیا ہے اور حنفیوں کے مسلک کی تائید میں احادیث نقل کی ہیں۔ اختلاف قرأت سے بھی بڑی دلچسپی کی باتیں اور مختلف قاریوں کے طرزِ قرأت کا ذکر کیا ہے۔

کہیں کہیں صوفیانہ اصطلاحات کی جانب بھی اشارے ہیں مثلاً "ھدی للمتقین" کی تشریح میں مشہور حدیث نقل کی ہے جس میں مشتبہ چیزوں سے بچنے کو پرہیزگاری کی نشانی قرار دیا ہے۔ اس سلسلے میں دل کا ذکر ہے کہ اگر وہ درست ہے تو سارا جسم دُرست ہے اور اگر وہ خراب ہے تو سارا جسم فاسد ہے۔ اس سلسلے میں صوفیانہ اصطلاحات کا ذکر کر دیا ہے۔ فرماتے ہیں:

> حدیث میں جو صلاحِ قلب ذکر کی گئی ہے وہ صوفیا کی اصطلاح میں فنائے قلب کہلاتی ہے اور یہ ولایت کا پہلا درجہ ہے۔
>
> (جلد اول ص ۱۸)

تفسیروں میں بہت سی اسرائیلی روایات داخل ہوگئی ہیں جنھیں قرآن مجید کے قصص کی تشریح میں پیش کیا جاتا ہے۔ قاضی صاحب نے ان روایات کی تردید کی ہے اور ان کی کمزوری واضح کی ہے۔ مثلاً ہاروت و ماروت اور چاہِ بابل کے سلسلے میں جو قصے تفسیروں میں درج ہیں کہ فرشتوں نے انسانی معاصی پر اعتراض کیا اس پر ہاروت ماروت دو فرشتے انسانی جذبات و خواہشات کے ساتھ دنیا میں بھیجے گئے۔ انھوں نے یہاں شراب، زنا، قتل اور شرک کا ارتکاب کیا اور اس کی سزا میں سخت عذاب میں مبتلا ہوئے۔ اس کو نقل کرکے قاضی صاحب لکھتے ہیں۔

"یہ بہت ہی کمزور اور شاذ روایات پر مبنی ہے۔ قرآن مجید میں اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ بعض روایات تو ایسی ہیں کہ عقل و نقل دونوں اس سے انکار کرتی ہیں۔ صحیح کا کیا ذکر ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تو کوئی ضعیف روایت بھی اس بارے میں منقول نہیں ہے۔

یہ ساری باتیں یہودیوں کی افترا کردہ ہیں (جلد اوّل ص ۱۰۷)

موقع کی مناسبت سے بعض صوفیانہ اصطلاحات بھی بیان کی ہیں۔

حنفی نقطۂ نظر کی وضاحت کا اندازہ کرنے کے لیے مندرجہ ذیل اقتباس کافی ہوگا۔

امام شافعی اور امام احمد بخاری کی روایت کے مطابق ذمی کافر کے بدلے میں مسلمان کے قتل کے قائل نہیں ہیں لیکن احناف کافر ذمی کے قتل پر مسلمان کو قصاص میں قتل کرنے کا حکم دیتے ہیں۔ حدیث مذکور میں کافر سے وہ کافر حربی مراد لیتے ہیں۔ صاحب ہدایہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے استدلال کیا ہے۔

(خلاصہ بحث ص ۱۸۱ جلد اوّل)

اس طرح کی متعدد روایات نقل کرنے کے بعد حنفیوں کے مسلک کا ذکر کرتے

ہیں کہ کافر ذمی کو اگر کوئی مسلم قتل کر دے تو اس کے قصاص میں اسے بھی قتل کیا جائے گا۔

" واحل اللہ البیع وحرم الربوا (۱) کی تشریح میں بیع کے بارے میں ضروری مباحث کے بیان کے بعد ربوا کی تشریح کی ہے۔ اس کے بعد اپنی رائے بیان کی ہے۔

اس سلسلے میں ربوا کے تمام مسائل مختلف مذہبوں کے اس بارے میں نظریات اور اس سے متعلق باتوں پر بڑی لمبی تحقیقی بحث کی ہے۔ علماء کے اقوال اور احادیث کے حوالے سب باتوں پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے۔

اسی طرح سے " ولیطوفوا بالبیت العتیق " (۲) کے سلسلے میں لفظ عتیق کی تشریح خاصی تفصیل سے کی ہے۔

اس کے بعد طواف کے بارے میں تفصیل سے مسائل بیان کیے ہیں۔ غرض اسی انداز پر جتنے بھی مسائل قرآن کریم میں ہیں مولانا ثناء اللہ نے ان پر بحث کی ہے اور ائمہ کے اختلافات کو بیان کیا ہے۔ اپنے نقطۂ نظر یعنی حنفی مسلک کو ہر جگہ پیش نظر رکھا ہے۔ مسائل کی توجیہ اور مطالب کی توضیح اس مسلک کو ملحوظ رکھتے ہوئے کی ہے۔

سورتوں اور آیتوں سے جو مسائل نکلتے ہیں اُن کا بھی ذکر کرتے ہیں۔

شانِ نزول اور اس سلسلے میں احادیث واقوال نقل کیے ہیں۔

تفسیر کے خاتمے پر فضائل قرآن کے عنوان سے روایات واقوال سے اس کی فضیلت کا ذکر کیا ہے۔ اُس کا اختتام اِن الفاظ پر ہوتا ہے۔

" والحمد للہ رب العالمین وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین۔

---

(۱) سورۂ بقرہ آیت ۲۷۵ (۲) سورۂ حج آیت ۲۹

فتح البیان فی مقاصد القرآن

نواب صدیق حسن خان قنوجی

نواب صاحب بڑے ذی علم اور صاحب نظر مصنّف تھے۔ قرآن مجید کی تمام اہم تفسیریں قدیم و جدید ان کی نظر کے سامنے تھیں۔ ان کی خواہش ہوئی کہ قدما کی طویل تفسیریں پڑھنی لوگوں کے لیے دشوار ہیں۔ اس لیے ایسی تفسیر لکھی جائے کہ جس میں گزشتہ مفسرین کے خیالات اختصار کے ساتھ آجائیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، صحابۂ کرام، تابعین عظام اور ائمۂ سلف کی تشریحات مناسب ترتیب اور حسنِ سلیقہ کے ساتھ پیش کر دی جائیں۔ مقدمہ میں نواب صاحب نے عہد صحابہ سے لے کر اپنے زمانے تک کے مفسرین کے نقطۂ نظر اور اصولِ تفسیر سے متعارف کرایا ہے۔ روایت اور درایت کا مطلب سمجھایا ہے۔ اس کے ساتھ تفسیر بالرائے کی حقیقت واضح کی ہے اور صحیح طریقۂ کار پیش کیا ہے۔ فرماتے ہیں :۔

اکثر میرے دل میں یہ خیال گزشت کرتا رہا کہ میں تفسیر کی ایک ایسی کتاب لکھوں جو معتبر طور پر روایت و درایت دونوں پر حاوی ہو اور تفسیر بالرائے سے پاک ہو۔ (ص ۱۱ ج ۱)

اس کے بعد اپنے مقصد اور تفسیری نقطۂ نظر کو وضاحت کے ساتھ پیش کیا ہے

امام جلال الدّین سیوطی کی تفسیر درِ منثور روایتی نقطۂ نظر سے خاص طور پر صاحب موصوف کے پیش نظر رہی ہے۔ اس کے ضروری مطالب کے ساتھ دوسری تفسیروں سے مناسب معلومات جمع کر دی ہیں۔ ضعیف روایتوں کے ضعف کی طرف اشارہ کر دیا ہے اور متضاد روایتوں میں ترجیح کی صورتیں بیان کر دی ہیں۔ اعراب کی مشکلات دور کی ہیں۔ قراءت کے اختلافات کا ذکر کیا ہے۔ الغرض روایتی اور درایتی دونوں قسم کی تفسیروں کے بہترین اقتباسات اس کتاب میں اکٹھا کر دئے ہیں۔

اپنے تفسیری نقطۂ نظر کی وضاحت کے بعد قرآن مجید کے فضائل کے متعلق روایتیں نقل کی ہیں۔ اس کے بعد سورۂ فاتحہ کی تفسیر سے کتاب کا آغاز کیا ہے الفاظ کے معانی، بیان قراءت، اسباب نزول، مسائل فقہ، فقہا کے اجتہادات غرض تمام پہلوؤں کا لحاظ رکھا گیا ہے۔

حروفِ مقطعات کے سلسلے میں دوسرے مفسرین کی طرح مختلف اقوال نقل کیے ہیں۔ لیکن آخر میں یہی کہا ہے کہ اگر کسی کو سلامتی رائے مطلوب ہے اور ائمۂ سلف کی اقتدا کرنا چاہتا ہے تو اسے اس بارے میں کوئی رائے نہیں دینی چاہیے بلکہ صرف اس اعتراف پر اکتفا کرنا چاہیئے کہ ان حروف کے نازل کرنے میں اللہ تعالیٰ کی کوئی حکمت پوشیدہ ہے جس تک ہماری عقلیں نہیں پہنچ سکتیں۔

"وان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا فاتوا بسورۃ من مثلہ (۱)" کی تفسیر میں قرآن مجید کے اعجاز کے بارے میں اختصار و جامعیت کے ساتھ ضروری باتیں بیان کر دی ہیں۔ اس سلسلے میں قرآن کریم کے لفظ "ولن تفعلوا (۲)" کے تحت لکھا ہے کہ یہ قرآن مجید کی پیشین گوئی ہے۔ ایام نبوت اور اس کے بعد آج تک مخالفین قرآن کے مقابلے میں کچھ پیش نہ کر سکے۔

---

(۱) سورۂ بقرہ آیت ۲۳ (۲) ایضاً آیت ۲۴

بعض آیات کی تشریح میں یہودیوں کی پھیلائی ہوئی غلط روایات تفسیروں میں نقل ہو گئی ہیں۔ اس قسم کی آیتوں کی تفسیر میں نواب صاحب نے غلط بیانیوں کی تردید کی ہے اور معاملے کی صحیح صورتِ حال واضح کی ہے۔ جنت ارم یا بہشت شدّاد اسی قسم کی غلط روایات میں سے ہے۔ موصوف نے " الم تر کیف فعل ربک بعاد ارم ذات العماد التی لم یخلق مثلها فی البلاد (۱)" کی تفسیر میں بیان کیا ہے کہ یہاں ارم سے مُراد بہشتِ شداد نہیں ہے بلکہ ارم عاد کے دادا کا نام ہے۔ عاد کی وضاحت کے لیے ارم کا ذکر کر دیا ہے تاکہ یہ پتہ چل جائے کہ عاد سے مُراد وہ قوم عاد ہے جو ارم کی اُولاد ہے " ذات العماد " سے کسی مخصوص عمارت کی طرف اشارہ نہیں ہے بلکہ اُن کی قوت و قدرت کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی وہ لوگ ایسے صاحبِ قوت تھے کہ اُن کی مانند کوئی قبیلہ نہیں ہوا ہے۔ اس سلسلے میں ائمۂ لغت و تفسیر کے بیانات نقل کیئے ہیں۔ " عمید القوم " سے مُراد سردارِ قوم ہوتا ہے۔ یہ بھی مفہوم ہو سکتا ہے کہ وہ بڑی بڑی عالی شان عمارتیں بناتے تھے۔ بہشت شدّاد کا قصّہ سرتاپا غلط ہے۔ فرماتے ہیں۔

"یہ جھوٹ در جھوٹ اور افتراء در افتراء ہے۔"

اس کے بعد اپنی تائید میں محدّث شوکانی، حافظ ابن کثیر، شیخ الاسلام نجم الدین محمد الغیطی اور ابن خلدون وغیرہ محققین کے بیانات نقل کیے ہیں۔ لکھا ہے کہ :۔

"یہ سب کی سب اسرائیلی خرافات اور زنادقہ کی گھڑی ہوئی باتیں ہیں۔"

ص ۲۶۵ ج ۱۰ (سورۃ والفجر)

---

(۱) سورۃ الفجر آیۃ ۶-۷-۸

تفسیر القرآن بکلام الرّحمٰن

مولانا ثناءاللہ امرتسری

قرآن مجید کی بہت سی تفسیریں علماء نے مختلف انداز پر لکھی ہیں۔ بعض لوگوں نے شرح میں اپنی عقل اور اپنے علم کا استعمال کیا ہے۔ بعض لوگوں نے دوسروں کی رائے اور خیالات سے فائدہ اُٹھایا ہے اور کچھ ایسے بھی ہیں جو کلام اللہ کی تفسیر خود آیاتِ ربّانی سے کرگئے ہیں۔

مولانا ثناءاللہ امرتسری دورِ جدید کے اہم علماء میں سے تھے۔ اپنے خیالات کے اعتبار سے زبردست اہلِ حدیث تھے۔ بہت بڑے مناظر تھے۔ بڑے بڑے مباحثوں میں حصّہ لیا اور کامیاب ہوئے۔ اُن کے بہت سے علمی کارناموں میں اُن کی یہ تفسیر ایک خاص اہمیّت رکھتی ہے۔ اُنھوں نے پوری کوشش کی ہے کہ قرآن کریم کی آیتوں کی تفسیر اسی سے کریں۔ اس سلسلے میں انھوں نے قرآن مجید کا گہرا مطالعہ کیا اور یکساں مفہوم والی آیتوں سے مطلب بیان کیا ہے۔

یہ کام ویسے تو بہت آسان معلوم ہوتا ہے لیکن درحقیقت کافی مشکل ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ سارے قرآن مجید کو پورے غور وخوض سے پڑھا گیا ہو اور آیتوں کا ربط ایک دوسرے سے اچھی طرح سمجھ لیا گیا ہو کیوں کہ

اس کے بغیر ادائیگی مفہوم ممکن نہیں۔ ویسے تو قرآن کی تفسیر قرآن ہی کے ذریعے کرنا بہت اچھا اور کارِ ثواب ہے۔ لیکن اس طرز کو اختیار کرکے مکمل تفسیر اور تشریح ذرا مشکل ہے۔ خصوصًا احکام اور مسائل کی آیتوں کو اس طرح واضح کرنا کہ ان سے پڑھنے والوں کے ذہن میں پوری بات آجائے اور مسئلہ سمجھ لے یہ کام بغیر احادیث اور عقلی دلائل کے تقریبًا ناممکن ہے۔

جب یہ تفسیر شائع ہوئی تو کچھ علماء نے اس پر بہت سے اعتراضات کیے اور اس کی رد میں ایک رسالہ "اربعین" کے نام سے شائع ہوا۔ جس میں اس تفسیر میں چالیس جگہوں پر سخت قسم کے اعتراضات تھے۔ جب ۱۳۴۴ھ میں مولانا ثناء اللہ صاحب حج کرنے گیے تو ان مخالفین نے وہاں بھی اپنی کتاب کی اشاعت کی اور اُن کو بدعتی قرار دیا۔ بالآخر عبدالعزیز بن سعود شاہ عرب کو اس مسئلے کے حل کرنے کے لیے علما کی ایک مجلس قائم کرنی پڑی۔ (۱)

جیسا کہ اُوپر لکھا جا چکا ہے کہ اس قسم کی تفسیریں بہت سی باتوں کی وضاحت پوری طرح سے نہیں ہو پاتی ہے۔ اس میں بھی بعض ایسے مسائل ہیں جو واضح نہیں ہو سکے ہیں: مصنف نے ان کی مزید تشریح و توضیح کے لیے حاشیے پر احادیث لکھی ہیں یا بعض جگہوں پر دوسری کتابوں کا حوالہ دیا ہے۔ اسی طرح سے اختلافی مسائل کو بھی حاشیے پر بیان کر دیا ہے۔ کہیں کہیں پر اپنی رائے لکھی ہے اور کہیں پڑھنے والے پر فیصلہ چھوڑ دیا ہے۔

بعض مسائل پر بحثیں کافی لمبی ہیں "استوی علی العرش" کی توضیح میں کافی تفصیل سے کام لیا ہے۔ یہی وہ مسئلہ ہے جس پر ممالک عربیہ میں لوگوں

---

(۱) ملاحظہ ہو اس تفسیر کا مقدمہ

نے اِن سے اختلاف کیا تھا۔

حروفِ مقطعات کے سلسلے میں بعض مفسرین تو صاف یہ کہہ دیتے ہیں کہ ان کا علم سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو نہیں۔ لیکن بعض اپنے اندازے سے کچھ معنی بیان کرتے ہیں۔ مولانا نے بھی ان حروف سے مطالب اخذ کیے ہیں" آلمر" کی تشریح یوں کی ہے :-

"میں اللہ ہوں، زیادہ جاننے والا ہوں" کا مختصر ہے۔"

کھیعص سے یہ مفہوم نکلتا ہے

"میں الکافی، الہادی، الامین، العالم اور الصادق ہوں۔"

آیتوں کی تفسیر اِس انداز پر کی ہے کہ اِس مفہوم کی یا اس سے مشابہ دوسری آیتیں نقل کر دی ہیں لیکن تشریح و وضاحت کے نہ ہونے کی وجہ سے بعض جگہ مطلب اچھی طرح واضح نہیں ہو پایا ہے۔

دوسرا باب

الفتح القدسی فی تفسیر آیۃ الکرسی

ابوبکر محی الدین عبدالقادر ولادت ۹۷۸ھ وفات ۱۰۳۸ھ

شیخ عبدالقادر بن شیخ بن عبداللہ السیّد روس احمد آباد میں ۹۷۸ھ میں پیدا ہوئے۔ اِن کے والد نے اِن کی پیدائش سے پہلے خواب میں اولیاء اللہ کی ایک جماعت کو دیکھا تھا جن میں شیخ عبدالقادر جیلانی (۱) اور شیخ ابوبکر عیدروس (۲) بھی تھے۔ اِس وجہ سے اُنھوں نے اپنے لڑکے کا نام عبدالقادر رکھا اور کُنیت ابوبکر اور لقب محی الدّین۔ قرآن مجید کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد تحصیلِ علوم میں لگ گیے اور بہت سے علوم و فنون حاصل کیے۔ اپنے دور کے علمائے سے طریقت کی تعلیم حاصل کی اور خود بہت سے لوگوں کو خرقہ پہنایا۔ عمدہ عمدہ کتابیں جمع کیں اور لوگوں کو اپنے علم سے بہت فائدہ پہنچایا۔ علما و امرا دونوں ہی طبقوں میں ان کی بڑی عزّت تھی۔

ان کی تصانیف میں الفتوحات القدسیہ فی الخرقۃ العیدروسیہ، الحدائق الخضرۃ فی سیرۃ النبی صلعم و اصحابہ العشرۃ جسے اُنھوں نے تقریبًا بیس سال کی

---

(۱) متوفی ۵۶۱ھ الاعلام ص ۱۷۱ ج ۴ (۲) متوفی ۹۱۴ھ الاعلام ص ۱۴ ج ۲

عمر میں لکھا۔ یہ اُن کی پہلی تصنیف تھی۔) کتاب المنہاج الی معرفتہ المعراج، اسباب النجاۃ، منح الباری بختم صحیح البخاری، النور السافر فی اخبار القرن العاشر، اشعار کا ایک دیوان اور آیتہ الکرسی کی تفسیر الفتح القدسی کے نام سے ہیں۔ ان کی وفات ۱۰۳۸ھ میں احمد آباد میں ہوئی۔ (۱)

یہ تفسیر کلکتہ میں بہار لائبریری میں موجود ہے (۲) فہرست میں یہ مجموعۃ الرسائل کے نام سے ہے۔ مجموعۃ الرسائل چار مختصر رسالوں پر مشتمل ہے۔ شروع کے تین رسالے تصوف سے متعلق ہیں چوتھا رسالہ آیتہ الکرسی (۳) کی تفسیر ہے۔ ابو بکر محی الدین عبد القادر بڑے صوفی بزرگ تھے۔ اِس آیت کی تفسیر انھوں نے خاصی تفصیل سے تقریباً دس صفحوں میں کی ہے۔ ابتدا ان الفاظ سے ہوتی ہے۔

"الحمد للملك الذی تفرد فی نعوت جلاله واظهر دین الاسلام علی الدین کله"

اِس کے بعد اُنھوں نے خود اپنی اِس تصنیف کا مقصد یہ بیان کیا ہے کہ احادیث صحیحہ اور دلائل صریحہ کے ذریعہ آیتہ الکرسی کے فضائل بیان کرنا پیش نظر ہے ساتھ ساتھ معتبر تفسیروں کی روشنی اور بلند مجالس و محافل کی سنی ہوئی روایات کی بنیاد پر معانی و مطالب بھی بیان کیے ہیں۔

مصنف نے اِس کتاب کو وزیر نواب مرزا شمس الدین کے نام معنون کیا ہے۔ اس کے بعد وزیر موصوف کی مدح میں ۹ اشعار لکھے ہیں۔ پھر استحکام سلطنت کی دُعائیں مانگنے کے بعد تفسیر شروع کی ہے۔ آیتہ الکرسی کی اہمیت اور اُس کی

---

(۱) نزہتہ ۲۳۵/۵ حدائق الحنفیہ ص ۴۰۲ (۲) نمبر ۴۵۷

(۳) سورۂ بقرہ آیت ۲۵۵

عظمت بیان کی ہے۔

اِس سلسلے میں بھی بہت سی احادیث نقل کی ہیں اور اُس کی فضیلت و اہمیت کو ثابت کیا ہے۔

تفسیر کرتے ہوئے لفظی بحثوں کو بھی بیان کرتے ہیں۔ اس کے وہ معنی بھی بیان کیے ہیں جو صوفیائے کرام نکالتے ہیں۔

اِس کے بعد اللہ تعالیٰ کے ایک ہونے کی بحث کی ہے اور اِسے ثابت کیا ہے۔ لکھتے ہیں کہ اللہ کو تمام صفات سے متّصف اور ہر اعتبار سے کامل ہونا چاہیے اِس میں کسی قسم کی کمی نہ ہونی چاہیے۔ اب اگر دو خدا تسلیم کر لیے جائیں تو اُن کے کاموں میں اختلاف پیدا ہوگا۔ جب ایک ہی کامل خدا موجود ہے جو ایجادِ عالم اور تدبیر عالم کرتا رہتا ہے تو پھر دوسرے کا وجود بے کار محض ہے۔ اِس سلسلے میں اور بھی دلائل دئے ہیں اور لکھا ہے کہ توحید مسلّم ہے۔ اِسی طرح سے پوری آیت کی تفسیر کی ہے اور ہر جگہ لغوی بحثوں کے ساتھ ساتھ صوفیانہ انداز بھی باقی رکھا ہے اور اِس نقطۂ نظر سے بھی توضیح کی ہے۔

یہ نسخہ خطِ نسخ میں ہے۔ قرآن کریم کی آیات سُرخ روشنائی سے لکھی گئی ہیں اس میں کوئی تاریخ وغیرہ درج نہیں ہے جس سے اندازہ ہو سکے کہ کس دور میں اس کی کتابت ہوئی اور کس نے کی۔ اِس کا بس یہی نسخہ ملتا ہے کسی دوسرے کا پتہ نہیں چل سکا۔ اِس رسالے کا خاتمہ اِن الفاظ پر ہوتا ہے:

"ان شرح هذه الآية العظيمة يضيق عنه المجلدات والله سبحانه اعلم بما ينزل نافهم فتهك الله عنه بلاواسطة بمنة وكرمه آمين"

تیسیر التفسیر

ابن امیر قاسم الجیلانی محمد ہاشم الحسینی ۱۰۶۱ ھ

محمد ہاشم حسینی نے مرزا ابراہیم ہمدانی اور نصیر الدین شیرازی سے کسب فیض کیا۔ فقہ، حدیث اور عربی زبان کی تعلیم میں شیخ محمد عربی۔ شیخ عبدالرحیم حسانی اور علامہ عصام الدین اسفرائنی سے حاصل کی۔ بارہ سال تک حرمین شریفین میں رہتے پھر ہندوستان آئے۔ ریاضی اور طب شیخ علی گیلانی سے سیکھا اور احمد آباد میں مقیم ہوئے۔ تھوڑے ہی عرصے بعد اُن کی شہرت دُور دُور تک پھیل گئی تو شاہ جہاں کے دور میں احمد آباد میں صدارت کا عہدہ اُن کے سپرد ہوا۔ شاہ جہاں نے اپنے لڑکے اورنگ زیب کا معلم بھی مقرر کیا۔ حاشیہ علی تحریر اقلیدس اور تعلیقہ بیضاوی ان کی مشہور کتابیں ہیں۔ اسّی سال کی عمر میں احمد آباد میں انتقال ہوا (۱) ایشیاٹک سوسائٹی بنگال میں ان کی تصنیف تیسیر التفسیر کا قلمی نسخہ موجود ہے (۲) اس میں ۱۷۳ اوراق ہیں۔ کتاب کے پہلے صفحے پر بہت سی مہریں ہیں جن میں سے نصرت جنگ اور محمد شاہ بادشاہ غازی کی مہریں پڑھی جاتی ہیں۔ محمد شاہ کی مہر ۱۱۳۶ھ کی ہے۔ شروع کے دو صفحے خوب صورت سنہرے

---

(۱) نزہۃ ج ۵ ص ۳۹۵

(۲) نمبر ۲۶۶

حواشی کے بیچ میں لکھے ہیں۔ شروع میں دیباچہ کے انداز پر ایک کافی طویل مضمون لکھا ہے جس میں تفسیروں مثلاً بیضاوی، کشاف، تفسیر کبیر، تفسیر نیشاپوری وغیرہ کا ذکر ہے۔ اُنھوں نے اپنے پیشِ نظر یہ رکھا ہے کہ بیضاوی کی مشکل عبارتوں کی توضیح اور کشاف کے مسائل کی تفصیل و تشریح کریں گے۔ اُنھوں نے اس پر عمل بھی کیا ہے۔ اور بہت ہی تفصیلی انداز اختیار کیا ہے جس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ تقریباً ساڑھے تین سو صفحات محض سورۃ الفاتحہ کی توضیح میں لکھے گئے۔ اس کے بعد اُنھوں نے اُس کو مکمل کیا یا نہیں اس کا پتہ نہیں چلتا ہے۔

اُنھوں نے اپنی اِس تصنیف کو شاہ جہاں کے نام سے منسوب کیا ہے اور بادشاہ کو فخرِ خلائق، حسامِ قاطع، شہابِ ساطع، عالی منزلت و رفیع الشان کہا ہے۔

اِس کتاب کی ابتدا اِن الفاظ سے ہوتی ہے:

"الحمد للہ کشاف ظلم الغوایۃ بانوار تنزیل الھدایۃ"

مصنف نے اپنے طویل مقدمے میں بہت سی باتوں کا ذکر کیا ہے۔ مثلاً یہ کہ قرآن مجید کو لوگ کتنی طرح سے پڑھتے ہیں۔ اِس سلسلے میں مشہور قراۃ کون کون سی ہیں۔ قاریوں کے نام اور اِس سلسلے کے ائمہ اور مشہور لوگوں کا ذکر بھی کر دیا ہے۔ استعاذہ کی اہمیت کیا ہے اور اِس کے لیے سب سے بہتر الفاظ کون سے ہیں، احادیث و اقوال سے ثابت کیا ہے۔ اِس سلسلے میں چودہ روایتیں ہیں اور اِن میں سب سے بہتر اِس کو کہا جاتا ہے۔

"اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطان الرجیم"

قرآن کے جمع و ترتیب کی ضرورت کیوں پیش آئی اِس کو بھی بالتفصیل بیان کیا ہے۔ جنگ یمامہ میں حفاظ کی شہادت اِس کا سبب بنی۔ قرآن مجید کی سورتوں

کی تعداد میں بہت سے لوگوں کو اختلاف ہے ویسے تو اس میں ایک سو چودہ سورتیں ہیں مگر بعض لوگ کچھ سورتوں کو دُعا قرار دیتے ہیں اور بعض کچھ دعاؤں کو سورہ کا درجہ دیتے ہیں نیز بعض لوگ دو سورتوں کو ایک ہی تسلیم کرتے ہیں اور بعض الگ الگ۔ اِس طرح سے جو اختلافات پیدا ہو گئے ہیں اُن کو بیان کیا ہے۔ قرآن کریم کے بہت سے نام خود کلام اللہ میں استعمال ہوئے ہیں اُن کی تعداد چھیاسٹھ ۶۶ ہے۔ بہت سے نام بھی اُنھوں نے مثال میں لکھے ہیں مکّی و مدنی آیتوں کی توضیح کی ہے۔ ناسخ و منسوخ کا ذکر کیا ہے تفسیر و تاویل کی لفظی تشریح کی ہے اور اعجازِ قرآن کا ذکر کیا ہے۔ اِس کے بعد سورۃ الفاتحہ کی تفسیر بیان کی ہے جو بہت مفصّل ہے۔ اِس میں اُنھوں نے یہ طرز اختیار کیا ہے کہ لفظی تشریح و تحقیق بیان کرتے ہیں۔ اِس کے بعد اُس کے مفہوم سے بحث کرتے ہیں۔ اِس میں زیادہ تر فلسفیانہ رنگ ہے دوسرے مفسّرین بالخصوص کشاف اور بیضاوی کی بیان کی ہوئی باتوں کی طرف بھی اشارہ کرتے ہیں۔

ایسا لگتا ہے کہ اِس کو لکھتے وقت محض بہت زیادہ پڑھا لکھا طبقہ مصنّف کے سامنے رہا ہے۔ بحثیں اتنی لمبی ہیں کہ طوالت کے خوف سے مثال کے طور پر بھی نقل نہیں کی جا سکتی ہیں۔ کتاب کا خاتمہ اِن الفاظ پر ہوتا ہے:

"الحمد للہ رب العالمین علی اختتام فاتحۃ الکتاب ونستعین بہ ونسألہ علی الاتمام ببرکۃ سید الانام وآلہ الکرام العظام علیہ وعلیہم افضل الصلوٰۃ والسلام"

تفسیر القرآن

ملا شاہ محمد بدخشی وفات ۱۰۷۲ھ

شاہ محمد بن ملا عبدی حنفی صوفی جن کی شہرت ملا شاہ کے نام سے ہوئی بدخشاں کی ایک بستی ارکسال میں پیدا ہوئے پھر ہندوستان آئے اور شیخ محمد میر لاہوری سے کسب فیض کیا۔ شیخ کی وفات کے بعد کشمیر گئے اور جبل سلیمان پر ایک مسجد اور خانقاہ بنوائی (۱) اور وہیں رہنے لگے۔ عمل صالح (۲) میں لکھا ہے کہ وہ ۱۰۲۳ھ میں ہندوستان آئے۔ شیخ محمد میر کے ساتھ مدت تک رہے۔ پھر شیخ کی زندگی ہی میں کشمیر چلے گئے۔ پھر ان کی عادت ہوگئی کہ وہ گرمی کا موسم کشمیر میں گزارتے اور سردی میں لاہور میں رہتے۔ ریاض الشعراء میں ہے کہ شاہ جہاں ان سے ملتا تھا اور ان کی گفتگو سے محظوظ ہوتا تھا۔ شاہ جہاں کا بیٹا دارا شکوہ اور بیٹی جہاں آرا ان کے مرید تھے۔ بڑے عارف و متقی بزرگ تھے۔ حقائق و معارف سے متعلق ان کی چند تصانیف ہیں۔ انھوں نے قرآن کریم کی ایک تفسیر لکھی جو مکمل نہ ہوسکی اور وہ تفسیر عجیب و غریب ہے۔ اس میں انھوں نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول "ختم اللہ علی قلوبھم وعلی سمعھم الخ (۳) اولیاء اللہ کے بارے میں ہے

---

(۱) نزہتہ ج ۵ ص ۱۶۴ (۲) ج ۳ ص ۳۷۰

(۳) سورہ بقرہ آیت ۷

مطلب یہ ہے کہ اللہ نے اولیاء کے دلوں پر مہر لگا دی ہے تاکہ اس میں شیطانی خیالات اور نفسانی وسوسے داخل نہ ہو سکیں۔

اس کی اتنی ہی عبارت صرف نزہۃ الخواطر ص ۱۶۴ جلد ۵ میں ملتی ہے۔ کہیں اور اگر یہ تفسیر مل جاتی تو اندازہ ہوتا کہ اور کون سی انوکھی اور نئی باتیں پیش کی ہیں۔ اس آیت کی یہ تفسیر محض ان کے یہاں ملتی ہے کسی اور مفسر نے یہ معنی نہیں بیان کیے ہیں اور نہ ہی اس قسم کی توجیہ کی ہے۔ اگر یہ تفسیر مکمل ہو گئی ہوتی تو واقعی عجیب و غریب ہوتی اور بہت سے نئے اندازِ بیان اور طرزِ فکر سامنے آتے۔ ۱۰۷۲ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ (۱)

---

(۱) نزہتہ ج ۵ ص ۱۶۴

تفسیر سورۃ الفاتحہ

محمد نور الحق بن انوار الحق دہلوی

ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کی لائبریری میں موجود ہے(۱) اس میں ۲۵ اوراق ہیں۔ کتاب کی ابتدا اس طرح ہوتی ہے:

"الحمد للہ الذی نزل القرآن ھدی ورحمۃ للعالمین وجعلہ شفاء ومنجیا للمومنین"

اس کے بعد انھوں نے اپنی تصنیف کی وجہ یہ لکھی ہے:۔

"میں نے معقولات میں کمال حاصل کرنے کے بعد قرآن مجید کے اسرار اور تفسیری باریکیوں پر نظر ڈالی اور خدا کی مدد سے ان دقائق کے بیان میں کامیابی حاصل ہوئی جو اصحاب نظر اور ارباب دقائق سے پوشیدہ رہے تھے۔ پس اس میں سے سورۂ فاتحہ کے اسرار جمع کیے ہیں۔"

اس کے بعد انھوں نے مسائل سے بحث کی ہے مثلاً استعاذہ کی مذہبی حیثیت کیا ہے یعنی یہ کہ اسے کس وقت پڑھنا لازمی ہے اور کس وقت نہیں۔ نماز میں اس کو

---

(۱) نمبر ۱۰۷

پڑھا جاسکتا ہے یا نہیں۔ ائمہ کے اقوال اس سلسلے میں نقل کیے ہیں۔ احادیث کے حوالے بھی دے ہیں۔ انھوں نے اپنی اس کتاب میں الفاظ کی تشریح و تفسیر اچھی طرح سے بیان کی ہے اور مطالب و مفہوم سے بحث کی ہے۔ الحمد کے زمانۂ نزول میں بھی اختلاف ہے بعض لوگ اسے مکی قرار دیتے ہیں اور بعض مدنی اس سلسلے کی بھی جو روایات و اختلافات ہیں اُن کو پیش کیا ہے۔ اس کے بعد بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی فضیلتوں کا ذکر کیا ہے اور اس کی اہمیت اور برکتوں کو بیان کیا ہے۔ یہاں بھی روایات و اقوال سے کام لیا ہے۔

اس کتاب میں انھوں نے مفصل طریقے پر ہر ہر لفظ کی تشریح کی ہے۔ ساتھ ہی گرامر اور فنی اختلافات کی بھی توضیح کرتے گیے ہیں۔ کسی لفظ کو اگر مختلف لوگ مختلف طرح سے پڑھتے ہیں تو اس کو بھی ظاہر کردیا ہے ان کا انداز یہ ہے کہ پہلے آیت لکھتے ہیں پھر اس کی تلاوت کس طرح کی جاتی ہے یہ بیان کرتے ہیں اس کے بعد الفاظ کی لغوی تشریح کرتے ہیں اور آخر میں مطلب بیان کرتے ہیں اور جتنے مسائل بھی اس سے متعلق ہوسکتے ہیں سب کو بیان کردیتے ہیں۔ ان کا انداز بیان کچھ فلسفیانہ ہوگیا ہے جس کو سیدھے سادے معانی و مطالب کی ضرورت ہے اس کے لیے اس کتاب میں بڑی الجھن ہوگی۔

سورۃ الحمد کے بعد انھوں نے سورۃ البقرۃ کو بھی شروع کیا تھا مگر "ھدی للمتقین" سے آگے نہیں بڑھ سکے۔ یہ نسخہ اگرچہ کرم خوردہ ہے لیکن آسانی سے پڑھا جاسکتا ہے۔

خاتمے کی عبارت یہ ہے۔

والمراد من الکامل الکامل فی الھدایۃ بدلیل قولہ ھدی للمتقین لا ریب فیہ "

تفسیر سورۃ الفاتحہ

عبداللہ بن عبدالحکیم سیالکوٹی ۱۰۹۲ھ

ملا عبداللہ (۱) بن عبدالحکیم نے سورۃ الفاتحہ کی اہمیت کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اس کی تفسیر الگ سے کی ہے۔ رام پور کے کتب خانے میں اس تفسیر کا نسخہ موجود ہے (۲) اس میں ایک سو دو صفحے ہیں۔ اس کی ابتدا ان الفاظ سے ہوتی ہے:۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم الحمد للہ الذی نزل الکتاب بالحق هدی وذکری لاولی الالباب ...."

سورۂ فاتحہ قرآن مجید کی تمام سورتوں میں سب سے اہم ہے اسے ام الکتاب کہا گیا ہے اس پر قرآن کریم کی بنیاد ہے۔ اس سورۃ کے بے شمار فوائد بیان کیے گیے ہیں۔ اس کی اہمیت و عظمت کا ثبوت یہ ہے کہ ہر رکعت نماز میں اس کا پڑھا جانا ضروری قرار دیا گیا ہے بہت سے مفسرین نے اپنی اپنی تفسیروں میں اس کا ذکر کیا ہے اور پورے طور پر اس کی توضیح کی ہے۔ عبداللہ بن عبدالحکیم نے بھی اس کی اہمیت کی وجہ سے یہ ضروری سمجھا کہ اس کی تفسیر اس انداز سے کریں کہ نہ بہت مختصر ہو نہ زیادہ طویل (ورق ۲ ب)

آگے چل کر اس سلسلے میں بہت سے اقوال نقل کیے ہیں اسی میں حسن بصریؒ

---

(۱) حالات کے لئے ملاحظہ ہو نزہتہ ج ۵ ص ۲۵۲ (۲) نمبر ۲۸

کا یہ قول بھی نقل کرتے ہیں کہ جس نے اس سورت کی تفسیر سمجھ لی اس نے تمام
کتب سماوی کو سمجھ لیا۔

سورۃ کی تفسیر بیان کرنے سے پہلے ایک مقدمہ لکھا ہے جس میں علم تفسیر سے بحث
کی ہے (ملاحظہ ہو ورق ۶)

عبداللہ بن عبدالحکیم نے ان اصولوں کو بڑی حد تک اپنی تفسیر میں برقرار رکھا ہے۔
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی تفسیر خاصی مفصل کی ہے۔ ہر لفظ کی الگ الگ تشریح
کی ہے۔ اس کے بعد اس کی فضیلت و اہمیت احادیث و اقوال سے ثابت کی ہے۔
اس کے بعد سورۃ الحمد کی تفسیر شروع کی ہے۔ اس میں بھی تمام آیات کی الگ الگ
توضیح و تشریح کی ہے اور وہی انداز رکھا ہے جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے
اس سورۃ سے متعلق تمام ضروری باتوں پر تفصیل سے بحث کی ہے۔ بعض باتوں
کو حاشیہ پر بھی بیان کر دیا ہے۔ کتاب اس عبارت پر ختم ہوتی ہے۔

"تمت الکتاب بعون الملک الوھاب"

انوار الفرقان و ازہار القرآن

شیخ غلام نقش بند لکھنوی ولادت ۱۰۵۱ھ وفات ۱۱۲۶ھ

لکھنؤ کے رہنے والے تھے۔ میر محمد شفیع دہلوی (۱) اور پیر محمد لکھنوی کے شاگرد تھے۔ شیخ پیر محمد کے انتقال پر آپ اُن کے خلیفہ ہوئے۔ شاہ عالم ابن عالم گیر نے اِن سے لکھنؤ میں ملاقات کی تھی اور ان کی بہت تعظیم و تکریم کرتا تھا۔ اُن کے دادا حبیب اللہ "گھوسی" (اعظم گڑھ کے قریب ایک قصبہ ہے) میں قاضی تھے۔ شیخ غلام نقش بند اپنے دور کے بڑے علما میں سے تھے۔ نحو، لغت اور ایّام عرب اور اُن سے متعلقات نیز اشعار کی پرکھ رکھنے والا اُن کے زمانے میں اُن سے بڑھ کر کوئی اور نہ تھا۔ اٹھارہ سال کی عمر میں میر محمد شفیع سے کسب فیض کرنے کے بعد مولانا پیر محمد کی مجلس میں جا بیٹھے تھے۔ اکیس سال کی عمر میں تمام علوم سیکھ لیے تھے۔ مولانا پیر محمد کے خلیفہ ہونے کے بعد مستقل اپنے فرائض کی ادائیگی میں لگے رہے اور لوگوں کو تعلیم و تربیت دیتے رہے۔ اشعار کی پرکھ کے ساتھ ساتھ خود بھی بڑے اچھے اشعار کہتے تھے۔ انھوں نے انوار الفرقان کے علاوہ سورۂ اعراف، سورۂ مریم، سورۂ طٰہٰ، سورۂ محمد، سورۂ یوسف، سورۂ

---

(۱) متوفی ۱۱۰۹ھ نزہتہ ۶/ ۱۸ ۲

بناء، سورۂ الکوثر، سورۂ اخلاص وغیرہ کی بھی تفسیریں لکھیں اور اُن کی شرحیں بھی کی ہیں۔ افسوس ہے کہ اُن میں سے کسی کا بھی پتہ نہیں چلتا ہے۔ ان کے علاوہ "فرقان الانوار" اللامعۃ العرشیۃ۔ شرح قصیدۃ الخزرجیہ وغیرہ بھی اُن کی تصانیف ہیں۔ (۱)

اِس تفسیر کے چار نسخوں کا پتہ چلتا ہے۔ دو رام پور کی رضا لائبریری میں ہیں۔ ایک پٹنہ کی خدا بخش لائبریری میں اور ایک مدراس کے مکتبۂ رحمانیہ میں۔ رام پور اور پٹنہ کے نسخوں پر سنہ کتابت درج نہیں ہے۔ البتہ مدراس والا نسخہ مصنف کے قلم کا ہے۔ اس پر مصنف علام نقش ہند کی مہر بھی ہے۔ جو ۱۱۲۱ھ کی ہے۔ رام پور کے دونوں نسخے صاف ستھرے ہیں اِن میں سے ایک مکمل ہے (۲) جس میں آٹھ سو تر سٹھ صفحات ہیں دوسرا نامکمل ہے (۳) جس میں چار سو بارہ صفحات ہیں۔ یہ سورۂ بقرہ تک ہے۔ ابتدا کا بھی کچھ حصہ غائب ہے۔ پٹنے والا نسخہ (۴) بڑے سائز پر ہے اس میں تین سو چہتر اوراق ہیں۔ قرآن کریم کی آیات سُرخ روشنائی سے لکھی ہیں۔ کتابت صاف ہے۔ حاشیے پر کہیں کہیں نوٹس ہیں۔ شروع کے چند صفحے کٹے پھٹے ہیں۔ یہ نسخہ بھی مکمل ہے۔

اس تفسیر کی ابتدا اِن الفاظ سے ہوتی ہے۔

"الحمد للّٰہ الذی جعل الفرقان ذرا للهدی دانزلہ رداء للسدی"

یہ تفسیر شروع قرآن مجید سے سورۂ انعام کے آخر تک کی ہے ۱۱۱۰ھ کی تصنیف

---

(۱) مزید حالات کے لیے نزہۃ ۶/۲۱۲، مآثر الکرام دفتر اول ۲۱۳، حدائق الحنفیہ ص ۴۳۵ (۲) مخطوطہ نمبر ۵۴۴
(۳) مخطوطہ نمبر ۵۴۵ (۴) مخطوطہ نمبر ۳۷۷

ہے۔ وہ کس قسم کی تفسیر لکھنا چاہتے تھے پہلے اس کے متعلق لکھا ہے۔

اِس کے بعد تفسیر کی اہمیت اور اُس کی ضرورت کا ذکر کیا ہے پھر سورۂ الحمد کی تفسیر بیان کی ہے۔ اِس سورۃ کے تمام نام الگ الگ لکھے ہیں اور ان کی وجہِ تسمیہ بھی بتائی ہے۔ بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم کی تفسیر خاصی تفصیل سے کی ہے اور حسن بصری، امام شعبی وغیرہ کے حوالے سے حضرت ابوہریرہ، حضرت ابن عباسؓ حضرت ام سلمہ، حضرت ابن مسعود وغیرہ کی روایتیں بسم اللہ کی فضیلت کے سلسلے میں بیان کی ہیں۔

قرآن مجید میں کہیں کہیں پر واقعات سلسلہ وار نہیں بیان کیے گئے ہیں، اُنھوں نے اس کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔ مثلاً سورۂ بقرہ میں حضرت موسیٰ علیہ السّلام اور اُن کی قوم میں گائے کے ذبیحے پر جو گفتگو ہوئی ہے وہ اصل میں ایک مقتول کی شناخت سے متعلق ہے لیکن اس میں ثبوت کے طور پر گائے کے گوشت کے ٹکڑوں کا بولنا ہے جس کا ذکر مقتول کے ذکر سے پہلے آگیا ہے۔ جب موسیٰ علیہ السّلام اپنی قوم سے گائے ذبح کرنے کو کہتے ہیں تو اُن کی قوم کو تعجّب ہوتا ہے۔ مصنّف کا کہنا ہے کہ واقعات آگے پیچھے ہیں۔

اِس کے بعد حضرت ابنِ عباس کی روایت سے پورا واقعہ لکھا ہے۔ تفسیر کے بیچ بیچ میں آیات کی شانِ نزول بھی بیان کرتے ہیں۔

"وماکان لنبی ان یغل (۱)" کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ

یہ احکامِ جہاد میں سے ایک حکم ہے۔"

"غلالہ" کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ وہ ایک قسم کا لباس ہے جو زرہ کے نیچے

---

(۱) سورۂ آلِ عمران آیت ۱۶۱

پہنا جاتا ہے۔ درخت کی جڑ میں جو پانی دیا جاتا ہے اُسے بھی کہتے ہیں۔ روزہ، نماز اور وضو کے مسائل مفصل طور پر لکھے ہیں اور سب پر مکمل بحث کی ہے۔ اپنی باتوں کا ثبوت احادیثِ نبوی اور اقوالِ ائمہ سے پیش کرتے ہیں۔ کسی کسی جگہ پر الفاظ اور گرامر کی بحثیں بھی کی ہیں۔ مگر حتی الامکان اس میں اختصار کو ملحوظ رکھا ہے۔ اصل مقصد قرآن مجید کی تفسیر ہے نہ کہ فنی باریکیوں کا بیان۔ قرآن کریم میں بہت سے واقعات کا ذکر بھی ہے۔ ان کی تفصیل بیان کی ہے۔ ہاروت و ماروت کون تھے۔ طالوت و جالوت کا کیا قصہ ہے۔ یہ سب بھی مفصل طور پر لکھا ہے۔ لیکن ان سب باتوں کے باوجود کوئی ایسی اہم اور نئی بات پیش نہیں کی جو دوسرے اہم مفسرین سے ان کو ممتاز کر سکے۔

پٹنہ والے نسخہ کا اختتام اس عبارت پر ہوتا ہے۔

"تمّ الربع الاول من تفسیر انوار الفرقان وازھار القرآن الاربعاء لثمانی لیالی خلون من شھر رمضان المنسلک فی شھور ... ... علی صاحبھا افضل التحیۃ صلی اللہ علیہ وسلم۔"

رام پور کے مکمل نسخہ کے اختتام کی عبارت یہ ہے۔

"تمالربع الاول من تفسیر انوار الفرقان وازھار القرآن۔ کتبہ محمد التفات مبارز خانی تحریر فی التاریخ ۱۵ شھر ربیع الثانی روز یکشنبہ .... پھر روز بر آمدہ در قصبہ لاھرپور در حویلی متبرکہ مولویصاحب قبلہ علی عظیم الدین خاں باتمام رسید"

شجرۃ الطور فی شرح آیۃ النور

محمد علی بن ابی طالب بن عبداللہ(۱) بن علی نزاہد محا

یہ آٹھ صفحات کا رسالہ ہے جس میں آیت (اللہ نور السموات والارض ... ... واللہ بکل شیئ علیم (سورۂ نور ۲۴ آیت ۳۵) کی تفسیر ہے۔ زبید احمد صاحب نے اسے لا پتہ قرار دیا ہے (۲) لیکن اس کے دو قلمی نسخوں کا پتہ چلتا ہے۔ ایک نسخہ رام پور میں ہے جو ایک مجموعہ میں بنبر ۳ ۵۹ کے تحت شامل ہے۔ دوسرا انڈیا آفس میں ہے (۳)

رام پور والے نسخے کی ابتدا ان الفاظ سے ہوتی ہے۔

" نحمدک یا نور النور ونور ما فوق نور ونصلی علی نبیک المحبور محمد وآلہ فی البطون والظہور ......

انڈیا آفس والا نسخہ " اللہ نور السموات والارض" کی تفسیر ہی سے شروع ہوتا ہے۔

" قال اللہ سبحانہ وتعالی اللہ نور السموات والارض ... واللہ بکل شیئ علیم اللہ نور السموات والارض، ای اللہ ظاہر فی السموات والارض وما فیہما وما بینہما بذاتہ ووجودہ

---

(۱) حالات کے لیے الاعلام ج ۷ ص ۱۸۹ مآثر الکرام دفتر دوم ص ۲۲۵

(۲) زبید صاحب نے اس کا نام کتاب شجرات النور فی شرح آیۃ النور لکھا ہے ا ص ۲۴۷

(۳) Catalogue of Arabic MSS V.II by C.A. Storey No. 1165

خاتمے کی عبارت دونوں نسخوں کی یکساں ہے جس سے مصنف کا پورا نام، سن تصنیف اور مکانِ تصنیف کا پتہ چلتا ہے۔

محمد المشتہر بجلی ابن ابی طالب بن عبداللہ بن علی الزاھدی الجیلانی فی عام الاربعین بعد المائۃ والالف من الھجرۃ المبارکۃ حین اقامتی بمشھد طوس مولائی الرضا علیہ التحیۃ والثناء حامد اللہ وحدہ "

تفسیر سورۃ الفاتحہ

شیخ محمد عاشق بن عبید اللہ پھلتی وفات ۱۱۸۷ھ

ان کا سلسلۂ نسب اکیس واسطوں سے حضرت ابوبکر صدیقؓ تک پہنچتا ہے
بچپن ہی سے ان کو علم سے لگاؤ تھا۔ انھوں نے شاہ ولی اللہ کی صحبت اختیار
کی۔ رشتے میں بھی یہ شاہ صاحب کے پھوپھی زاد بھائی تھے۔ انھوں نے شاہ
صاحب سے علم و معرفت حاصل کی اور انھیں کے ساتھ ۱۱۴۴ھ میں حرمین شریفین
بھی گیے۔ وہاں کے بزرگوں، علما اور اساتذہ سے کسب علم کیا اور وہ مرتبہ حاصل
کیا جو شاہ صاحب کے ساتھیوں میں سے کسی کو حاصل نہ تھا۔ ان سے شیخ عبدالعزیز
شاہ رفیع الدین، سید ابو سعید بریلوی اور بہت سے دوسرے لوگوں نے فیض حاصل
کیا۔ ان کی تصانیف میں "سبیل الرشاد" فارسی میں، سلوک میں "القول الجلی
فی مناقب الولی" جس میں اُنھوں نے اپنے استاد شاہ ولی اللہ کے مفصل حالات
لکھے ہیں "شرح دعاء الاعتصام للشیخ ولی اللہ" شرح مؤطا وغیرہ اہم ہیں۔
سورہ الفاتحہ کی تفسیر بھی اُن کے کاموں میں اہم درجہ رکھتی ہے۔ (۱)
بارہ صفحات کا یہ رسالہ (۲) رام پور کی لائبریری میں موجود ہے۔ کتاب
کی ابتدا ان الفاظ سے ہوتی ہے:

---

(۱) نزہتہ ص ۳۲۸ ج ۶ (۲) بنمبر ۴۳۵

"الحمد لمن احاط جمیع المحامد اولا و اخرا ظاهرا و باطنا"

انھوں نے بھی سورۂ الحمد کی فضیلت اور اہمیت کے پیش نظر یہ تفسیر لکھی ہے۔ سیدھے سادے انداز کی مختصر سی تفسیر ہے۔ الفاظ کی تقدیم و تاخیر اور سیاق و سباق سے متعلق بھی اشارے کیے ہیں۔ ہر آیت کی تفسیر پوری طرح سے کی ہے۔ بلا وجہ کی بحثیں نہیں کی ہیں۔ بس ضروری باتوں کو بیان کر دیا ہے۔

"صراط الذین انعمت علیہم" کی تفسیر یوں بیان کی ہے

"انبیا، صدیقین، شہدا اور صالحین کی راہ ہدایت ہے جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے" (ص ۹)

کتاب کا خاتمہ ان الفاظ پر ہوتا ہے:

الحمد للہ اولا و اخرا والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ محمد و آلہ و اصحابہ ظاہرا و باطنا ربنا لا تواخذنا ان نسینا او اخطانا آمین رب العالمین۔

ینابیع الانوار فی تفسیر کلام اللہ الجبّار

سید محمد تقی ولادت ۱۲۳۴ھ وفات ۱۲۸۹ھ

سیّد محمد تقی بن حسین بن دلدار علی حسینی لکھنوی مذہب شیعہ کے اہم مجتہد علماء میں سے تھے۔ جمادی الاوّل ۱۲۳۴ھ میں لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ اپنی تعلیم کی ابتدا اور تکمیل اپنے والد سیّد حسین اور چچا سیّد محمد سے کی۔ نواب امجد علی شاہ نے ان کو ممتاز العلماء کا لقب دیا اور مدرسہ سلطانیہ کی تدریس ان کے سپرد کی۔

اِن کو کتابیں جمع کرنے کا بہت شوق تھا۔ انھوں نے اپنے اِس شوق کے پیش نظر ایک بڑی عمارت تعمیر کرائی جس میں ایک مسجد اور حسینیہ بھی بنوایا۔ یہ عمارت اور مسجد آج بھی موجود ہے مگر مناسب دیکھ بھال نہ ہونے کی وجہ سے خراب حالت میں ہے۔ اِن کا ذاتی کتب خانہ بے شمار نادر علمی کتابوں سے بھرا ہوا ہے۔

اِن کی بہت سی تصانیف ہیں جن میں "نخبتہ الدّعوات" (ادعیۂ ماثورہ) "العباب" (نحو) "کتاب الارشاد" (جو لوگ دُعا اور اُس کے اثر سے انکار کرتے ہیں اُن کے رد میں) "حدیقتہ الواعظین" "نزہتہ الواعظین" "لمعتہ الواعظین" (موعظت میں) "ینابیع الانوار" (تفسیر میں) خاص مشہور ہیں اور ان کے مذہبی مرتبہ کے علاوہ علمی مرتبہ کو بھی بلند کرتی ہیں۔ اِن کی وفات ۱۲۸۹ھ میں ہوئی۔ اسماعیل شکوہ آبادی نے "افتاد ستون کعبۂ فقہ" سے تاریخ وفات نکالی۔(۱)

---

(۱) نزہتہ ج ۷ ص ۱۳۴

سلطان المدارس اور خود مصنّف کے ذاتی کتب خانوں (لکھنؤ) میں اس کے کئی نسخے موجود ہیں۔ اس تفسیر کے چار حصّے ہیں جو شروع کے چار پاروں پر مشتمل ہیں۔ پہلے حصّے میں سورۂ الحمد اور پارہ الٓم کی تفسیر ہے۔ ہر آیت کی تفسیر مفصّل بیان کی گئی ہے۔ دوسرے حصّے میں پارۂ سیقول کی تفسیر ہے۔ اس میں علمی نقطۂ نظر اور اہم باتوں کی مکمل توضیح کی ہے۔ تیسرا حصّہ تلک الرسل کی تفسیر میں ہے اور چوتھا لن تنالوا کی۔ چاروں ہی حصّے مفصّل اور مدلّل طور پر آیات قرآنی کی تفسیر و تشریح میں ہیں۔ غالباً مصنّف کی نیّت یہ تھی کہ اسی انداز پر پورے قرآن مجید کی تفسیر لکھیں گے مگر پھر مکمل نہیں کر سکے۔ بہرحال یہ چار جلدیں موجود ہیں۔

اپنے انداز اور علمی مباحث کے انداز سے یہ ایک خاص اہم تفسیر ہے۔ ہر مسئلے کی پوری توضیح و تشریح کی ہے۔ فنّی باتوں اور نحوی باریکیوں پر بھی بحث کی ہے۔ دوسروں کے اقوال اور روایات سے بھی مدد لی ہے۔ مسائل کی بحثوں میں تفصیلات کو پوری طرح مدّنظر رکھتے ہیں۔ بڑی لمبی لمبی بحثیں کی ہیں اور اپنے شیعی نقطۂ نظر کو واضح طور پر ثابت کیا ہے مگر اس طرح نہیں کہ اہل سنّت کو وہ باتیں ناگوار گزریں۔ الزام تراشی، بہتان بازی اور فضولیات سے گریز کیا ہے۔ اس بات کی کوشش کی ہے کہ ہر پڑھنے والے کو نفع پہنچے اور ہر سمجھ داران کے علمی انداز کو سراہے۔ اس کو پڑھ کر مصنّف کی اچھی ذہنیت اور اعلیٰ علمی و ادبی لیاقت کا پتہ چلتا ہے۔ مسائل کی توضیح اس طرح سے کر دیتے ہیں کہ ہر قسم کی الجھن دور ہو جائے۔ اس کی ابتدا ان الفاظ سے ہوتی ہے۔

"بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم الحمد للہ الّذی نزل الفرقان علی عبدہ لیکون للعالمین نذیرا و بعثہ للنّاس کافۃ ھادیا و منذرا و بشیرا"

اس تفسیر کے سلسلے میں لکھتے ہیں۔

"اے شیعان طٰہٰ ویٰسین مومن بھائیو! چوں کہ قرآن مجید بہت ہی بلیغ طور پر عبرت و نصیحت ہے اس لیے میں نے مناسب سمجھا کہ اس کے مطالب و معانی بیان کر دوں۔ اس کا نام ینابیع الانوار فی تفسیر کلام اللہ الجبار رکھا ہے۔ (ورق ۲)"

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی تفسیر بہت اچھے انداز پر اور کافی تفصیل سے کی ہے۔ تمام کاموں کو شروع کرنے سے پہلے اس کا پڑھنا ضروری ہے۔ اس کی برکتوں اور فضائل کا ذکر کیا ہے اور اس سلسلے میں احادیث نبوی سے حوالے دئے ہیں۔ اس کی عظمت و اہمیت کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ بہت سے لوگ اسے نمازوں میں بھی پڑھتے ہیں۔

بسم اللہ کی تفسیر مکمل کرنے کے بعد سورۂ الحمد کی توضیح بھی مفصّل کی ہے۔ اس کی اہمیّت و فضیلت اور اس کے متعدّد ناموں کا ذکر کیا ہے۔ اماموں کے اقوال اور روایات کی یہاں بھی کثرت ہے۔ اس سورۃ کی تفسیر بھی اچھے انداز پر کی ہے۔

اس تفسیر میں مصنّف نے اپنے پیش روؤں کی کتابوں کو سامنے رکھا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کو لکھنے سے قبل انھوں نے علوم قرآنی کے ساتھ ساتھ لغت اور معانی و بیان پر بھی اچھی نظر ڈال لی تھی۔ جس کا ثبوت ان کے یہاں بہت سی جگہوں پر ملتا ہے۔ امام رازی، ابن حجر، قاضی عیاض، ابن جریر اور نیشاپوری وغیرہ کے حوالے بہ کثرت موجود ہیں۔

پہلی جلد کے خاتمے کی عبارت یہ ہے:۔

"تم تفسیر الجزء الاول من الکتاب العزیز وبتمامہ تم المجلد الاول من ھذا التفسیر الموسوم ینابیع الانوار ویتلوہ المجلد الثانی فی تفسیر الجزء الثانی انشاء اللہ تعالیٰ"

پہلی جلد ۳۳۷ اوراق ہیں۔

دوسری جلد کی ابتدا ان الفاظ سے ہوتی ہے۔

"الحمد للہ والسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ"

اس میں دوسرے پارے کی تفسیر بیان کی ہے۔ بہت تفصیل سے تفسیر بیان کی ہے۔ حدیثیں، اقوال، اور دوسرے مفسّرین کے حوالے بھی دیے ہیں۔

دوسری جلد میں ۳۳۹ اوراق ہیں۔ آخری عبارت یہ ہے۔

"وقد فرغ من تالیفه وتتمیته بتائید اللہ سبحانہ وحسن توفیقه احوج المربوبین الی رحمة ربه الکریم محمد التقی ابن الحسین بن علی جعلهم اللہ من ورثة جنة النعیم یوم الثلثاء اربعین من شعبان عام اربع وثمانین بعد الف ومائتین من الهجرة المبارکة ویتلوه انشاء اللہ الجزو الثالث من هذا التفسیر المسمی ینابیع الانوار فی تفسیر الجزو الثالث من کلام اللہ العزیز الغفار"

تیسری جلد میں ۲۴۷ اوراق ہیں۔ تیسرے پارے کی تفسیر ہے۔ ابتدا اس طرح ہوتی ہے:-

"الحمد للہ رب العالمین الرحمن الرحیم مالک یوم الدین ایاک نعبد وایاک نستعین وصلی اللہ علی محمد خاتم النبیین وعلی اوصیائه المرضیین۔"

اس حصے کا اختتام ان الفاظ پر ہوتا ہے:-

"قد فرغ مولفه الفقیر الی رحمة ربه الکریم محمد التقی بن الحسین بن دلدار علی جعلهم اللہ من ورثة جنة النعیم ضحوة یوم الثلثاء الرابع والعشرین

من شهر اللہ الاصب رجب المرجب عام الف ومائتین وثمان وثمانین

من الھجرۃ المقدسہ حامد اللہ سبحانہ مصلیا عن رسولہ واھل بیتہ"

چوتھی جلد میں ۱۶۳ اوراق ہیں۔ ابتدا کے الفاظ یہ ہیں۔

"الحمد للہ استتما ما لنعمتہ ولا الہ الا اللہ اخلاصا لوحدانیۃ و

صلی اللہ علی محمد سید بریتہ وعلی الاصفیاء من عترتہ"

یہ جلد سورۂ آل عمران پر ختم ہوتی ہے۔ اسے ختم کرنے کے بعد مصنف نے پانچواں حصہ یعنی سورۂ نساء کی تفسیر شروع کی تھی۔ چند آیتوں کی تفسیر لکھی تھی کہ ان کا انتقال ۱۲۸۹ھ میں ہو گیا۔

ان کے اپنے کتب خانے میں اس تفسیر کے کئی نسخے ہیں۔ ان میں سب سے عمدہ وہ نسخہ ہے جو دو پاروں کی تفسیر پر دو جلدوں میں ہے۔ اس کا کاغذ اور کتابت بہت عمدہ اور صاف ہے۔ اس میں وہ چند آیتیں اور ان کی تفسیر ہے جو ان کی تفسیر کا آخری حصہ ہیں۔ آخری آیت جس کی تفسیر اس میں ہے وہ یہ ہے :۔

"وابتلوا الیتامی حتی اذا بلغوا النکاح ..... وکفی باللہ حسیبا (۱)"

اس آیت کی تفسیر بھی مکمل نہیں ہو سکی ہے صرف بلوغ تک کی تشریح کر سکے ہیں۔ آخری الفاظ یہ ہیں:۔

"اذا لمراد من الامر بالابتلاء الی بلوغ النکاح حضور قلبہ لا

استمرارہ الیہ لان الابتلاء التی تحقق وتبین بہ الحال

لم یتکور .. ۔

---

(۱) سورۂ نساء آیت ۶

مرأة القرآن

محمد قطب الدین چشتی امروہوی

یہ کتاب ۱۲۹۳ھ میں عمدۃ المطابع امروہہ سے شائع ہوئی۔ رام پور کے کتب خانے میں موجود ہے (۱) اس میں ۱۶۹ صفحات ہیں۔ یہ قرآن مجید کے آخری پارے کی تفسیر ہے۔ اس کے مصنّف کا سلسلۂ نسب یہ ہے۔ محمد قطب الدین بن شاہ محمد بخش بن شاہ رحمٰن بخش بن شاہ عبدالباری بن شیخ ظہور اللہ بن عبدالہادی الچشتی الامروہوی۔

اس میں انھوں نے مطالب قرآنی کے ساتھ ساتھ اعراب و ترکیب سے بھی بحث کی ہے۔ ان کا تفسیر بیان کرنے کا انداز بہت اچھا ہے۔ پہلے آیت لکھ دیتے ہیں پھر اُس کے الفاظ کی الگ الگ تشریح کرتے ہیں اور ایک دوسرے سے مرتبط کرتے ہیں۔ اس کے بعد آخر میں "والمعنی" کہہ کر مطالب بیان کرتے ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی تفسیر خاصی مفصل کی ہے۔ ہر لفظ کی الگ الگ تشریح کرنے کے بعد کہتے ہیں:-

"اے لوگو! تلاوت و قرأت کے وقت بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہو۔"

---

(۱) ۱۶۹

انھوں نے تشریح و تفسیر کے ساتھ ساتھ لغوی باتوں سے بھی بحث کی ہے۔
عبارتوں کی ترکیب اور گرامر کا ذکر بھی کرتے ہیں۔ ضرورت کی جگہوں پر احادیث
نقل کی ہیں۔ طرزِ بیان چوں کہ سادہ ہے اس لیے مطلب آسانی سے سمجھ میں آجاتا
ہے۔ کسی کسی سورۃ کی شانِ نزول بھی بیان کر دیتے ہیں۔ اگر کسی سورۃ سے
کوئی واقعہ متعلق ہے تو اس کا بھی مختصراً تذکرہ کر دیتے ہیں۔

مصنف نے اس کو رمضان المبارک ۱۲۹۳ھ میں لکھا تھا۔ کتاب کے
خاتمے پر مختلف علما کی تقریظیں بھی ہیں۔ کچھ قطعاتِ تاریخ بھی ہیں۔

تفسیر سورۂ یوسف

صاحب زادہ علی عباس خاں وفات ۱۲۹۸ھ

رام پور میں پیدا ہوئے اور وہیں پرورش پائی۔ اِن کا سلسلۂ نسب یہ ہے۔
علی عباس خاں بن صاحب زادہ علی حسین خاں بن عظیم اللہ خاں بن مصطفیٰ خاں بن صاحب زادہ اللہ یار خاں بن نواب سید علی محمد خاں۔

انھوں نے مولوی حافظ محمد رضا خاں مولوی ارشاد حسین اور مفتی سعد اللہ صاحب سے کسبِ علم کیا۔ علم طب سے بھی ان کو دلچسپی تھی اور یہ علم اُنھوں نے حکیم ابراہیم خاں لکھنوی سے حاصل کیا۔ ۱۲۹۸ھ میں حجِ بیت اللہ کو گئے۔ مدینہ منورہ میں اُن کا انتقال ہوگیا اور حضرت حمزہ کے مزار کے متصل دفن ہوئے۔ (۱)

رام پور کے کتب خانے میں یہ تفسیر موجود ہے (۲) اس میں ۹۴ صفحات ہیں۔ یہ نواب کلب علی خاں کے زمانے میں لکھی گئی تھی۔ مقدمہ میں اِن کی بہت تعریف کی گئی ہے۔ ابتدا اِن الفاظ سے ہوتی ہے۔

" الحمد للہ الملک السلام الواحد لہ ملک السموٰت والسطوح

پوری تفسیر میں کوئی خاص بات قابلِ ذکر نہیں بس اُس کی جو کچھ بھی اہمیت

---

(۱) تذکرۂ کاملان رام پور ص ۲۶۱ مصنفہ حافظ احمد علی خاں شوق
(۲) اس کے دو نسخے ہیں نمبر ۵۵۸ اور نمبر ۵۵۹

ہو سکتی ہے وہ یہ ہے کہ انھوں نے اسے "بے نقط" لکھا ہے۔ یعنی جس طرح فیضی نے سواطع الالہام میں اپنی قادر البیانی کا ثبوت دیا ہے انھوں نے بھی اِس صنعت کو اپنا کر ایسے الفاظ استعمال کیے ہیں جن میں نقطے نہیں ہوتے۔ فیضی کے یہاں اِس صنعت کی وجہ سے کافی اشکال ہو گیا ہے مگر اِن کے یہاں ایسا نہیں ہے اُن کی عبارتیں آسان ہیں۔ اِس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ اُنھوں نے اطناب کی بجائے ایجاز کو مدِ نظر رکھا ہے۔ بہر حال اِس صنعت کے اعتبار سے اِس تفسیر کو بھی اہم سمجھا جا سکتا ہے ورنہ تفسیری نقطۂ نگاہ سے اِس میں کوئی بھی بات قابلِ ذکر نہیں ہے۔ بس آسان قسم کی مختصر سی تفسیر ہے۔ کسی مسئلے پر کوئی بھی بحث نہیں کی ہے۔ آیت کا مطلب مختصر طریقے پر بیان کر دیتے ہیں۔

اگرچہ سورۂ یوسف کی تفسیر میں بڑی پیچیدگیاں ہیں اور مفسّرین بعض جگہوں پر بہت اُلجھتے ہیں لیکن اُنھوں نے کسی بھی مسئلے کو نہیں چھیڑا ہے اور صرف مختصر مطلب بیان کر دینے پر اکتفا کی ہے۔

حضرت یوسف علیہ السّلام کے بھائی جب قحط کے زمانے میں مصر آئے تو حضرت یوسف اُنھیں پہچان لیتے ہیں لیکن اُن کے بھائی اُن کو نہ پہچان سکے۔ اللہ تعالیٰ نے اِس موقع پر "وھم لہ منکرون (۱) کہا ہے۔ اِس کی تفسیر بھی بے نقط بیان کی ہے۔

اِس کے دو نسخے رام پور کی رضا لائبریری میں موجود ہیں ۵۵۸ اور ۵۵۹ مخطوطہ ۵۵۹ کو نواب سیّد حامد علی خاں کے حکم سے مرزا محمد باقر کشمیری نے ۱۹ر فروری ۱۹۱۶ء میں نقل کیا تھا۔ جیسا کہ خود کاتب نے آخر میں

---

(۱) سورۂ یوسف آیت ۵۸

لکھ دیا ہے۔ دوسرے نسخے کے کاتب حافظ حبیب اللہ خان ہیں۔ دونوں
ہی نسخے صاف ستھرے لکھے ہوئے ہیں اور اچھے حال میں ہیں۔
خاتمے کی عبارت یہ ہے۔

" ﷲ درسلہ دالموعود علی الدوام لمکمل الامر
والکلام "

تتمہ ینابیع الانوار

سید محمد ابراہیم بن سید محمد تقی

سید تقی صاحب مرحوم ینابیع الانوار کے چار حصے لکھ سکے تھے کہ اُن کا انتقال ہوگیا۔ اُن کے بعد اُن کے صاحب زادے سید محمد ابراہیم نے اُن کے اِس علمی کارنامے کو مکمّل کرنے کا ارادہ کیا مگر اُن کو بھی موقع نہ مل سکا اور تھوڑا ہی اضافہ کرکے یہ بھی انتقال کر گیے۔

یہ کتاب بہت ہی خراب حال میں ہے کچھ غیر مرتب سی بھی لگتی ہے۔ جا بہ جا صفحات سادے رہ گیے ہیں لگتا ہے یہ خیال تھا کہ اِن کو بعد میں لکھا جائے گا۔ مگر موقع نہ مل سکا یہی وجہ ہے کہ عبارتیں بھی بہت سی جگہوں پر مبہم اور بے ربط ہوگئی ہیں۔ اُنھوں نے بھی وہی باتیں پیشِ نظر رکھی ہیں جو اُن کے والد نے تفسیر لکھتے وقت اپنے سامنے رکھی تھیں اور تفسیر کا انداز بھی تقریبًا ویسا ہی ہے۔ اُنھوں نے اِس آیت کی تفسیر سے ابتدا کی ہے۔

"للرجال نصیب مما ترک الوالدان" (۱)

یعنی جہاں سے اُن کے والد نے چھوڑا تھا اُنھوں نے اُس کے بعد والی آیت سے تفسیر شروع کی ہے۔ اِن کا انداز یہ ہے کہ پہلے پوری آیت کا مطلب بیان

---

(۱) سورہ النساء آیت ۷

کرتے ہیں۔ اس کے بعد الفائدہ کے تحت اُس کی مکمل تفسیر و توضیح کرتے ہیں۔ اگر کسی آیت میں کئی باتیں قابلِ ذکر ہوتی ہیں تو الفائدۃ الاولیٰ، الفائدۃ الثانیہ کی ترتیب اختیار کرتے ہیں۔ جتنے بھی مطالب و نکات بیان کرنے ہوتے ہیں اسی طرح کرتے چلے جاتے ہیں۔ یہ نسخہ غالباً خود مصنف کے ہاتھ کا ہے۔ اس میں جا بجا ترمیم و تنسیخ کی ہے اور حاشیے پر بھی بہت سی جگہوں پر نوٹس لکھے ہیں۔ اس کی ابتداء ان الفاظ سے ہوتی ہے۔

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ محمد وآلہ الطاہرین"

وراثت کی آیات کی تفسیر بہت تفصیل سے بیان کی ہے۔ مرنے والے کے جتنے بھی وارث ہو سکتے ہیں اور جن لوگوں کو وراثت مل سکتی ہے ان سب کی پوری تفصیل لکھی ہے۔ یہ بھی بیان کیا ہے کہ اگر مختلف قسم کے بہت سے وارث موجود ہوں تو کس طرح سے تقسیم کرنا چاہیے۔

میراث کے سلسلے میں انھوں نے الگ الگ عنوان قائم کیے ہیں مثلاً فی میراث الاخوۃ ذکوراً کانوا ام اناثاً (بھائی بہنوں کی وراثت کے بیان میں) اذا انفرد الاخ للابوین (جب اکیلا بھائی ہو) فی میراث الاخوال (ماموں کی وراثت میں) فی میراث الاعمام (چچا کی وراثت)۔ اس طرح سے انھوں نے تمام لوگوں کی وراثت اُس کے حق دار اور اُس سے متعلق باتوں کو بیان کیا ہے۔ یہ کتاب مکمل نہیں ہے جیسا کہ خاتمہ کی عبارت سے اندازہ ہوتا ہے۔

"بسبب یحجب احدھا خارج عنھا کزوج وھو ابن عم للزوجۃ اخ او ولد"

اس کتاب کے دو نسخے سیّد محمد تقی صاحب کے کتب خانے میں موجود ہیں۔ دونوں ہی اسی عبارت پر ختم ہوتے ہیں۔ دونوں یکساں کٹے پھٹے اور غیر مرتب سے ہیں۔

آیات للسّائلین

حافظ عنایت اللہ اثری وزیرآبادی (پنجاب)

اس میں ابتدا سے لے کر سورۂ نساء کے خاتمے تک آیات الٰہی کی تفسیر بیان کی ہے۔ یہ کتاب مطبع کریمی لاہور سے ۱۳۴۳ھ میں شائع ہوئی۔ اس میں ۲۱۶ صفحات ہیں۔ اندازِ بیان انتہائی سادہ ہے۔ عام طور سے آیت کا مطلب اسی مضمون کی کسی دوسری آیت سے بیان کرتے ہیں۔ اگر ضرورت ہوتی ہے تو چند الفاظ اپنی طرف سے بھی لکھ دیتے ہیں۔ حاشیے پر نوٹ کافی لمبے لمبے لکھے ہیں اور بہت سے واقعات جن کا تعلق اس آیت یا سورۃ سے ہے وہ بھی بیان کر دیتے ہیں۔ مثلاً "اھدنا الصراط المستقیم" پر جو نوٹ لکھا ہے جس کا خلاصہ حسب ذیل ہے:۔

> "صراطِ مستقیم توحید ربانی اور جلی و خفی ہر قسم کے شرک کی نفی، عملِ نیک اور ترکِ افراط و تفریط کا نام ہے جیسا کہ آیت کے سیاق و سباق سے ظاہر ہوتا ہے۔"

عام طور سے آیتوں کے مطالب پوری طرح سے بیان کیے ہیں اور حتی الامکان مقابلے کی آیات بھی پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ واقعات جو قرآن مجید میں بیان کیے گئے ہیں اُن پر مفصل معلومات حاشیے پر لکھ دی ہیں۔ مثلاً حضرت موسیٰؑ کے تمام واقعات بہت

تفصیلی طور پر ص ۲۵ سے ص ۴۵ تک بیان کیے ہیں۔ اگر کسی جگہ یا کسی شخص کا نام درمیان میں آ گیا ہے تو اُس کے متعلق بھی لکھ دیا ہے۔

انبیا جس ترتیب سے آئے تھے اُن کا ذکر اسی ترتیب سے کیا ہے۔ ان کی تعداد لکھی ہے اور اُن سب کی خصوصیات کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔ کن نبیوں کا ذکر کن سورتوں میں ہے اُس کو بھی بیان کر دیا ہے۔ اِس طرح اللہ تعالیٰ کے جتنے نام ہیں اُن کو بھی لکھ دیا ہے اور لکھا ہے کہ جتنی بھی اچھی صفات ہو سکتی ہیں وہ سب اللہ کے نام ہیں اور صفاتِ الٰہیہ بے گنتی و بے شمار رہیں۔

اِس تفسیر کے بعد حاشیے پر ایک نوٹ لکھا ہے جس میں مدرسوں کے قیام اور اُن میں تعلیم کے مسائل بیان کیے ہیں۔ لکھتے ہیں کہ :-

"مسلمانوں پر واجب ہے کہ ایک خالص عورتوں کا مدرسہ بنا ئیں تاکہ وہ اس میں اپنے دین کی تعلیم حاصل کریں پھر وہ عورتوں میں تبلیغِ دین کریں اِس لیے کہ عورتوں میں تعلیم و تبلیغ کے لیے عورتیں زیادہ مناسب ہیں۔"

الفاظ اور لغت کی بحث اِس میں نہیں ہے۔ دوسری کتابوں کے حوالے یا دوسرے لوگوں کے اقوال بھی درج نہیں ہیں۔ بس سیدھے سادے انداز پر مطالب کی توضیح کی گئی ہے اور ضروری جگہوں پر نوٹ لکھ کر مفہوم کو مزید واضح اور کارآمد بنایا ہے۔

نظام القرآن وتاویل الفرقان

مولانا حمید الدین الفراہی

مولانا حمید الدین فراہی "نظام القرآن وتاویل الفرقان" کے نام سے ایک مکمل اور جامع تفسیر لکھ رہے تھے مگر بدقسمتی سے اُن کا یہ کام مکمل نہ ہو سکا۔ اُن کی تفسیر کا کچھ حصہ الگ الگ سورتوں کی شکل میں شائع ہو چکا ہے اور اس کا بڑا حصہ سرائے میر میں غیر مطبوعہ موجود ہے۔ اُنھوں نے اپنی اس تفسیر میں یہ بات خاص طور سے ملحوظ رکھی تھی کہ قرآن کریم بیان اور خیالات کے اعتبار سے باترتیب ہے۔ اِس کی آیات میں ایک مخصوص نظم و ترتیب ہے اور یہ خیال کہ اس میں ربطِ باہمی نہیں ہے غلط ہے۔ جن سورتوں یا آیتوں میں تقدیم و تاخیر ہوئی ہے وہ کسی حکمت، بلاغت اور مقتضائے حال کے پیشِ نظر ہے۔ اگر مقدّم کو موخّر اور موخّر کو مقدّم بغیر کسی اصول کے کیا گیا ہوتا تو سارا نظامِ قرآنی درہم برہم ہو جاتا۔ انھوں نے یہ بھی ثابت کیا ہے کہ قرآن مجید خود اپنی آیتوں کی تفسیر کرتا ہے اس لیے انھوں نے مفسّرین کے بیان کیے ہوئے عجیب و غریب قصّوں اور کہانیوں سے احتراز کیا ہے۔

جس سورۃ کی تفسیر بیان کرتے ہیں اُس سے پہلے اُن تمام مسائل کی ایک فہرست لکھتے ہیں جو اس سورۃ سے نکلتے ہیں۔ مسائل کی توجیہات، شانِ نزول

اور ربطِ قرآنی کی طرف بھی اشارہ کرتے ہیں۔ میں اِس وقت ان کی بیان کی ہوئی تین سورتوں، سورۃ المرسلٰت، والعصر، اور الکافرون کا ذکر کروں گا۔

تفسیر سورۃ المرسلٰت :۔

قرآن کریم یوں تو ایک مکمل اور مسلسل دعوت ہے لیکن آخری پارہ کی بیشتر سورتیں دعوت کی بنیادی باتیں ہیں۔ قیامت کا ذکر، اللہ تعالیٰ کا خوف اور بندوں کے ساتھ احسان کی جتنی تعلیم اِن سورتوں میں ہے، کہیں اور نہیں ملتی۔ اِس سے قبل کی سورۃ میں جن باتوں کا ذکر اختصار کے ساتھ ہے اِس سورۃ میں وہی باتیں قدرے شرح و بسط کے ساتھ بیان ہوئی ہیں۔

مولانا حمید الدّین صاحب نظمِ قرآنی کے قائل اور اُس کی موجودہ ترتیب سے متفق ہیں۔ اُن کا کہنا ہے کہ قرآن کریم کی اِس سے بہتر ترتیب ممکن ہی نہیں۔ اُنھوں نے قرآن کریم کا گہرا مطالعہ محض اِس غرض سے کیا تھا کہ ترتیب میں ربط اور آیات میں نظم کے رشتے کو زیادہ مستحکم کرسکیں۔ اِس سورۃ کی تفسیر اُنھوں نے گیارہ عنوانوں کے تحت کی ہے۔

۱۔ اِس سورہ کا تعلق ماقبل سے یہ بیان کیا ہے کہ جو کچھ "سورۂ دہر" میں بیان ہوچکا ہے یہ اُس اجمال کی تفصیل ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ اُس میں ترغیب تھی اور اِس میں ترہیب ہے "وما نرسل المرسلین الا مبشرین منذرین۔"

۲۔ یہ سورۃ اُن سورتوں میں سے ہے جن میں کسی ایک مخصوص آیت کو بار بار دُہرایا گیا ہے اِس میں "ویل یومئذ للمکذبین" دس بار استعمال ہوا ہے۔ اِس آیت

مالات کے لیے: مقدمہ تفسیر نظام القرآن (اردو ترجمہ) امین احسن اصلاحی

کے بار بار دہرانے میں موقع و محل کا پورا خیال رکھا گیا ہے اور بلاغت میں بھی کسی قسم کی کمی نہیں آنے پائی ہے ماقبل سے تعلق اور مناسبت بھی ہر جگہ موجود ہے۔ قرآن مجید میں کئی جگہوں پر "ترجیع" کا استعمال ہوا ہے اور ان تمام جگہوں پر معنی اور زورِ بیان سب میں کسی قسم کا فرق نہیں پڑنے پایا ہے۔ بلکہ ایک خاص قسم کی خوب صورتی اور طرزِ ادا کا ایک نیا اور زیادہ موثر انداز پیدا ہوگیا ہے۔ الفاظ کی تاویل بھی حسبِ موقع ہے اور یہی بلاغت کا اصول اور کلام مجید کی عظمت کا ثبوت ہے۔

۳۔ تیسرے عنوان کے تحت آیتوں کی تفسیر کی ہے۔ ایک تا پندرہ آیتوں کی تفسیر اس جگہ پر کی ہے۔ اس موقع پر تفسیر کے ساتھ ساتھ خود قرآن مجید کی آیتوں سے بھی معنوں کی توضیح کرتے ہیں اور ہر آیت کے لیے تقریباً اسی جیسی آیت پیش کی ہے۔

"ویل یومئذ للمکذبین" کی تفسیر میں سیاق و سباق کے حوالے سے مطالب کی تشریح کرتے ہیں اور یہ دکھاتے ہیں کہ اس کا استعمال پوری سورۃ میں جتنی بار بھی ہوا ہے موقع و محل کے اعتبار سے بالکل صحیح اور مفہوم کو زیادہ واضح کرتا ہے۔

۴۔ ہوائیں جس طرح رحمتِ الٰہی بن کر زرخیزی و شادابی لا سکتی ہیں اسی طرح عذاب بن کر لوگوں کو تباہ و برباد بھی کر سکتی ہیں اُس کی قسم کھا کر اس دلیل کی شہادت دی گئی ہے۔ خدا اپنے بندوں سے کسی وقت بھی غافل نہیں ہوتا بلکہ اپنی رحمت کی بارش اور عذاب کے حملوں سے ان کو جزا و سزا دیتا رہتا ہے۔ اور یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ ایک دن ایسا ضرور آئے گا جب ہمارے اعمال کی جانچ ہوگی اور فیصلہ سنایا جائے گا۔

اس سلسلے میں مولانا نے یہ دکھایا ہے کہ کفار "یوم الدین" کا رد

وجہوں سے انکار کرتے تھے۔ ایک تو یہ کہ وہ اُن کو عجیب سا لگتا تھا۔ دوسرے اِس کی تاخیر بھی ان کے لیے معمہّ تھی۔ پس اللہ میاں نے اُن کے پہلے شبہ کو تو ایسی مثالوں سے دور کیا ہے جو اُن کی سمجھ میں آسانی سے آجائیں اور جن کو وہ روز مرہ اپنی آنکھوں سے دیکھتے رہے ہیں۔ دوسرے شبہ کو یوں مٹایا ہے کہ اللہ کا عذاب کسی پر اچانک نہیں آتا بلکہ اس سے پہلے وہ انھیں آگاہ کرتا ہے۔ بار بار موقع دیتا ہے کہ وہ سنبھل جائیں اور پھر آخر میں تو عذاب آتا ہی ہے۔

۵۔ یہاں پر پھر جملوں اور الفاظ کی تشریح کی ہے اور اسی اپنے انداز کو یعنی تفسیر قرآن بالقرآن کو ملحوظ رکھا ہے " الم نخلقکم من ماء مھین" میں لفظ مہین "حقیر" کی تشریح پہلے لغت سے کی ہے اور کلام عرب سے مثالیں پیش کی ہیں۔ پھر قرآن مجید کی دوسری آیات سے مفہوم واضح کیا ہے۔

اسی انداز میں تمام مشکل الفاظ کی پوری طرح سے وضاحت کی ہے اور مطالب کو آسان انداز میں بیان کیا ہے۔

۶۔ چھٹے عنوان کے تحت گزشتہ آیات کی جامع تفسیر کی ہے۔ مطالب کو پوری طرح سے واضح کیا ہے اور اس کی کئی مثالیں دی ہیں، کہ اللہ تعالیٰ مطلق ہے مگر جبار و قہار نہیں ہے بلکہ رحیم و کریم ہے۔ پچھلی قوموں پر عذاب اُن کی نافرمانی کی وجہ سے آیا تھا۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے پیدائش سے لے کر آخر تک کے معاملات سے واقف ہوتا ہے۔ اس دُنیا میں جو بھی ہے اُسے فنا لازم ہے۔ اور ایک دن یہ سب چیزیں اس کی بارگاہ میں حاضر ہوں گی۔ نیکوں کو اُن کے عمل کا فائدہ اور بُروں کو اُن کی بد اعمالیوں کی سزا دی جائے گی اور ان کے سامنے وہ حقائق روشن

ہو جائیں گے جن کا وہ انکار کرتے ہیں۔

۷۔ یہاں اُن آیتوں اور الفاظ کی تشریح کی ہے جن کا سمجھنا کسی وجہ سے مشکل ہے اور اُس میں اُسی پچھلے انداز کو برقرار رکھا ہے
اسی طرح سے "انھا ترمی بشرر کالقصر کانہ جملت صفرہ" کی مکمل تفسیر بھی بیان کی ہے اور یہ دکھایا ہے کہ "قصر" کے معنی کیا ہیں۔ کس مفہوم میں استعمال ہوا ہے اور اس سے تشبیہ کیوں دی گئی ہے۔ "القصرۃ" کے معنی اونٹ کی گردن کے ہوتے ہیں۔ بڑے درختوں کے لیے بھی مستعمل ہے لیکن اس جگہ پر اونچے اونچے شعلوں کو بلند و بالا عمارتوں سے تشبیہ دی گئی ہے۔ محلات اونچی جگہوں پر تعمیر کیے جاتے ہیں اور چوں کہ شعلے بھی اوپر اُٹھتے ہیں اس لیے یہ تشبیہ زیادہ مناسب ہے اور یہی مختلف لوگوں سے مروی بھی ہے۔"

۸۔ "ذی ثلث شعب (تین شاخوں والے) سے، یہ نکتہ بھی نکالا ہے کہ اس سے مراد لوگوں کی اُن تین قسموں سے ہے جنھیں عذاب میں مبتلا ہونا پڑے گا۔ ایک تو وہ لوگ ہیں جو اللہ اور اُس کی مخلوق سے لاپرواہی کا اظہار کرتے ہیں، دوسرے وہ جو آخرت کے منکر ہیں اور اُس کو کوئی اہمیت نہیں دیتے۔ تیسرے وہ ہیں جو خدا سے غفلت برتتے ہیں اور کفر و شرک کی تاریکیوں میں بھٹکتے رہتے ہیں۔ اِس سلسلے میں احادیث سے بھی کام لیا ہے تاکہ ایسے لوگوں کو پوری طرح پہچانا جا سکے۔

۹۔ اُوپر جن آیتوں کی تفسیر بیان کی ہے یہاں اُن پر مجموعی طور سے نظر ڈالی ہے اور اُن کے نظم و ارتباط کو بیان کیا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ "ویل یومئذ للمکذبین" کی ترجیع کی بھی توضیح ساتھ کی آیات کی روشنی

میں کردی ہیں۔ یہاں تک کی چالیس آیتیں ڈرانے دھمکانے اور راہِ راست پر لانے کے لیے تھیں۔ اب خوش خبری اور بشارت کی آیات ہیں۔

۱۰۔ سورۃ پچاس آیتوں کی تھی۔ چالیس کی تشریح اوپر ہو چکی تھی اب بقیہ کی تفسیر یہاں کر دی ہے۔ یہاں بھی اُنھوں نے اپنے مخصوص انداز کو برقرار رکھا ہے اور مشکل الفاظ کی تشریح کے ساتھ ساتھ ضروری تاویلات بھی بیان کر دی ہیں۔

۱۱۔ آخر میں آیاتِ سابقہ کی تاویل کی ہے اور اِن کا ایک دوسرے سے کیا تعلق ہے اُس کو بیان کیا ہے۔

تفسیر سورۃ العصر:۔

اِس سورۃ کی تفسیر سولہ عنوانوں کے تحت کی ہے۔

۱۔ سورۃ کی دو تاویلیں ہیں۔ ایک "عام" ایک "خاص"۔ جس طرح عمدہ اور اچھے مقررین کی خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ وہ ایسے الفاظ استعمال کرتے ہیں جن سے ہر خاص و عام اپنی عقل کے مطابق مفہوم سمجھ سکے۔ "معنی خاص" موقع کلام اور سیاق و سباق کے ساتھ ساتھ خاص باتوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں اور "معنی عام" اپنی جگہ پر مکمل و محکم ہوتے ہیں کہ عام لوگ اُسے سمجھ سکیں۔ سورۃ العصر اِس لحاظ سے بڑی اہم ہے، اِس کی تاویل خاص بھی ہے اور عام بھی۔ تاویل خاص گزشتہ سورۃ سے عام تاویل کے مقابلے میں زیادہ مربوط ہے۔

۲۔ اِس سے پہلے سورۃ "تکاثر" ہے جس میں مال و دولت کی طلب میں انہماک اور اُس کے نتائج کا ذکر ہوا ہے یہ نقصانِ عظیم ہے اِس سورۃ میں بھی انسان کو اُس کے نقصان سے آگاہ کیا گیا ہے۔ اِس ربط باہمی کے لیے

مفسّر نے مختلف آیتوں سے کام لیا ہے جن میں "خسران" کی اطلاع دی گئی ہے۔ساتھ ہی ساتھ پوری سورۃ کا مفہوم بھی بیان کر دیا ہے اور اس میں بھی مثالیں دوسری آیتوں سے پیش کی ہیں۔

۳۔ یہاں "عصر" کی تشریح کی ہے۔ لکھتے ہیں۔ عصر اور دہر دونوں زمانہ کو کہتے ہیں مگر دہر میں مجموعی حیثیت اور عصر میں گزرنے کی حیثیت ہوتی ہے۔

اپنی بات کے ثبوت میں امرؤ القیس (۱) عبید ابن الابرص (۲) اور قطامی (۳) وغیرہ کے اشعار پیش کیے ہیں، اس کے بعد یہ بیان کیا ہے کہ "اعصار" تیز ہوا کے لیے بھی ہوتا ہے۔ "عصر" زمانہ کے معنی میں بھی اسی لیے استعمال ہوتا ہے کہ وہ گردش کرتا رہتا ہے۔ "عصر" دن کے آخری حصّے کو بھی کہتے ہیں کیوں کہ اس کے بعد دن چلا جاتا ہے۔ لہذا یہ لفظ ایسا ہے جس کے استعمال سے اس قسم کی تمام باتیں ذہن میں آجاتی ہیں۔

۴۔ اللہ تعالیٰ نے "عصر" کی قسم اس لیے کھائی ہے کہ پچھلے زمانے میں لوگوں نے اچھا یا بُرا جیسا بھی کام کیا اُس کا بدلہ ملا۔ زمانہ گزر جاتا ہے لیکن اعمال کی سزا و جزا ایک دن ضرور ہوتی ہے۔ انسان اجل معینہ سے غافل رہتا ہے۔ حالانکہ اسے ہر وقت اس کا خیال رکھنا چاہیے۔ یہ فہم انسانی کی خامی کا بہت بڑا خسارہ ہے۔ زمانے کی قسم اس لیے کھائی ہے کہ اس میں بڑی عبرتیں ہیں۔ پچھلے زمانے کی باتیں محض قصّہ کہانیاں نہیں ہیں بلکہ حقائق پر مبنی ہیں۔

---

(۱) امرؤ القیس بن حجر بن الحارث الکندی متوفی ۵۴۵ء الاعلام ص ۳۵۱ ج ۱

(۲) عبید بن الابرص بن عوف بن جشم الاسدی متوفی ۶۰۰ء الاعلام ص ۳۳۹ ج ۴

(۳) عبید بن شتیم بن عمرو بن عباد من بنی جشم الملقب بالقطامی متوفی ۷۴ء الاعلام ص ۲۶۴ ج ۵ ۔

۵۔ انسانوں کے نقصانِ عظیم کے ذکر کے بعد کامیاب وکامران لوگوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔ یہ لوگ صاحبِ ایمان، اچھے کام کرنے والے اور لوگوں کو نیک باتوں کی تلقین کرنے والے ہوتے ہیں۔ یہ تینوں صفتیں ایسی ہیں جو کسی شخص کو انتہائی اعلیٰ وارفع منازل پر پہنچا سکتی ہیں۔ ہر جماعت کا کوئی نہ کوئی راہبر اور سردار ہوتا ہے جو اس جماعت کو برائیوں سے دور اور نیکیوں سے قریب ہونے کی دعوت دیتا رہتا ہے۔ قرآن مجید میں خود اس قسم کا ذکر بہت سی جگہوں پر موجود ہے اور جس کا نمونہ نبی صلعم کے بعد خلفائے کرام نے پیش کیا۔ امر ونہی کی ذمہ داری جماعت کے ایک ہی فرد کے سپرد ہوسکتی ہے ورنہ انتشار کا خطرہ رہتا ہے۔ مسلمان جب تک حقوق وفرائض کی ادائیگی میں نہ لگیں گے انھیں کامیابی نہ ہوگی۔ سیاست میں بھی جب تک وہ خلافت کا نظم نہ قائم کریں گے انھیں استقامت حاصل نہ ہوگی۔

۶۔ "حق" کے عربوں کے یہاں کئی معنی ہیں۔ یہاں پہلی سورۃ کے ربط کے لیے حق کے معنی مواساۃ کے ہیں۔ لبید (۱) اور ربیعہ (۲) کے اشعار سے اس کا ثبوت پیش کیا ہے۔ "تواصوا بالحق" کا مطلب "تواصوا بالمرحمۃ" ہے۔ حق اور صبر کے درمیان ربط اس طرح واضح کیا ہے کہ مرحمت اس کے بغیر ممکن نہیں ہے کہ آدمی لوگوں کی اذیت برداشت کرے اور درگزر کرے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جس نے صبر کیا اور معاف کیا تو یہ بڑے عزم کی بات ہے۔

"ثم اتبع ذالك بالتواصي للصبر فان المرحمة لاتمكن الا ان يحتمل المرء اذى الناس ويسامح بهم ويعفو عنهم كما كان تعالى ولمن صبر وغفران ذالك من عزم الامور"

---

(۱) لبید بن ربیعہ بن مالک ابوعقیل العامری متوفی ۴۱ھ ۶۶۱ء الاعلام ص ۱۰۴ ج ۶

(۲) ربیعہ بن مقروم بن قیس الضبی متوفی ۶۳۷ء الاعلام ۴۲ ج ۳

اس کے بعد لفظ "صبر" کی تشریح کی ہے اور بتایا ہے کہ صبر یہ نہیں کہ عاجز و درماندہ شخص ذلت و خواری کے ساتھ زیادتی برداشت کرے بلکہ صاحبِ عزم و قوت کی طرف سے اِس کا اظہار ہوتا ہے۔

"واعلم ان الصبر عند العرب لیس من التذلل فی شیٔ کما یصبر المضطہد العاجز بل ھو اھل القوۃ والعزم"

۷، ۸۔ ساتویں عنوان کے تحت اِس کا جوامع الکلام ہونا ثابت کیا ہے۔ آٹھویں جگہ پر ایمان کے معنی بیان کیے ہیں اور یہ دکھایا ہے کہ وہ گھٹتا بڑھتا رہتا ہے اور علم و عمل سے اِس کا احاطہ کیا جاسکتا ہے۔ مومن اس کو کہتے ہیں۔ جو اللہ کی آیتوں پر یقین کے ساتھ اُس کی پوری بندگی کرے اور محبت و رضا کے جذبہ کے ساتھ اس کے احکام کی تعمیل کرے۔

علم و عمل سے اِس کا اِحاطہ یوں ہوتا ہے کہ جس طرح ایمان عقل کے لیے ہدایت و نور ہے اُسی طرح دل کے لیے صلاح و طہارت ہے۔

۹۔ ایمان کے معنی ایقان کے بھی ہوتے ہیں جیسے "اٰمن الرّسول بما انزل الیہ" یعنی ایقن الرّسول" لیکن یہ معنی ہر جگہ پر استعمال نہ ہوں گے جیساکہ بعض لوگوں نے سمجھ لیا ہے۔ یقین میں کمی و بیشی نہیں ہوسکتی۔ اگر ہمیں کسی بات کا یقین ہے تو اِس میں لچک نہیں ہوتی بلکہ پختگی ہوتی ہے۔ جن لوگوں نے ہر جگہ ایمان کو یقین سے تعبیر کیا ہے انھوں نے بہت سی جگھوں پر آیاتِ قرآنی کی تاویلیں کی ہیں۔ ان کے نزدیک مومن وہ ہے جو اقرار کرے کہ وہ اہلِ ایمان کی جماعت سے تعلق رکھتا ہے اور مسلمانوں کا طریقہ اختیار کرے۔

۱۰۔ عملِ صالح سے مُراد وہ نیک کام ہیں جن سے معاشرے کی اصلاح اور صلاحِ حال ہوتی ہو۔ اُس سے افراد اور جماعتوں کا مفاد وابستہ ہوتا ہے۔ جسم، عقل اور

قلب کی صالح نشو و نما ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین کو بے مقصد نہیں پیدا کیا ہے بلکہ دنیا اور اہلِ دنیا کو عمل سے ہم آہنگ کیا ہے۔ ان کے لیے نیکی و بدی کی راہیں ہیں جسے چاہیں اختیار کریں۔ جو لوگ حق کی پیروی کریں گے، رحمت و انصاف کے اصولوں پر عمل کریں گے اُن کو وراثتِ عالم کا حق ہے۔

۱۱۔ "حق" ہمارے عروج کا مقصد اور مطلوب ہے۔ حق کے معنی در اصل موجود کے ہیں۔ حق کا وقوع یقینی ہوتا ہے۔ عقل اِسے تسلیم کرتی ہے اور اخلاق اسے فرائض میں شمار کرتا ہے۔ قرآن مجید میں یہ لفظ مختلف انداز سے اِن تمام معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ اس کے مخصوص معانی جس کی طرف اشارہ اِس سے قبل بھی ہو چکا ہے "مواساۃ" کے ہیں۔ عربوں کے نزدیک سب سے بڑا اور اہم حق یہی سمجھا جاتا تھا۔ اِس کی ادائیگی ہر صاحبِ استطاعت کے لیے ضروری ہے۔ اگر حق کے یہی معنی لیے جائیں تو اِس میں ان تمام باتوں کی جھلک نمایاں طور پر نظر آتی ہے اور اس طرح سے حق ظلم و جور اور فساد و باطل سے الگ ہٹ کر زیادہ بہتر اور وسیع معنوں میں مستعمل ہو سکتا ہے۔

۱۲۔ حق و صبر میں کیا نسبت ہے۔ نجات کا دار و مدار عقل و اخلاق کی درستی پر ہوتا ہے۔ عقل میں نرمی و سختی دونوں چیزیں موجود ہیں۔ عقل کا کام یہ ہے کہ حق کے آگے سرِ تسلیم خم کر دے۔ خدا کی ربوبیت کو تسلیم کرے۔ مخلوق سے نرمی کا سلوک کرے اور بندگی کے احساس کو زندہ رکھے۔ اسی طرح سے غیب کی باتوں پر ایمان لائے۔ مصائب کے وقت صبر کرے۔ مقدرت کے بعد معاف کر دے۔ جس طرح حق کا تعلق عقل سے ہے اُسی طرح حق کا تعلق صبر سے بھی ہے۔ وہ اِن دونوں سے لگاؤ رکھتا ہے۔ حق بھلائیوں

کے دروازے کھولتا ہے۔ صبر بُرائیوں سے انسانوں کو دُور رکھتا ہے۔ جتنے بھی نبی آئے سب کو صبر کی شدید آزمائشوں سے گزرنا پڑا۔ حق و صبر دراصل صراطِ مستقیم پر چلنے کے لیے دو قدم ہیں۔ ایمان ایک تنا ور پیڑ ہے۔ عمل صالح اور حق و صبر اس کی شاخیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو بھی عملِ صالح اور حق محبوب ہیں جو ان کو پامال کرتا ہے وہ اُس سے ناراض ہوتا ہے۔ مختصر یہ کہ صبر حق کی محبت سے پیدا ہوتا ہے اس لیے اِن دونوں کا باہمی تعلق گہرا ہے۔ حق چوں کہ آنکھ سے اوجھل ہوتا ہے اس لیے صبر کی ضرورت زیادہ ہوتی ہے "فاصبر اِنّ وعداللہ حق" (صبر کیجیے بے شک اللہ کا وعدہ حق ہے)

۱۳۔ عمل صالح اور تواصی میں بھی گہرا تعلق ہے۔ "وتواصوا بالحق وتواصوا بالصبر" (حق کی تاکید اور صبر کی تلقین کرتے ہیں) سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ اہلِ حق و صبر ہیں۔ خود تو عمل کرتے ہی ہیں دوسروں کو بھی اس کی تاکید کرتے ہیں۔ جو شخص حق کی پیروی کرے گا، اُس کی راہ میں صبر کرے گا وہ حق کو خراب و خستہ حالت میں نہیں دیکھ سکتا۔ اُس کی دلی تمنّا اور علین خواہش یہ ہوگی کہ دوسرے لوگ بھی راہِ حق کو اختیار کریں اور صبر کی منزلوں کو پار کر کے اعلیٰ مراتب تک پہنچیں۔ "وتعاونوا علی البر والتقوی" ایسے ہی لوگوں سے متعلق ہے "فالبر ھو الحق والتقوی ھی الصبر"۔

۱۴۔ امت مسلمہ کے لیے ایک دوسرے کو نصیحت کرنا فرض ہے اور انھیں اپنی رائے کے اظہار کا پورا حق ہے۔ اِس سورۃ میں بھی مختصر طور پر سیاستِ اتحاد و اتفاق اور معیشت کے بعض اصولوں کی طرف اشارہ ہے۔ اِس سورۃ میں تواصی کا ذکر اِس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ ہم دوسروں پر اپنے اچھے خیالات

کا اظہار کرسکتے ہیں۔ چوں کہ اِس اُمّت کے فرائض میں اعلائے کلمۃ الحق بھی داخل ہے اِس لیے اللہ تعالیٰ نے اُنھیں شہداء کا لقب بھی دیا ہے۔ آزادیِ تقریر کی بے شمار مثالیں اسلامی تاریخ کے اوراق میں موجود ہیں۔ خلفا کو بر سرِ منبر ٹوک دیا گیا ہے۔ البتّہ اِس آزادی کا غلط فائدہ اُٹھانا اور فتنہ و فساد کے لیے استعمال کرنا موجبِ گناہ اور ناقابلِ معافی جرم ہے۔ اِس عنوان کے تحت انھیں باتوں کا ذکر ہے۔

۱۵۔ حق و صبر کی توضیح مفصّل طریقے پر کر چکے ہیں۔ اِن دونوں کی حیثیت عظیم پہاڑوں کی سی ہے جن پر شریعتِ اسلامی اور نظامِ الٰہی کے ستون قائم ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا یعنی انصاف کے ساتھ اس لیے قرآن مجید میں اِس قوم کی جو اِس زمین کی خلیفہ اور شریعت کی نعمت سے مالا مال ہو گی یہ صفت بیان کی ہے: " یا ایہا الّذین اٰمنوا کونوا قوامین بالقسط شہداء اللہ ولو علی انفسکم "

اللہ تعالیٰ کسی قوم کو جب بھی اپنے کاموں کے لیے، منتخب کرتا ہے تو اُنھیں شدائد سے آزماتا ہے اور جب وہ اس پر پورے اُترتے ہیں، صبر و قناعت کی مثالیں پیش کر دیتے ہیں تو پھر ان کو وہ عزت و عظمت عنایت کرتا ہے جو اُنھیں سارے جہاں سے ممتاز بناتی ہے اور ساتھ ہی ساتھ اُن کے دشمنوں کو نیست و نابود کر دیتا ہے۔ اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ بنی اسرائیل کا واقعہ خود اِس کا ثبوت ہے انھوں نے صبر کو اپنا کر ساری عزتیں حاصل کر لیں اور پھر جب صبر کا دامن اُن کے ہاتھ سے چھوٹ گیا تو مذلول و مقہور ہو گیے۔ " ولینصرنّ اللہ من ینصرہ واللہ یحب الصّٰبرین "۔ جن

لوگوں نے صبر کیا اُن کو عزّت ملی اور اُن کا اقتدار قائم ہوا اور جو لوگ اس سے دور رہے اُن کو سوائے ذلّت کے کچھ بھی نصیب نہ ہوا۔ صبر حق کی بنیاد ہے۔ اللہ میاں کا عذاب اُس وقت آتا ہے جب بندے حق سے روگردانی کرتے ہیں۔ صبر اور حلم ایک ہی چیز ہے۔ حق بہ ظاہر اِن سے مختلف ہے۔ لیکن اِس کے باوجود دونوں بالکل ساتھ ساتھ نمودار ہوتے ہیں۔ حلم و صبر، عفو و درگزر اور نرمی ہیں لیکن حق سخت گیری اور احتساب کا مظاہرہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہم کو ان دونوں کو اختیار کرنے کا حکم ساتھ ساتھ دیا ہے۔ اِس سے ہمارے باطنی و ظاہری اخلاق کی اصلاح اور زمین کی وراثت کا حق اور جنت کا وعدہ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ حق و عدل کو پسند کرتا ہے اور عفو و نرمی کے ساتھ اِس کائنات کا نظام چلاتا ہے۔

۱۶۔ سب سے اہم چیز جس کی طرف مولانا حمید الدّین صاحب نے توجہ کی ہے وہ مختلف سورتوں کا ایک دوسرے سے ربط ہے۔ وہ قرآن کو مکمّل منظّم اور پوری طرح سے مربوط تسلیم کرتے ہیں۔ اس کی ترتیب میں بھی ان کا ایمان ہے۔ اُنھوں نے جتنی سورتوں کی تفسیر کی ہے سب کا تعلق ایک دوسرے سے بیان کیا ہے۔ اِس سورۃ میں بھی لکھتے ہیں کہ سابق سورۃ سورۂ تکاثر میں اُن لوگوں کا ذکر تھا جن کو اِس دُنیا کی نعمتوں نے اپنی طرف متوجہ کر لیا اور وہ اللہ سے غافل ہو گیے اور نقصان اُٹھایا۔ اِس کے بعد والی سورۃ سورۃ ہمزہ میں اُس عذاب کا نقشہ ہے جس میں وہ لوگ مبتلا ہوں گے۔ سورۂ والعصر ان دونوں کے درمیان میں اِس لیے رکھی گئی ہے کہ ان لوگوں کو آرزوؤں کی نامرادی اور کوششوں کی بربادی کی طرف توجہ دلائی جائے ساتھ ہی ساتھ اِس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ مومنین کے لیے

فلاح وکامیابی یقینی ہے اور کامیابی کے اس راستے کی طرف بھی رہنمائی کی ہے۔ قرآن مجید کا یہ خاص انداز ہے کہ وہ دو چیزوں کا مقابلہ کرکے عقلِ انسانی کو سوچنے اور غور کرنے کی دعوت دیتا ہے۔ مثلاً اچھے لوگوں کے ساتھ بُروں کا ذکر، جنّت کے ساتھ دوزخ کا۔ نیکیوں کے ساتھ بدیوں کا وغیرہ۔ اب یہ فیصلہ خود انسان کے ہاتھ ہے کہ وہ کس راہ کو اختیار کرے۔

بہرحال اِس سورۃ کی بھی مکمل توضیح وتشریح کی ہے اور جتنی باتیں بھی اِس سورۃ سے متعلق ہوسکتی تھیں اُن سب کو پوری تفصیل سے بیان کیا ہے۔

تفسیر سورۃُ الکافرون :-

اِس سورۃ میں مولانا نے بارہ مختلف عنوانوں کے تحت کئی اہم باتوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔ خصوصًا اِس بات پر بہت زور دیا ہے کہ یہ سورۃ "برأت" کی سورۃ ہے۔

۱۔ اس سے پہلے سورۃ الکوثر میں بشارت تھی کہ مسلمانوں کو فتح ونصرت حاصل ہوگی اور اُن کا دشمن ذلیل ہوگا۔ اِس سورۃ میں اِس بات کا اعلان کیا گیا کہ مسلمانوں کا کافروں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

۲۔ یہ سورۃ کفّار سے علاحدگی اور قطع تعلق کی ہے اِس لیے اسے سورۃ برأت کی طرح ہجرت وجنگ کی سورۃ سمجھنا چاہیے۔ سورۃ برأت میں اور اس میں فرق یہ ہے کہ وہ فتحِ مکّہ سے پہلے نازل ہوئی تھی اور یہ ہجرت سے پہلے۔ اُس کی ابتدائی آیتیں برأت کا اعلان کرتی ہیں اور یہ پوری سورت اعلانِ برأت ہے۔ علمائے سلف نے اس کے کئی نام بیان کیے ہیں متشقشقہ اور منابذہ بھی لوگ اس کا نام بیان کرتے ہیں۔ جن کا

مطلب قطع تعلق اور علاحدگی ہے۔ جب کفّار کا بغض و عناد انبیا سے بہت بڑھ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ انھیں ہجرت، برأت اور جنگ کی اجازت دیتا ہے اور اُس کے بعد غضبِ الٰہی نازل ہوتا ہے جس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔

۳۔ کسی قوم میں نبی کی بعثت کی ضرورت اُس وقت ہوتی ہے جب وہ قوم انتہائی بحران میں مبتلا ہو اور پھر

۱۔ یا تو پوری قوم بجز چند نیک لوگوں کے ہلاک کردی جاتی ہے جیسے حضرت نوحؑ وغیرہ کے ساتھ ہوا۔

۲۔ یا آخری منزل پر قوم چونک جاتی ہے اور اپنی اصلاح کرلیتی ہے جیسے حضرت ابراہیمؑ، حضرت داؤدؑ، حضرت محمد صلعم کے ساتھ ہوا۔

۳۔ یا پوری ایک اُمّت تباہ کردی جاتی ہے اور اُس کی جگہ دوسری اُمّت پیدا ہوتی ہے جیسے حضرت موسیٰؑ کے مقابلے میں فرعون اور اُس کی قوم مٹادی گئی۔

اللہ کا عذاب اُس وقت آتا ہے جب حالات سُدھر نہ سکتے ہوں۔ پیغمبر ہجرت کرجاتا ہے اور بقیہ قوم عذاب الٰہی میں گرفتار ہوتی ہے۔ غلبہ اللہ کی جماعت کو نصیب ہوتا ہے اور ذلّت کافروں کے حصّے میں آتی ہے۔

۴۔ نبی سب سے پہلے دعوتِ حق پیش کرتا ہے جب مایوس ہوتا ہے تو ہجرت اور برأت کی منزل آتی ہے اور آخر میں فتح و نصرت کا نمبر ہے۔ حق کی جیت ہوتی ہے اور باطل مٹ جاتا ہے "سورۂ ہُود" "سورۂ یوسف" وغیرہ میں اس کی مثالیں موجود ہیں۔ "حتیٰ اذا استیئس الرسل وظنوا انھم قد کذبوا جاءھم نصرنا" انبیا ہمیشہ توحید کی دعوت دیتے ہیں۔ اپنی بندگی کا اقرار کرتے ہیں۔ توبہ کے بعد مغفرت کی درخواست کرتے ہیں۔ اِس کے جواب میں کافرین

اُن کا مذاق اُڑاتے ہیں، اُن کو تکلیفیں دیتے ہیں، پریشان کرتے ہیں اور اُن کو وطن سے نکالنے میں بھی اُنھیں باک نہیں ہوتا۔ جب معاملات حد سے گزر جاتے ہیں تو مجبور ہو کر پیغمبر خدا سے فریاد کرتا ہے اور پھر اُن لوگوں کو سزا ملتی ہے اور اچھے لوگ زمین کے وارث ہوتے ہیں۔

۵۔ جس وقت تک نبی قوم میں موجود ہوتا ہے عذاب کا دروازہ بند اور توبہ و مغفرت کا دروازہ کھلا رہتا ہے۔ لیکن جب وہ مایوس ہو جاتا ہے اور اللہ کے حکم سے ہجرت کر جاتا ہے تو پھر عذاب الٰہی کے آنے میں دیر نہیں لگتی۔

جب تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کفار قریش کے درمیان موجود رہے عذاب الٰہی نہ آیا۔ اگرچہ وہ اُس کے مستحق ہو گئے تھے کہ ان سے کعبہ کی تولیت سلب کر لی جائے اور قہر نازل ہو لیکن اللہ تعالیٰ ارحم الراحمین ہے آخر تک توبہ کی مہلت دیتا ہے اور مغفرت کا دروازہ کھلا رکھتا ہے۔

۶۔ اس سورۃ کی آیات پر اگر غور کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ یہ براءت و ہجرت کی سورۃ ہے۔ قرآن مجید میں اور بھی کئی جگہوں پر ایسی آیتیں ہیں جن سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے اپنی قوم سے الگ ہوتے وقت اعلان کیا تھا "انا براء منکم وما تعبدون من دون اللہ کفرنا بکم وبدأ بیننا وبینکم العداوۃ والبغضاء ابداً حتی تومنوا باللہ وحدہٗ" اسی طرح اپنے والد اور قوم سے اس طرح اظہار براءت کیا ہے "انّنی براء مما تعبدون الا الذی فطرنی فانہ سیھدین" مطلب یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ مسلسل اپنی قوم کو مختلف انداز سے ہر ہر موقع پر حق کی دعوت دیتے رہے، بتوں کی پرستش سے روکتے اور سمجھاتے کہ یہ پتھر نفع و نقصان

نہیں پہنچا سکتے۔ لوگ اُن سے خفا ہو گیے اور جس وقت انھوں نے بتوں کو توڑ کر پھینک دیا تو پارہ اور بھی چڑھا اور اُن کو جلا دینے کی تجویز پیش ہوئی۔ اب ہر طرف سے ناامیدی ہو گئی اور یہ بات طے ہو گئی کہ یہ لوگ ایمان نہیں لا سکتے

۷۔ اللہ تعالیٰ نے سوائے اس سورۃ کے منکرین قریش کو "کافرون" کہہ کر مخاطب نہیں کیا ہے اور یہ اُس وقت استعمال کیا ہے جب اُن کی طرف سے مسلسل انکار نے مایوس کر دیا۔ کفار کہا کرتے تھے۔ نحن اکثر اموالا و اولادا و ما نحن بمعذبین" (ہم مال و اولاد میں تم سے زیادہ ہیں۔ ہم پر عذاب نہیں کیا جائے گا) غرض جب کفر و استبداد بڑھ جاتا ہے تو عذاب لازمی ہوتا ہے۔ یہی وقت ہے جب نبی اپنی برأت کا اعلان کر کے ہجرت کرتا ہے اور پھر عذاب آتا ہے۔

۸۔ پرانی قوموں میں جو چیز رشتہ اور تعلق پیدا کرتی تھی وہ ان کے بت ہی تھے۔ مختلف قومیں مختلف بتوں کی پرستش کرتی تھیں۔ اس لیے جب یہ کہا گیا کہ "لا اعبد ما تعبدون ولا انتم عابدون ما اعبد" تو اس کا مطلب واضح طور پر یہ ہوا کہ "انا بری منکم وانتم براء منی"

۹۔ قرآن مجید کی بلاغت مسلّم ہے۔ برأت کا اعلان واضح انداز میں ہے۔ لفظ "عابدون" مستقبل کی امیدوں کو ختم کرتا ہے اور "عبدتم" ان کفار کے قدیمی دین سے بیزاری کا اعلان کرتا ہے۔

۱۰۔ "لکم دینکم ولی دین" کلام کا خاتمہ ہے جس میں اوپر کی تمام باتیں آگئی ہیں۔ کفار کسی طرح راہ راست پر نہیں آتے تھے۔ نبی صلعم نے آخری کوشش کی اور اپنی برأت کا اعلان کر کے ہجرت کر گیے کہ اب شاید ان کی آنکھیں کھلیں اور ہوش آجائے۔ اس کے بعد کچھ لوگ ایمان لائے اور جن کے لیے عذاب مقدر ہو چکا تھا وہ اسی حال میں رہے۔ اسی طرح سے فتح مکّہ کے وقت بھی آپ نے آخری

تبلیغ فرمائی اور توبہ کے دروازے کھلے ہونے کا اعلان اللہ کی طرف سے کیا۔ بہت سے لوگوں کو عقل آئی اور ایمان لے آئے۔ اِس لیے سورۂ برأت کو سورۂ توبہ بھی کہتے ہیں۔ سورۂ کافرون کو ایسی سورۃ کے ساتھ رکھا گیا ہے جس میں عام توبہ اور لوگوں کے دینِ الٰہی میں بہ کثرت داخل ہونے کی اطلاع ہے۔

۱۱۔ ہجرت، جنگ اور برأت کا اعلان ہے یہی وجہ ہے کہ بنی صلعم کی ہجرت کے بعد کفّار جنگ کی تیاّریوں میں مصروف رہنے لگے تھے۔ اِس سلسلے میں ابنِ جریر طبری نے تاریخی روایتوں سے اِس کو ثابت کیا ہے۔ کعب بن مالک اور براء بن معرور کی روایتوں سے اس کا ثبوت مل جاتا ہے۔ اِن روایات سے پتہ چلتا ہے کہ ہجرت نہ صرف قریش بلکہ تمام کفّار سے جنگ کا پیش خیمہ تھی۔ بنی صلعم اُس وقت تک مکّہ میں مقیم رہے جب تک ذرا بھی آس باقی تھی کہ شاید لوگ راہِ حق پر آجائیں۔ لیکن جب آپ کے قتل کا منصوبہ بن گیا تو ہجرت کا حکم آیا اور آپ ان مشکلات ومصائب سے نجات پاگیے جن کو اب تک جھیل رہے تھے۔ لیکن اِس کی شکل فرار کی نہیں بلکہ برأت کی ہے جو دوسرے انبیا کی بھی سُنّت رہ چکی ہے۔

۱۲۔ یہ سورۃ جنگ کی ہے۔ جنگ کے بعد فتح ونصرت کا وعدہ ہوتا ہے اِس لیے اِس کے ساتھ ہی "سورۃ النصر" کو رکھا ہے۔ قرآن مجید میں اِن دونوں کے باہم ارتباط کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں اور اس فتح کا اصل مقصد یہ تھا کہ اولادِ ابراہیم بُرائیوں کی آلودگیوں سے پاک ہوکر ایک خدائے لاشریک لہٗ کی پرستش میں لگ جائے۔

اسی انداز پر انھوں نے تفسیر لکھی ہے۔ ماقبل اور مابعد سے تعلق بیان کیا ہے۔ الفاظ کی تشریح اور واقعات کا تفصیلی ذکر کیا ہے۔ آیتوں کا مطلب یوں

سے بھی بہت سی جگہوں پر بیان کیا ہے۔ یہ تفسیر ان کو علما کی صف میں ممتاز کرتی ہے اور اس بات کا ثبوت ہے کہ انھیں روایتی علما کی طرح سے مفہوم اور معنوں پر قناعت نہ تھی بلکہ یہ خود اپنے دماغ اور عقل کے بھرپور سے پر آیات الٰہی پر غور کرتے اور زیادہ بہتر مفہوم نکالتے تھے۔ تاکہ لوگ قرآن کی عظمت اور اس کے بیش بہا مطالب کو اچھی طرح سے سمجھ سکیں۔

تفسیر غرائب القرآن

کتابت حافظ فتح محمد بن حافظ محمد شریف بن اللہ بخش

یہ سارے قرآن کریم کی مکمل تفسیر نہیں ہے بلکہ مشکل آیتوں اور ضروری باتوں کی توضیح و تشریح کی ہے۔ کتاب کی ابتدا ان الفاظ سے ہوتی ہے:۔

"الحمد للہ علی کل حال والصلوٰۃ علی رسولہ بالغدو والآصال"

آصفیہ لائبریری حیدرآباد میں اس کا نسخہ موجود ہے (۱) اس میں ۴۵۴ صفحات ہیں۔ اس میں کوئی خاص قابلِ ذکر نہیں ہے۔ سیدھے سادے انداز میں مشکل مقامات اور الفاظ کی تشریح کر دی ہے۔

بعض جگہوں پر آیات کی تفسیر کے ساتھ ساتھ حدیث کا حوالہ بھی دیتے ہیں۔

خاتمہ اس عبارت پر ہوتا ہے:۔

"فرغ عن کتابۃ عمدۃ التفسیر تیسیرا لمسیر و توفیق الموفق
اضعف عباد اللہ الجمیل حافظ فتح محمد بن حافظ محمد
شریف بن اللہ بخش والحمد للہ علی ما انعم و اولی و
له الشکر فی الآخرۃ والاولی والصلوٰۃ والسلام علی محمد

---

(۱) نمبر ۱۶۷

والہ اجمعین ۔"

خاتمے کی عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ اس کتاب کا نام "تفسیر غرائب القرآن" نہیں بلکہ "عمدۃ التفسیر" ہے۔ لیکن لائبریری کی فہرست میں پہلا نام ہی لکھا ہے۔ سنہ تحریر کا پتہ نہیں چلتا۔ پہلے صفحے پر "عرض دیدہ بتاریخ شانزدہم جمادی الاول ۱۱۶۴ھ" لکھا ہوا ہے۔ اس سے خیال ہوتا ہے کہ یہ کتاب اسی دور کے قریب کی ہے۔

خلاصۃ التفاسیر

محمد حسین بن محمد باقر الطبیب

کتب خانہ ناصریہ لکھنؤ میں اس کا دوسرا حصّہ موجود ہے (۱) اس میں ۴۸۴ صفحات ہیں اور ۱۲۵۹ھ کی کتابت ہے۔ مصنّف شیعہ مذہب سے تعلق رکھتے ہیں۔ پہلے صفحے پر سیّد محمد قلی خان کی مہر ہے اور ایک مختصر سی عبارت فارسی میں لکھی ہے جو ٹھیک سے پڑھی نہ جا سکی۔ اس کے پہلے حصّے کا پتہ نہیں چلتا ہے۔ اس کی ابتدا ان الفاظ سے ہوتی ہے۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم رب یسّر الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید الانبیاء والمرسلین وآلہ الطیبین الطاہرین المعصومین۔"

یہ نسخہ سورۂ مریم سے شروع ہو کر سورۂ حم السجدہ کی اس آیت پر ختم ہوتا ہے۔

"فلنذیقن الذین کفروا عذابا شدیدا ولنجزینہم اسواء الذی کانوا یعملون (۲)

کسی سورت کی تفسیر بیان کرنے سے پہلے اُس سورۃ کے متعلق تفصیل بیان کر دینے

---

(۱) نمبر ۲۷

(۲) حم السجدہ آیت ۲۷

ہیں یعنی پہلے سورۃ کا نام پھر آیات کی تعداد پھر مکی یا مدنی کی تفریق، کلمات کی تعداد
حروف کی تعداد اور سورۃ کی فضیلت کا ذکر کرتے ہیں۔

سورۂ مریم کی تفسیر میں پہلے یہ بتاتے ہیں کہ اس میں ۹۸ آیات ۹۶۲ الفاظ
اور ۳۸۰۲ حروف ہیں۔ پھر اُس کے فوائد اور فضائل بتائے ہیں۔

اسی طرح سے اُنھوں نے ہر سورۃ کے شروع میں اُس کی فضیلت بیان کی ہے۔

اس تفسیر میں کوئی خاص بات قابلِ ذکر نہیں ہے، رسید ھے سادے انداز میں مشکل آیات
کی تشریح و توضیح کردی ہے۔ عبارت آرائی یا فنی اور لغوی بحثوں سے اجتناب کیا ہے۔ البتہ
اگر کوئی ضروری بات کسی آیت یا سورۃ سے متعلق ہے تو اس کو حاشیے پر بیان کردیا ہے اور
جہاں مناسب معلوم ہوا اپنا نقطۂ نظر بھی بیان کردیا ہے۔

کتاب کا جو حصّہ مل سکا ہے اُس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مصنف نے تمام ایسی باتوں
سے گریز کیا ہے جن سے طویل بحثوں کا خطرہ ہے۔ ویسے اندازہ یہ ہے کہ اس کتاب کے کم از
کم تین حصّے ہوں گے۔ کتاب کی تصنیف کا مقصد صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید
میں جو مشکل مقامات یا الفاظ آگئے ہیں اُن کی ضروری تشریح کردی جائے۔
بہت ہی کم جگہوں پر دوسری تفسیروں یا اور فنی کتابوں کی عبارتیں نقل کی ہیں۔

تفسیر احسن القصص

مولانا سید علی محمد صاحب

یہ سورۂ یوسف کی بہت ہی مفصل تفسیر ہے جو شیعی نقطۂ نظر سے لکھا گیا ہے۔ بڑے سائز پر آٹھ سو بارہ مطبوعہ صفحات پر مشتمل یہ تفسیر تفصیلی باتوں اور واقعات کے بیان کے لحاظ سے کافی مواد اپنے اندر رکھتی ہے۔ بیشتر جگہوں پر اسرائیلی روایات بھی نقل کی ہیں۔ یہ اصل عبرانی زبان میں ہی ہیں اور ان کا عربی ترجمہ دیا ہے۔ تفسیر کے پہلے ہی صفحے پر یہ لکھا ہے کہ "یہ کتاب خاص اہل مذہب شیعہ کے لیے اچھی ہے" اسی پر بس ہوتا تو کوئی بات نہ تھی۔ عجیب یہ ہے کہ اس کے بعد دوسری سطر میں لکھا ہوا ہے کہ "اہل سنت وجماعت نہ اس کو دیکھیں اور نہ خریدیں۔"

پوری کتاب میں گھما پھرا کر حضرت علی، حضرت حسین، حضرت حسن کے تذکرے ہیں ان کے علاوہ وہ بہت سی جگہوں پر مختلف اماموں اور ان کے کارناموں کا ذکر ہے۔ اپنے فرقے کی عظمت کا احساس ہر جگہ نظر آتا ہے۔ بہت سی جگہوں پر تو یہی بات سمجھ میں نہیں آتی کہ جو واقعہ بیان کر رہے ہیں اس کا مقصد کیا ہے اور اس کا تفسیر سے کیا تعلق ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعات بچپن سے آخر تک انتہائی مفصل طریقے پر اس میں درج ہیں۔ خصوصاً بھائیوں کا ان کو تفریح کے لیے لے جانا اور جس

وقت یہ لوگ والد سے اجازت طلب کرنے گیے ہیں تو اُن کے اضطراب کا تذکرہ۔ حضرت یعقوبؑ کا بڑی مشکلوں سے اجازت دینا اور رخصت کے وقت تھوڑی دور ساتھ آنا اور طرح طرح سے لڑکوں سے اس بات کی اطلاع کرنا کہ حضرت یوسف کا پوری طرح خیال رکھیں۔ یہ تمام اضطرابی کیفیت بہت ہی تفصیل سے بیان کی ہے ۔ اور جب بھائیوں نے حضرت یوسف کو اندھے کنویں میں ڈال دیا اور خون میں رنگی ہوئی قمیص لے کر حضرت یعقوبؑ کے پاس آئے اور بھیڑیئے کی داستان تصنیف کی تو حضرت یعقوبؑ کا گریۂ وبکا بہت بڑھ گیا۔ لیکن وہ پیغمبر تھے اُن کو اپنے لڑکوں کی چال کا پورا علم ہوگیا۔ یہ تمام باتیں مفصل لکھی ہیں۔

اِس سلسلے میں کچھ اور واقعات بھی بیان کیے ہیں مثلاً حضرت یوسف کے مصر پہنچنے سے قبل منادی نے یہ اعلان کیا کہ مصر میں ایک ایسا لڑکا داخل ہونے والا ہے جو حسن و جمال میں حور و غلمان سے اور زہد و تقویٰ میں فرشتوں سے بڑھ کر ہے جو بھی اِس کی طرف دیکھ لے گا۔ نجات پا جائے گا۔ اِس کا نتیجہ یہ نکلا کہ تمام لوگ شہر سے نکل کر اُن کو دیکھنے کے لیے جمع ہوگیے۔ اِس میں یہ بھی بیان کیا ہے کہ زلیخا نے حضرت یوسف کو سات سال کی عمر میں خواب میں دیکھا تھا اور اس وقت سے آپ اُس کے ذہن پر چھائے ہوئے تھے اور بعد کے تمام واقعات اُسی کا نتیجہ تھے۔

اسی طرح سے جیل کے واقعات۔ وہاں لوگوں کے ساتھ حسن سلوک، اخلاص کی تعلیم، خوابوں کی تعبیر بیان کرنا۔ لوگوں کا متاثر ہونا۔ غرض ہر بات کا ایک ایک جز و پوری طرح بیان کیا ہے۔ جیل سے رہائی کے وقت اپنی برأت کا اقرار کرالینا وغیرہ کو اسرائیلی روایات کی روشنی میں مفصل بیان کیا ہے۔

اِن سب باتوں کے بیچ بیچ میں جہاں حوالے ہیں وہاں عبرانی زبان کی لمبی لمبی عبارتیں نقل کی ہیں، اور اِن کا عربی ترجمہ لکھا ہے۔ اِس کے ساتھ ساتھ دوسرے

واقعات بھی نقل کرتے گئے ہیں۔ اگر کوئی خواب دیکھا ہے یا کسی بزرگ کا واقعہ اس سے ملتا جلتا ہوا نظر آیا ہے تو اس کو بھی بیان کر دیا ہے۔ مگر ان سب باتوں میں شیعی نقطۂ نظر کو ملحوظ رکھا ہے اور اپنے مذہب کی باتیں واضح طور پر پیش کی ہیں۔

حضرت علیؓ، حضرت حسینؓ و حسنؓ، امام صادق، امام سجاد اور دوسرے اماموں کی عظمت کا اظہار، اُن کے واقعات، خیالات اور روایات کو بھی پیش کیا ہے۔ اکثر جگہوں پر اُن کی فضیلت کا بھی ذکر کیا ہے۔ اپنے بالکل نئے طرز و انداز کی وجہ سے یہ تفسیر کم رہ گئی ہے اور ایک تاریخی کتاب زیادہ بن گئی ہے۔ اور تاریخ بھی وہ جس کا تعلق دورِ قدیم سے ہے اور جس کے حالات ہمیں متفرق جگہوں پر ملتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خود مصنف کا بھی یہی خیال تھا کہ اس تفسیر میں تمام وہ واقعات درج کر دیے جائیں جن کا تعلق کسی بھی طرح حضرت یوسف کے واقعات سے ہو۔ اتنے بے شمار اور طرح طرح کے واقعات اس کتاب میں ملتے ہیں کہ اکثر اوقات ان میں اشتباہ ہونے لگتا ہے۔

الرسالہ فی التفسیر

محمد الکریمی

چھوٹا سا آٹھ صفحوں کا رسالہ ہے (۱) خدا بخش لائبریری پٹنہ میں موجود ہے۔ اس رسالہ میں "ان اللہ یا مرکم ان تذبحوا البقرۃ (۲)" کی تفسیر کی ہے اس میں انھوں نے پہلے تو یہ دکھایا ہے کہ عام طور سے لوگوں نے اس کی تشریح غلط کی ہے۔ سب لوگ "ان تذبحوا البقرۃ" میں اُلجھ گئے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ کوئی قید نہیں ہے۔ جس طرح کی گائے چاہو ذبح کرو اور بعض کے نزدیک قید ہے۔ اس سلسلے میں انھوں نے امام رازی وغیرہ کی طویل بحثوں کے حوالے دئے ہیں۔ اُن کے نزدیک کوئی متعین گائے نہیں تھی بلکہ اللہ تعالیٰ کا حکم تھا کہ گائے ذبح کرو۔ اس کے ذریعے سے قاتل کا پتہ چل جائے گا۔

بہرحال اچھی خاصی بحث کی ہے۔ کتاب کی ابتدا یہ ہے۔

"الحمد للہ الذی شرف الانسان علی کل حیوان بشرف العقل"

خاتمہ پر اشعار ہیں :-

---

(۱) مخطوطہ نمبر ۲۶۷۹ (۲) سورۂ بقرہ آیت ۶۷

فالمرء مفتون بتالیفه　　ونفسه فی مدحه غاویه

انسان اپنی تالیف پر مفتون ہوتا ہے　　اور اس کا نفس اپنی تعریف میں

والفضل من ناظران یری　　ماقد حوی بالمقلة الراضیه

اس کو ملاحظہ کرنے والوں کی مہربانی سے امید ہے　　کہ جو کچھ اس میں ہے اس کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھیگا

وان یجد عیبا یکن ساترا　　عوارة بالمنة الوافیه

اگر کوئی عیب پائے گا تو اسے　　براہ کرم چھپا دے گا

والحمد لله وحده وصلی الله علی من لا نبی بعده ۔۔

نقد الدرر

مظہر حسن جے پوری

یہ ۱۳ صفحات کا چھوٹا سا مطبوعہ رسالہ ہے جس میں "انا عرضنا الامانتہ علی السمٰوٰت والارض والجبال فابین ان یحملنہا واشفقن منہا وحملہا الانسان انہ کان ظلوما جہولا (۱) کی تشریح و تفسیر کی گئی ہے۔ اس کے مصنف بھی شیعہ ہیں۔ ابتدا یوں ہوتی ہے

"اعلم ان الضمیر فی کلمتہ منہا اما یرجع الی الامانتہ فیقدر المعنات

"امانت" کیا تھی جس کو اٹھانے سے انسان کے علاوہ ہر ایک نے انکار کیا۔ اس کے متعلق لکھتے ہیں۔

بعض لوگوں نے امانت سے ذاتِ الٰہی کی معرفت مُرادلی ہے اور بعض نے شریعت کی ذمہ داری بتایا ہے۔ لیکن فرقۂ شریفہ شیعہ کے اہلِ تحقیق اس سے مقام حمد مُراد لیتے ہیں جس کا منتہٰی ذاتِ احمدی پھر ذاتِ علوی ہے۔ (۱)

---

(۱) سورۃ الاحزاب آیت ۷۲

اِس رسالے کا خاتمہ اِن الفاظ پر ہوتا ہے۔

" قد فرغ من تسوید ھذہ السطور۔۔ ۔ ۔۔ ۔۔

فی شھر ربیع الثانی۔ العام سنۃ ۱۳۱۲ من الھجرۃ

المقدسۃ المبارکۃ حامدا ومصلّیا۔"

تیسرا باب

حاشیہ علیٰ مدارک التنزیل

مولانا الٰہ داد جون پوری متوفی ۹۲۳ھ

جون پور کے اہم اور مشہور علماء میں سے تھے۔ شیخ عبداللہ تلبنی (۱) کے شاگرد تھے۔ سید حامد شاہ مانک پوری (۲) سے بیعت تھے۔ اس بیعت کا قصہ یوں بیان کیا جاتا ہے۔ کہ ان کے ایک ساتھی حامد شاہ کے مرید تھے۔ مولانا الٰہ داد نے کہا کہ تم نے بیعت کرکے طالب علموں کی عزّت برباد کر دی ہے۔ اُس ساتھی نے اُن کو حامد شاہ کی مجلس میں آنے کی دعوت دی اور خود امتحان لینے کے لیے کہا۔ مولانا بعض مشکل مسائل کو تیار کرکے حامد شاہ کے یہاں پہنچے اور اُن سے سوالات کیے۔ حامد شاہ نے اُن کو پوری طرح سے مطمئن کر دیا تو یہ خود بھی اُن کے مرید ہو گیے۔

درس و تدریس اُن کا شغل تھا۔ نحو، فقہ اور اصولِ فقہ میں اپنے دور میں ممتاز تھے۔ مدارک التنزیل، کافیہ، ہدایہ وغیرہ کی شرحیں لکھیں۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سی تصانیف کے مالک تھے۔ (۳)

اِس کتاب کا قلمی نسخہ علی گڑھ میں مولانا عبدالحیٔ فرنگی محلی کے ذخیرے میں موجود ہے۔ (۴) اس میں ۲ ۹ ۳ ۔ اوراق ہیں۔ یہ شیخ ابوالبرکات حافظ الدین

---

(۱) متوفی ۹۲۲ھ (نزہۃ ۴/۲۰۴) (۲) متوفی ۹۰۱ھ (نزہۃ ۴/۸۴) (۳) نزہۃ ۴/۱۴ اخبار الاخیار ص ۱۹۱) (۴) مخطوطہ نمبر ۸/۹ ۔

عبداللہ بن احمد بن محمود نسفی (۱) کی مشہور و معروف تفسیر مدارک التنزیل وحقائق التاویل کا حاشیہ ہے۔ پہلے صفحے پر کئی مہریں ہیں جو صاف پڑھی نہ جا سکیں۔ اس کے علاوہ مختلف تحریریں ہیں۔ ایک مہر کے نیچے "عرض دیدہ" اور ۱۰۷۹ھ بھی لکھا ہے۔ مختلف تاریخیں اور بھی لکھی ہیں۔ ایک مہر کے نیچے ۱۱۸۴ھ بھی لکھا ہے۔ ایک ہلکی سی مہر ۱۰۷۵ھ بھی پڑھی جاتی ہے۔

یہ حاشیہ شروع قرآن مجید سے سورۂ مریم تک ہے۔ شروع اور آخر میں ایک ہی شخص کی تحریر معلوم ہوتی ہے لیکن نصف آخر میں بیچ کے کچھ صفحات کسی دوسرے شخص کے لکھے ہوئے ہیں۔ کیوں کہ اندازِ تحریر بدلا ہوا ہے۔ اس حاشیہ کو لکھنے کی وجہ یہی معلوم ہوتی ہے کہ مشکلات کو آسان اور عام فہم کیا جا سکے۔ بیضاوی کی طرح سے یہ بھی چوں کہ داخل نصاب رہی ہے اس لیے اس کی ضرورت بھی تھی کہ مشکل مقامات پر مزید بحثیں کر کے اہم نکتوں کی تشریح کی جائے۔

مصنّف نے اس میں پوری کوشش کی ہے کہ اُلجھی ہوئی بحثوں اور مبہم باتوں کی پوری توضیح کریں۔ تفسیر کے علاوہ گرامر، لغت اور روایات کے سلسلوں پر بھی نظر رکھی ہے۔ بہت سی ایسی احادیث بھی نقل کی ہیں جن کا اصل تفسیر میں محض حوالہ ہے۔ شانِ نزول اور واقعات کا ذکر بھی کیا ہے۔

اس کتاب کی ابتدا یوں ہوتی ہے :

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ علیٰ رسولہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین رضی اللہ عنہم۔

ان کا طرزِ بیان سمجھنے کے لیے مندرجۂ ذیل عبارت کافی ہے، جس میں انھوں نے

---

(۱) انا لسلام ۱۹۲/۴

"کذب" اور "فساد" کی تشریح کی ہے۔

"کسی چیز کے بارے میں خلاف واقعہ خبر دینا کذب ہے۔"

"کسی چیز کا درستی اور قابلِ انتفاع حالت سے نکل جانا "فساد" کہلاتا ہے۔ یہ اصولیوں کے اُس بیان کے خلاف ہے جو انھوں نے فاسد اور باطل کے فرق کے سلسلے میں ذکر کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں جب اصل و وصف دونوں نہ رہیں تو باطل ہے اور جب اصل باقی ہو مگر وصف نہ موجود ہو تو اسے فاسد کہتے ہیں۔ مثلاً لولو فاسد وہ موتی ہے جس میں چمک دمک نہ رہے۔"

اسی طرح سے انھوں نے بہت سی باتوں کی طرف اشارے کیے ہیں اور لغوی بحثیں کرکے مفہوم کی توضیح کی ہے۔ احادیث و اقوال کے ساتھ ساتھ دوسری تفسیروں مثلاً تفسیر کبیر، تفسیر زاہدی اور تفسیر کشاف کا ذکر بھی کرتے ہیں۔ بالخصوص کشاف کے بہت حوالے دیتے ہیں۔ امام شافعی کی بہت سی تاویلات بیان کی ہیں اور جہاں ان کو غلط سمجھتے ہیں اُن کی باتوں کی تردید دلائل سے کرتے ہیں۔ بہت سی جگہوں پر یہ بھی کیا ہے کہ جس مسئلہ کو بیان کر رہے ہیں اُس کی ذیلی سرخیاں حاشیے پر لکھ دیتے ہیں کہ یہ حصّہ اس مسئلہ کے بیان میں ہے۔

تفسیر مدارک بذاتِ خود کافی آسان اور سلجھی ہوئی ہے۔ یہ حاشیہ اگرچہ اس کی مزید توضیح میں ہے لیکن فنی باریکیوں اور علمی بحثوں کی وجہ سے خاصا مشکل ہو گیا ہے۔

اس کا اختتام ان الفاظ پر ہوتا ہے:۔

"قلت جاز ان یکون صوم النفل فی ....."

اس کے آگے صفحہ غائب ہے۔ اتنی ہی عبارت تک کتاب موجود ہے۔

حاشیہ تفسیر بیضاوی

مولانا وجیہ الدین علوی گجراتی۔ ولادت ۹۱۱ھ وفات ۹۹۸ھ

علامہ وجیہ الدین بن نصراللہ بن عماد الدین علوی گجراتی اپنے زمانے کے بہت بڑے عالم تھے۔ ان کے معاصرین میں کوئی بھی تصنیف و تالیف اور درس و تدریس میں اُن کے ہم پلہ نہ تھا۔ چاپانیر گجرات میں ۹۱۱ھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد علامہ عماد الدین محمد بن محمود طارمی (۱) کی شاگردی اختیار کی۔ منطق، حکمت، کلام وغیرہ کی تعلیم اُن سے حاصل کی۔ تھوڑے ہی عرصے میں مختلف علوم میں ماہر ہو گئے۔ بیس سال کی عمر میں فتویٰ دینے لگے اور درس و تدریس کا سلسلہ بھی شروع کر دیا۔

شیخ کی زندگی ہی میں ان کا شمار اکابر علما میں ہونے لگا تھا۔ چشتی طریقے کی تعلیم قاضی خاں چشتی (۲) سے اور شطاری طریقے کی تعلیم شیخ محمد غوث گوالیاری (۳) سے حاصل کی۔ انتہائی شریف النفس تھے۔ طبیعت میں قناعت تھی۔ سچے اور مخلص تھے۔ لباس میں کسی سے ممتاز نہ ہوتے تھے۔

---

(۱) متوفی ۹۴۱ھ (نزہتہ ۴/۳۱۵) (۲) متوفی ۹۴۰ھ (نزہتہ ۴/۲۶۵)

(۳) متوفی ۹۷۰ (نزہتہ ۴/۲۹۳)

جو کچھ بھی اُن کے پاس ہوتا طلباء پر خرچ کر دیتے تھے۔ دُنیا وی سامان سے پرہیز کرتے تھے اور اُس کے حصول کے لیے ذرا بھی کوشش نہ کرتے تھے۔ دن رات عبادت وریاضت اور تعلیم دین میں مشغول رہتے تھے۔ ان کو تصنیف و تالیف اور اچھی عبارت لکھنے کا ملکہ تھا۔ ان کی مفید تصانیف میں حاشیہ علیٰ تفسیر بیضاوی، حاشیہ علیٰ اصول بزدوی حاشیہ علیٰ المطوّل والمختصر، حاشیہ شرح وقایہ، حاشیہ علیٰ شرح الشمسیہ للرازی وغیرہ مشہور ہیں۔ ۹۹۸ھ میں اُن کا انتقال ہوا۔ اُن کی قبر احمد آباد میں ہے۔(۱)

بادشاہ وقت (۲) اُن کی بڑی قدر و عزت کرتا تھا۔ اور اُن کے علم سے بہت متاثر تھا۔ سید محمد غوث گوالیاری شیر شاہ سے ڈر کر احمد آباد آ گیے تھے۔ یہاں اُن کے بہت سے مخالف ہو گئے تھے۔ انھوں نے ایک رسالہ معراج نامہ لکھا تھا اس پر علماء نے اعتراضات کیے اور اُن کے خلاف ایک محضر نامہ تیار کیا جس کی رُو سے انھیں قابلِ قتل ٹھہرایا گیا تھا اس پر تمام علماء نے مہریں ثبت کر دیں یہاں تک کہ شیخ علی متقی (۳) نے بھی جو اس دور کے انتہائی عظیم بزرگ تھے۔ یہ محضر نامہ بادشاہ کو بھیج دیا گیا۔ بادشاہ نے اسے دیکھ کر کہا کہ جب تک اس پر شیخ وجیہ الدین کی مہر نہ ہوگی۔ قتل کا حکم نہیں دیا جا سکے گا۔ یہ کاغذ شیخ صاحب کے پاس آیا۔ انھوں نے سید صاحب سے ملاقات کی اور پہلی ہی ملاقات میں اُن کی علمی فضیلت کے قائل ہو گیے اور اس کاغذ کو پھاڑ کر پھینک دیا (۴)۔

اس حاشیے کے تین نسخے نظر سے گزرے ہیں۔ ایک علی گڑھ میں حبیب گنج کلکشن میں اوراق (۱۸۷) دوسرا حیدر آباد میں آصفیہ لائبریری میں (صفحات ۵۸۱) تیسرا حیدر آباد

---

(۱) نزہتہ ۴ / ۳۸۵

(۲) اکبر (انھوں نے بابر، ہمایوں اور شیر شاہ وغیرہ کا دور بھی دیکھا تھا)

(۳) تذکرہ ص ۳۴۸ مآثر الکرام دفتر اول ص ۱۹۲

ہیں سالار جنگ لائبریری میں (صفحات ۴۶۸)۔ تینوں نسخے مکمل ہیں۔ تینوں نسخوں کے کاتب مختلف ہیں اور مختلف سنوں میں نقل ہوئے ہیں۔ سالار جنگ کا نسخہ ۱۰۴۸ھ کا ہے۔ علی گڑھ کے نسخے کی ابتدا اس طرح سے ہوتی ہے۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب"

حیدرآباد والے نسخوں میں ایک آدھ لفظ بدلا ہوا ہے۔ تینوں نسخے ابتداء سے لے کر سورۂ حجر تک ہیں۔ سالار جنگ کے نسخے میں کاتب نے آخر میں یہ عبارت لکھی ہے جس سے کاتب کا نام اور سنہ تحریر کا پتہ چلتا ہے۔

تمت تمام شد کاتب حروف عبدالرحمٰن بن میاں صدیق شہر ذوالقعد تاریخ ثمانیۃ وعشرون (۲۸ ذی قعدہ ۱۰۴۸ھ) سنۃ ثمانیۃ واربعین والف"۔

آصفیہ کے نسخے میں کاتب نے خاتمے پر یہ عبارت لکھی ہے

"ھذہ الحاشیۃ المبارکۃ لسید العلماء والفضلاء وافضل الشرفا والفقہا المستقیم علی الصراط النبوی الشیخ وجیہ الدین المعروف بالعلوی اسکنہ اللہ تعالیٰ (۱) .... الجنان وافاض اللہ علیہ شآبیب الغفران علی تفسیر البیضاوی وقت الضحوۃ من الاثنین السلوک فی شہر الشوال المعظم"

علی گڑھ کے نسخے میں اختتام کے الفاظ کاتب نے یوں لکھے ہیں۔

"تمام شد حاشیہ میاں شیخ وجیہ الدین بر تفسیر بیضاوی بتاریخ ۲۲ شہر ذی الحجۃ روز دوشنبہ ۱۰۷۸ ہجری در احمد آباد گجرات۔"

اس حاشیے کا مقصد بھی وہی تھا جو اور لوگوں کے پیش نظر رہا ہے یعنی بیضاوی کی مشکلات کو حل کرنا اور مسائل کو زیادہ آسان انداز میں ذہن نشین کرانا۔ اس سلسلے میں

---

(۱) کرم خوردہ

انھوں نے خاصی کوشش کی ہے۔

بیضاوی کی عبارت کو قولہ کے بعد لکھتے ہیں۔ اس کے بعد اس کی تشریح کرتے ہیں۔ بعض بعض جگہوں پر بیضاوی اور اُن کی عبارتوں میں تفریق کرنا مشکل ہو گیا ہے۔ اس لیے کہ کوئی ایسی علامت نہیں ہے جس سے دونوں کو الگ الگ کیا جا سکے۔

انھوں نے اس بات کی پوری کوشش کی ہے کہ عبارت کہیں بھی اُلجھنے نہ پائے جتنی بھی عبارتیں ہیں سب صاف اور سیدھی ہیں۔ جہاں پر ضرورت ہے گرام سے بھی بحث کی ہے زمخشری (۱) علامہ تفتازانی (۲) اور جوہری (۳) کے حوالے موجود ہیں۔ اس دور کی دوسری شرحوں کے مقابلے میں ان کی شرح زیادہ بہتر ہے اور اس سے مفہوم کے سمجھنے میں زیادہ آسانی ہوتی ہے۔ انھوں نے اس میں بلا وجہ کی بحثیں نہیں کی ہیں اس کی کوشش کی ہے کہ لوگ ان کی کتاب سے زیادہ فائدہ اُٹھائیں

---

(۱) محمود بن عمر بن محمد بن احمد الخوارزمی الزمخشری جار اللہ ابو القاسم متوفی ۵۳۸ھ الاعلام ۸/۵۵۔

(۲) مسعود بن عمر بن عبداللہ التفتازانی متوفی ۷۹۲ھ الاعلام ۸/۱۱۳

(۳) اسماعیل بن حماد الجوہری متوفی ۳۹۳ھ الاعلام ۱/۳۰۹

الرّسالۃ العلویۃ

شیخ وجیہ الدّین علوی

یہ رسالہ چار صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں کشاف کی "فمن ثقلت موازینہ"[1] کی تفسیر کی توضیح ہے۔ یہ رام پور کے کتب خانے میں موجود ہے (۲) ابتدا میں ایک نوٹ ہے جس میں لکھا ہے کہ:۔

"یہ رسالہ حضرت شیخ وجیہ الدّین کی تصنیف ہے جو صاحب کشاف کے اس قول کی تردید میں لکھا گیا ہے جو اس نے فمن ثقلت موازینہ کے بارے میں کہا ہے۔"

اس رسالے کی ابتدا ان الفاظ سے ہوتی ہے۔

"بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم وبہ نستعین الحمد للہ علی احسانہ والصّلوٰۃ علی محمد افضل خلقہ۔"

اس رسالہ کے کاتب ملک احمد ہیں جیسا کہ خاتمے کی عبارت سے پتہ چلتا ہے۔

"تمت الرّسالۃ العلویۃ ضحوۃ یوم الاحد (بروز اتوار) ۱۲ محرم ۱۰۷۳ء فی ید الفقیر ملک احمد منقولۃ بخط المؤلف قدس سرہ"

---

(۱) سورۃ القارعۃ آیت ۶

(۲) مخطوطہ ۳۲۸

حاشیہ علیٰ انوار التنزیل

سید صبغۃ اللہ وفات ۱۰۱۵ھ

سید صبغۃ اللہ کے آباؤ اجداد اصفہان سے ہجرت کر کے ہندوستان آئے تھے۔ ان کی پیدائش گجرات میں ہوئی۔ علامہ وجیہ الدین (۱) کی شاگردی اختیار کی۔ بہت جلد علم و ہنر میں یکتا ہو گیے۔ ان کی شہرت دور دور تک پھیل گئی۔ شیخ وجیہ الدین کے انتقال کے بعد ان کے خلیفہ ہوئے۔ بہت سے لوگ ان کے مرید اور شاگرد ہوئے۔ ۹۹۹ھ میں حج و زیارت سے فارغ ہوکر اپنے وطن واپس آئے۔ تھوڑے ہی عرصے بعد پھر حج کے لیے گیے اور مدینہ منورہ میں سکونت اختیار کرلی۔ وہیں اُن کا انتقال ۱۰۱۵ھ میں ہوا۔ "حاشیہ تفسیر بیضاوی" "رسالہ" ارادۃ الدقائق فی مراۃ الحقائق" "کتاب الوحدۃ" وغیرہ ان کی مشہور تصانیف ہیں۔ (۲)

ان کا حاشیہ بیضاوی ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ میں ایک مجموعہ میں بیضاوی کے دو اور حاشیوں کے ساتھ ہے (۳)۔ پہلا حاشیہ ان کا ہے۔ دوسرا ناقص ہے۔ تیسرا محمد بن شیخ صفی الدین (۴) کا ہے۔ مولانا صبغۃ اللہ کا حاشیہ صرف سورۃ الحمد

---

(۱) تذکرہ ص ۳۴۳ (۲) حدائق ص ۴۰۱ نزہۃ ص ۱۷۵ ج ۵ یاد ایام ص ۶۷
(۳) مخطوطہ نمبر
(۴) پتہ نہیں چلتا کہ یہ کہاں کے تھے۔

تک کا ہے۔ انھوں نے اسے مدینہ میں لکھا تھا۔ اُن کا ارادہ تھا کہ آئندہ اسے مکمل کریں گے مگر غالباً اسے مکمل نہیں کر سکے۔ اس کو شیخ بن الیاس نے مرتب کیا تھا۔ اور ۱۰۳۱ھ میں عبدالمالک بن ملا حمزہ نے نقل کیا۔ اس کی ابتدا اِن الفاظ سے ہوتی ہے :-

"الحمد للہ الذی نزل الفرقان علیٰ عبدہ لیکون نذیرا"

اپنے مقدمے میں علم تفسیر کے سلسلے میں لکھتے ہیں :-

"تفسیر وہ علم ہے جس کے ذریعے بقدر طاقت بشری کلام الٰہی کے مطالب روایت و درایت کے اعتبار سے کیے جاتے ہیں۔ اس طرح تفسیر و تاویل ایک ہو جاتے ہیں۔ لیکن دوسرے لوگوں نے کہا ہے کہ روایت کے ذریعے جو معنی بیان کیے جائیں وہ تفسیر ہے اور بذریعۂ درایت جو مطالب بتائے جاتے ہیں وہ تاویل ہے۔"

تفسیر کی تفسیر بیان کرنے کی وجہ سے حاشیہ خاصا طویل ہو گیا ہے۔ ۹۵ اوراق میں محض مقدمہ اور الحمد کی تفسیر ہو سکی ہے۔

حاشیہ تفسیر بیضاوی

مولانا عبدالسلام لاہوری متوفی ۱۰۳۷ھ

مولانا عبدالسلام کو علم و فن سے بہت لگاؤ تھا حتیٰ کہ اتنا زیادہ پڑھنے والا کوئی اور مشکل سے رہا ہوگا۔ کتب درسی شیخ اسحاق (۱) سے پڑھیں۔ شیخ سعد اللہ (۲) اور قاضی صدر الدین (۳) سے بھی کسبِ فن کیا۔ حکمت فتح اللہ شیرازی (۴) سے سیکھی۔ لاہور میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا اور پچاس سال تک اسے جاری رکھا۔ شیخ محب اللہ الہ آبادی (۵) مفتی عبدالسلام دیوی (۶) محمد میر بن قاضی سائیں وغیرہ ان کے مشہور شاگرد ہوئے ہیں۔

ماثر الکرام میں غلام علی حسین بلگرامی لکھتے ہیں کہ وہ کہا کرتے تھے کہ میں جب علم کے کسی بھی دروازے میں قدم رکھتا ہوں تو اس دروازے سے اور کبھی بہت سے دروازے کھل جاتے ہیں اور میں اس علم سے دوسرے بہت سے علوم تک پہنچ جاتا ہوں۔

---

(۱) نزہتہ ص ۷۰ ج ۵ (۲) نزہتہ ص ۵۶ ج ۵ (۳) ایضاً ص ۱۷۷ ج ۵

(۴) ایضاً ص ۳۰۳ ج ۵ (۵) ایضاً ص ۲۳۲ ج ۵

(۶) ایضاً ۲۲۲ ج ۵

اگر میں چاہوں تو ان کو لکھ کر ایک مستقل چیز بنا سکتا ہوں لیکن مجھے پڑھانے سے اتنی فرصت ہی نہیں ملتی کہ یہ کام بھی انجام دے سکوں۔ جب میں بڈھا ہو جاؤں گا اور میرے اعضا شل ہو جائیں گے تو مجھے اس کا افسوس ہوگا۔ اور ہوا بھی ایسا ہی۔ آخر عمر میں ان کو اپنی اس کوتاہی پر بہت افسوس تھا۔ (۱)

ایک مدت تک مفتی کے عہدے پر بھی فائز رہے اور تمام فرائض پوری دیانت داری سے ادا کرتے رہے۔ انھوں نے بیضاوی کی شرح لکھی جو بہت مشہور ہوئی۔ ۱۰۴۷ھ میں اُن کا انتقال ہوا (۲)

اس حاشیے کا اصل نام "تفسیر زہراوین" ہے جیسا کہ کتاب کے خاتمے پر لکھا ہے۔

"تم تفسیر الزہراوین بتوفیق اللہ تعالی والحمد للہ علی ذالک"

یہ حاشیہ ۲۷۲ اوراق پر مشتمل ہے۔ اس کا قلمی نسخہ رام پور کے کتب خانے میں موجود ہے۔ اس حاشیے میں شروع کلام پاک سے سورۃ آل عمران تک کی شرح ہے۔ اس کی ابتدا ان الفاظ سے ہوتی ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، قولہ الحمد للہ الذی نزل الفرقان علی عبدہ لیکون للعالمین نذیرا۔"

قاضی بیضاوی کی انوار التنزیل و اسرار التاویل ہندوستان میں بیشتر جگہوں پر نصاب میں داخل رہی ہے اس لئے بہت سے علماء نے اس کو زیادہ آسان اور عام فہم بنانے کے لیے اس کی شرحیں لکھیں۔ انہی شرحوں میں سے ایک ملا عبدالسلام لاہوری کی یہ کتاب بھی ہے۔ کسی بھی شرح کی جب مزید شرح کی جاتی ہے تو چھان بین اور مسائل کی تحقیق و تدقیق میں بات سلجھنے کے بجائے اور الجھ سی جاتی ہے۔ ایسا ہی کچھ اس حاشیے

---

(۱) مآثر الکرام ص ۲۳۶ (۲) نزہتہ ۲۲۳/۵

ہیں بھی ہے بہت سی جگہوں پر باتیں کافی ملبی ہوگئی ہیں اور یہ پتہ نہیں چلتا ہے کہ مطلب کیا ہے۔ قولہ کہہ کر شروع تو کرتے ہیں مگر متن وحاشیہ اِس طرح ملا دیتے ہیں کہ دونوں کو الگ کرنا بہت مشکل کیا تقریبًا ناممکن ہو جاتا ہے۔

"ذوی القربیٰ والیتمیٰ (۱) کی تشریح یوں کرتے ہیں:۔

"ذوی القربیٰ کو مقدم کیا ہے۔ امام رازی کا بیان ہے کہ جو زیادہ مستحق تھا اس کو ترجیح دی ہے۔ اس وجہ سے اگر تنگ دستی قرابت کے ساتھ ہو تو ایسا شخص دوسرے سے زیادہ مستحق ہے، کیوں کہ اِس میں صلۂ رحمی اور صدقہ دونوں کا لحاظ رکھا گیا ہے قرابت مال کے دیے جانے کی زیادہ باعث ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے عزیز یا قریب وراثت کا مستحق ہوتا ہے۔ وصیت میں بھی اس کا اثر پڑتا ہے اور صاحبِ مال ایک تہائی سے زیادہ کی وصیت نہیں کرسکتا۔ اِس کے بعد یتیموں کا ذکر کیا ہے اِس لیے کہ وہ بالکل بے سہارا ہوتے ہیں۔ پھر مساکین کا ذکر کیا ہے اِس لیے کہ ان کو ضرورت شدید ہوتی ہے۔ پھر مسافر کا ذکر کیا ہے کیوں کہ اسے اہل وعیال کی ذمّہ داریوں کی وجہ سے مال کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ پھر سائلین اور غلاموں کی آزادی کا ذکر کیا ہے اس لیے کہ پہلے پہلے بیان کردہ لوگوں کے مقابلے میں ان دونوں کی ضرورتیں کم ہوتی ہیں۔"

احادیث بھی نقل کی ہیں۔ اختلافی مسائل میں ائمہ کی رائیں لکھی ہیں اور اُن کے اختلافات کو بیان کیا ہے مختلف مسائل میں علماء کا مذہب کیا رہا ہے یہ بھی بیان کیا ہے مثلاً وراثت کی آیتوں میں مفسرین نے بہت اختلاف کیا ہے بعض لوگ ان میں سے کچھ آیتوں کو منسوخ قرار دیتے ہیں اور کچھ نہیں۔

کتاب کا خاتمہ اِس عبارت پر ہوتا ہے:۔

"کصدل صیام رمضان ھو بالفتح المثل من غیر الجنس وبالکسر من الجنس۔"(۲)

---

(۱) سورۃ البقرۃ آیت ۱۷۷ (۲) اوپر کی عبارت کرم خوردہ ہونے کی وجہ سے مفہوم واضح نہیں ہے۔

حاشیہ بیضاوی

شیخ عبدالحکیم سیالکوٹی متوفی ۱۰۶۷ھ

شیخ عبدالحکیم سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ شیخ کمال الدین کشمیری (۱) سے کسبِ علم کیا۔ مسائل کو سمجھنے اور حل کرنے کی نئی راہوں کو بروئے کار لائے۔ شاہ جہاں ان کا بہت معترف تھا۔ دوبار ان کو چاندی سے تولا اور سب کی سب ان کو بخش دی۔ ان کا وظیفہ مقرر کر رکھا تھا تاکہ وہ بے نیاز ہو کر اپنی علمی و ادبی مصروفیات جاری رکھ سکیں۔

شیخ فضل اللہ محبی "خلاصۃ الاثر" میں لکھتے ہیں کہ وہ بہترین اور بڑے علماء میں سے تھے۔ عقیدے کے پختہ و رسیدھی راہ پر چلنے والے تھے۔ حق کے ہم نوا تھے اور امراء و اعیان سلطنت سے مقابلہ کرنے کی ہمت رکھتے تھے۔ شاہ جہاں نے ان کو رئیس العلماء کا خطاب دے رکھا تھا اور وہ کوئی اہم کام بغیر اُن کی مرضی کے نہیں کرتا تھا۔ ان کو جو شان اور عظمت نصیب ہوئی اُس دور میں کسی اور کو نہیں ملی۔ تمام قسم کے علم و فضل ان میں جمع تھے اور وہ اپنے دور کے یکتا تھے۔ انھوں نے اپنی جوانی اور بڑھاپا اہم مسائل کے تفقہ اور اُن کے حل کرنے میں لگا دیا۔ (۲)

---

(۱) نزہتہ ۳۱۶/۵ (۲) خلاصۃ الاثر ۳۱۸/۲

محمد صالح "العمل الصالح" میں لکھتے ہیں کہ وہ اپنے زمانے کے اساتذہ میں سے تھے وہ علم کی انتہائی بلندیوں تک پہنچ گئے تھے۔ اُن کے دور میں کوئی بھی اُن کا ہم پلّہ نہ تھا۔ ساٹھ سال تک درس وتدریس میں لگے رہے۔ اُن کی تصانیف میں حاشیہ بیضاوی، حاشیہ مطوّل، حاشیہ شرح المطالع، حاشیہ للخیالی، حاشیہ شرح العقائد وغیرہ ہیں۔ اِس کے علاوہ اور بھی کچھ کتابوں کی شرحیں لکھیں، رسائل کا بھی مجموعہ ہے۔ سیالکوٹ ہی میں ۱۰۶۷ھ میں انتقال ہوا اور وہیں دفن ہوئے۔ (۱)

عبداللہ بن عمر البیضاوی کی "انوار التنزیل واسرار التاویل" قرآن کریم کی تفسیروں میں ایک خاص مرتبہ رکھتی ہے۔ قرآن مجید کی تفسیر میں جتنے موضوعات سے بحث کی جا سکتی ہے وہ سب بڑی خوبی کے ساتھ اس میں جمع کر دئے گئے ہیں لیکن اِن سب باتوں کے باوجود بہت سے لوگ اسے مکمّل اور جامع تفسیر نہیں تسلیم کرتے اِن کے خیال میں اِس میں بہت سے مسائل ایسے ہیں جن پر پوری تفصیل سے بحث نہیں کی جا سکی ہے۔

اِس کتاب کی اہمیت کا اندازہ اس سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ یہ عرصے تک بہت سی جگہوں کے نصاب درس میں بھی داخل رہی ہے۔ بیضاوی، جلالین اور کشاف یہ تینوں کتابیں ایسی ہیں جنھیں بے انتہا شہرت نصیب ہوئی اور جن کا عام طور سے مذہبی حلقوں میں رواج ہوا۔ یہ کتابیں چوں کہ اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے لکھی گئی تھیں، اس لیے مدت دراز تک مدارس کے نصاب میں داخل رہیں ہندوستان کے علماء نے ان تینوں پر حواشی لکھے۔ بیضاوی کی بہت سے لوگوں نے مختلف انداز میں تشریح کی ہے مگر ان سب میں ملّا عبدالحکیم کا حاشیہ بہت اچھا اور اہم سمجھا جاتا

---

(۱) بحوالہ نزہتہ ۵/۲۱۰

ہے۔ اس کے بہت سے قلمی نسخے مختلف کتب خانوں میں موجود ہیں اور یہ کتاب شائع بھی ہو چکی ہے۔

ملا صاحب کی یہ تصنیف بیضاوی کے پہلے دو پاروں کی تشریح میں ہے چوں کہ یہی حصہ اہم مسائل سے متعلق ہے اس لیے ملا صاحب نے اس حصے کی تشریح کو زیادہ ضروری سمجھا اگرچہ انھوں نے اس کا اظہار کیا ہے کہ بعد میں وہ اپنا کام مکمل کریں گے لیکن پھر اس حصے کے آگے غالباً وہ نہ لکھ سکے۔ اُن کی یہ شرح دوسرے پارے کی ثلث تک ہے۔

مصنف کا مقصد بیضاوی کی مشکلات کو حل کرنا ہے۔ یہ بات بھی پیشِ نظر ہے کہ دوسروں کو اس سے بات کے سمجھنے میں زیادہ آسانی ہو۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے بیضاوی کے چھوٹے چھوٹے جملوں اور کہیں کہیں پر مبہم تفسیر کی تشریح و توضیح پوری تفصیل سے کی ہے۔ مصنف نے اس بات کی کوشش بھی کی ہے کہ مشکل مقامات کو بھی حل کردیں تاکہ پڑھنے والے زیادہ سے زیادہ فائدہ اُٹھا سکیں۔

زبان و بیان اور لغت کی باریکیوں کا ذکر کیا ہے۔ مشکل الفاظ اور مخصوص طرزِ ادا کی تشریح کی ہے اس میں وہ دوسرے شارحین سے بازی لے گئے ہیں ان کی تشریحی عبارتیں زیادہ آسان ہیں جن سے پڑھنے والے کو بغیر کسی اُلجھن کے بات سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے۔

قرآن مجید کی سب سے صحیح، واضح اور اچھی تفسیر خود نبی صلعم نے اپنی زبانِ مبارک سے کی تھی۔ اُن کے صحابہ نے ان اقوال کو حفظ کرلیا تھا اور موقع پر انھیں کی روشنی میں عمل کرتے تھے۔ قرآن کریم میں بہت سے ضروری مسائل کی طرف محض اشارے ہیں۔ ان اشاروں کو سمجھنے کے لیے ہمیں احادیث کی طرف رجوع

کرنا پڑتا ہے کیوں کہ یہ نبی صلعم کے اقوال یا افعال ہیں جن سے آیات کی شرح ہوتی ہے۔ تمام مفسرین کی طرح قاضی صاحب بھی اپنی تفسیر میں اقوال محمدی نقل کرتے ہیں اور اس سے آیتوں کی تفسیر زیادہ آسان ہو جاتی ہے۔ صاحبِ حاشیہ نے ان احادیث کے علاوہ بھی کہیں کہیں اور حدیثیں بھی لکھ دی ہیں۔ بیضاوی نے بعض جگہوں پر حدیث تو نقل کی ہے مگر سند نہیں بیان کی ہے اور نہ ہی راوی کا نام لیا ہے۔ ملا صاحب نے اس کمی کو پورا کیا ہے اور راوی کا نام لکھ دیا ہے۔ جن روایتوں کی صحت میں شبہ ہے اُن پر بھی بحث کی ہے۔

بیضاوی نے "وامنوا بما انزلت مصدقا لما معکم" کی تفسیر میں آگے چل کر نبی صلعم کی ایک حدیث نقل کی ہے جس میں ہے کہ اگر موسیٰ علیہ السلام ہوتے تو وہ بھی میرے دین کی اتباع کرتے۔ اس حدیث کا کوئی حوالہ نقل نہیں کیا گیا ہے۔ صاحبِ حاشیہ نے پورا واقعہ نقل کیا ہے اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ بھی نقل کیے ہیں کہ " والذی نفس محمد بیدہ لو بدا لکم موسیٰ فاتبعتموہ و ترکتمونی لضللتم عن سواء السبیل ولو کان حیا وادرک نبوتی لاتبعنی" مشکوٰۃ اور دارمی کا حوالہ بھی دیا ہے (ص ۳۲۲)۔ اسی طرح سے اور بہت سی جگہوں پر بھی کیا ہے۔

قاضی صاحب بعض جگہوں کی تفسیر کرنا چھوڑ گئے ہیں۔ ملا صاحب "اعلم ان المصنف رحمہ اللہ تعالیٰ لم یفسر" لکھ کر خود اس کی تفسیر بیان کرتے ہیں۔

یہ حاشیہ ان کی علمی قابلیت کے ساتھ مذہبی معلومات پر عبور اور فہم قرآنی کی دلیل ہے۔ اس حاشیے کی وجہ سے اُن کی بڑی شہرت ہوئی۔ "خلاصۃ الاثر"

میں لکھا ہے کہ علمائے ہند میں جو مرتبہ ان کا تھا وہ کسی دوسرے کو نصیب نہ ہوا۔ اِس کتاب میں اُن کے حاشیے کے متعلق لکھا ہے کہ میں نے اسے دیکھا ہے اور اِس میں سے بہت سے دقیق مباحث کا مطالعہ کیا ہے۔(۱)

(۱) خلاصۃ الاثر ۲/۳۱۸

حاشیہ بیضاوی

سید جار اللہ الہ آبادی متوفی ۱۱۱۰ھ

اِس کا قلمی نسخہ علی گڑھ میں فرنگی محل کے ذخیرۂ کتب میں موجود ہے۔(۱)
اِس کے تین حصّے ہیں۔ پہلے حصّے میں ۱۷۹ ورق ہیں دوسرے میں ۱۲۹ اور تیسرے میں ۱۲۰ تینوں ایک ہی جلد میں ہیں۔ اِس میں تمام سورتوں کی تفسیر و تشریح آگئی ہے۔ اختتام پر ایک آدھ صفحہ غائب ہے۔ پوری طرح سے اس کا اندازہ تو نہیں ہو سکا کہ یہ کس سنہ کی تصنیف ہے۔ دوسرے حصّے کے خاتمے پر کاتب نے تاریخ کتابت ۱۲ رشہر صفر ختم بالخیر والظفر ۱۱۳۲ھ لکھا ہے۔

اِس کی ابتدا ان الفاظ سے ہوتی ہے۔

"الحمد للہ الذی نزل الکتاب علی عبدہ لم یخالط الکتاب ولم یقرع مسمع الخطاب فانہم ببلاغۃ نظمہ ..."

اس کے بعد اپنا نام اور تفسیر کی اہمیت لکھی ہے۔

اس کے بعد قاضی بیضاوی کی تعریف کی ہے اور ان کی تصنیف کی اہمیت بیان کی ہے اور بتایا ہے کہ کس طرح مجھے اُس کے بار بار مطالعہ اور غور و فکر کا موقع ملا۔ دوران مطالعہ میں جو مباحث اہم نظر آئے ان کو میں نے نوٹ کر لیا تاکہ محفوظ رہیں

(۱) نمبر ۲۰/۲۱ ع تفسیر۔ حالات کے لیے نزہتہ ص ۴۵ ج ۶

اور ضائع نہ ہوں۔"

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو کسی سورۃ کا جزو مانا جائے یا نہیں، اس پر بڑی اچھی بحث کی ہے اور بہت سی حدیثوں وغیرہ سے یہ ثابت کیا ہے کہ بسم اللہ کسی بھی سورت کا جزو نہیں ہے۔ مثلاً سب سے پہلے سورۂ اقراء نازل ہوئی، اس میں بسم اللہ کا ذکر نہیں ہے، "یاایھا المدثر" میں بھی اس کا تذکرہ نہیں ملتا۔ دوسرے ائمّہ نے اس سلسلے میں جو بحثیں کی ہیں ان کا بھی ذکر کیا ہے اور حوالہ دیا ہے۔ انھوں نے اس میں اور دوسرے مسائل پر بھی بحث کی ہے۔ بالخصوص گرامر اور لغت پر کافی توجّہ کی ہے۔

"الکم" سے کیا مُراد ہے، اس سلسلے میں بھی اپنی نیز مفسّرین کی رائیں نقل کی ہیں۔ استنباط مسائل اور بحث کا انداز بالکل فلسفیانہ ہے۔ ان کی عبارت بھی اسی وجہ سے کافی مشکل ہوگئی ہے۔ قاضی صاحب نے مسائل کی طرف توجّہ نہیں دی تھی یا جن کو سرسری طور پر حل کر کے چھوڑ دیا تھا۔ اُنھوں نے ان سب کو پیش کیا ہے اور مفصّل بحث کی ہے۔

بہت سی جگہوں کی تفسیر اپنی طرف سے بیان کی ہے اور اس بات کی پوری کوشش کی ہے کہ کوئی بات بھی اُلجھی یا غیر تفسیر شدہ نہ رہنے پائے۔ اس سلسلے میں انھوں نے دوسری تفسیروں مثلاً رازی، کشّاف وغیرہ کے حوالے بھی دئے ہیں۔ بعض آیتوں سے استنباطِ مسائل بھی کرتے ہیں اور فقہا کی روایات نقل کرتے ہیں۔

چوں کہ ان کے پیشِ نظر دیگر مفسّرین کی تفاسیر ہیں اس لیے اُنھوں نے مفہوم کی توضیح اور مطالب کی تشریح زیادہ بہتر طریقے پر کی ہے۔ جا بجا قدما کے حوالے بھی موجود ہیں اور مطالب میں ان کے اختلافات کا ذکر بھی کر دیا ہے۔

اس نسخے کا اختتام ان الفاظ پر ہوتا ہے :

" واعلم ان الاحادیث المرویۃ من العلامۃ متعین فی فضائل السور کلہا موضوعات الا ماروی العلامتان فی فضیلۃ سورۃ الاخلاص فانہ مروی عن البخاری ومسلم "

کتاب یہیں پر ختم ہو جاتی ہے۔ سورۃ الناس کی شرح اس سے پہلے ہے۔

حاشیہ علیٰ انوار التنزیل

محمد بن عبدالرحیم جونپوری متوفی ۱۱۷۳ھ

یہ پوری تفسیر بیضاوی کا حاشیہ نہیں ہے بلکہ صرف سورۃ الفاتحہ کا ہے اس کا قلمی نسخہ نیشنل لائبریری کلکتہ کے "بہار گلشن" میں موجود ہے۔ اس میں ۳۰ ورق ہیں۔ اس کی ابتدا یوں ہوتی ہے:

"الحمد للہ الذی ہدانا لہذا وما کنا لنہتدی لو لا ان

ہدانا اللہ"

اس کے بعد اپنی تصنیف کی وجہ بیان کی ہے کہ تفسیر کا درس دیتے وقت اُنھیں اندازہ ہوا کہ امام الائمہ اور قدوۃ العلماء قاضی بیضاوی کی تفسیر کے حواشی لکھتے وقت بعض لوگوں نے بعض جگہوں پر پوری طرح سے غور و خوض کیے بغیر تشریح کر دی ہے اور بعض نے ان کی مدافعت کی ہے۔ بہرحال غیر ضروری باتوں میں اُلجھ گئے ہیں۔ مطالب کے پوری طرح نہ سمجھنے کی وجہ یہ نہیں ہے کہ قاضی صاحب کی عبارتیں مبہم اور پیچیدہ ہیں بلکہ اس کی وجہ ان کی بلند خیالی اور اونچے مطالب بیان کرنے کی کوشش ہے۔ اُن کے ان خیالوں

تک عام ذہنوں کا پہنچنا اور اُن کی تفسیر کو سمجھنا اور مطالب کو حل کرنا آسان نہیں ہے۔ اِس تک صرف وہی ذہن پہنچ سکتے ہیں جو بہت رسا اور طبعِ سلیم کے حامل ہوں۔

اِس کے بعد اُنھوں نے سورۃ الحمد کی تشریح شروع کی ہے۔ الفاتحہ کے متعلق لکھتے ہیں :۔

فاتحہ فتح کے معنی میں مصدر ہے۔ جیسے کہ کاذبہ کذب کے معنی میں ہے۔ اور اس کی وجہِ مناسبت یہ ہے کہ یہ ابتدائے قرآن مجید ہے۔"

آگے چل کر یہ بیان کیا ہے کہ اس سورۃ میں کتنی آیات ہیں۔ آیتوں کی تعداد تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ سات ہے۔ اِس کتاب میں انھوں نے دوسرے مفسّرین اور بزرگوں کے اقوال سے بھی مدد لی ہے۔ لغوی بحثیں بھی اس سلسلے میں کی ہیں۔

اِس کا اختتام اِن الفاظ پر ہوتا ہے۔

" والکتاب کالزمان کاتب وقد یطلق علی المکتب وھو المراد ھٰھنا امّا حقیقتہ بالاشتراک او مجازاً لکونہ محل الکتابۃ تم "

حواشی ترجمہ قرآن

شاہ ولی اللہ دہلوی (م ۱۱۷۶ھ)

اس کا قلمی نسخہ اعظم گڑھ میں دارالمصنفین کے کتب خانے میں موجود ہے (۱) شاہ صاحب (۲) نے فارسی میں فتح الرحمٰن فی ترجمۃ القرآن (۳) کے نام سے قرآن کریم کا جامع اور بہت ہی مختصر ترجمہ کیا تھا۔ اس ترجمہ کے حاشیے پر آپ نے جو نوٹ لکھے ہیں یہ کتاب اُنھیں کی علیحدہ شکل ہے۔ شاہ صاحب نے خود شروع میں اس کا اظہار کردیا ہے۔

اس کے بعد انھوں نے سورتوں کے عنوانوں سے بعض اہم الفاظ و آیات کی تفسیر کی ہے۔ عام طور سے اختصار کو ملحوظ رکھا ہے اور اس بات کی کوشش کی ہے کہ بغیر کسی بحث اور اُلجھاؤ کے آسانی سے اپنی بات سمجھا دیں۔ مثلاً سورۂ مائدہ میں ثالث ثلاثۃ کی تفسیر اس طرح کی ہے کہ نصاریٰ باپ، بیٹا اور روح القدس کو ثابت کرتے ہیں لیکن ان کی تشریح میں مختلف الخیال ہیں۔ میں نے نصاریٰ کے ایک رسالے میں اس طرح دیکھا ہے کہ باپ سے مراد

(۱) اس کا ایک اور قلمی نسخہ جامعہ ملیہ دہلی کے کتب خانے میں بھی ہے جو خاص طور سے جامعہ ملیہ کے لئے اسی نسخہ سے نقل کرایا گیا ہے۔ جبر

(۲) حالات کے لیے حیاتِ ولی ازمولانا رحیم بخش خزینۃ الاصفیا ۱/۳/۲۷۳ - حدائق الحنفیہ ص ۴۴۴ نزہۃ ۶/ ۳۹۰، قاموس المشاہیر ۲/ ۲۷۹

(۳) یہ ترجمہ متعدد بار شائع ہوچکا ہے اور اب تک بہت ہی اچھا سمجھا جاتا ہے۔ حیاتِ ولی ازمولانا رحیم بخش ص ۵۴۵۔

مبدأ وجود ہے، بیٹا صادرِ اوّل اور روح القدس عقول مجردہ ہیں۔ اقنوم ابن حضرت عیسیٰ کی ذات میں نازل ہوا پس وہ خدا ہے اور وہ انسان ہیں (۱)

اسی طرح سے سورۂ رعد میں ومن عندہ علم الکتاب کے تحت لکھا ہے کہ ہجرت سے پہلے کی آیات اہلِ کتاب کے ایمان پر دلالت کرتی ہیں اور ہجرت کے بعد کی آیات اُن کے کفر کا اظہار کرتی ہیں۔ اِس کی تحقیق جیساکہ ابن اسحاق نے ذکر کیا ہے کہ قبل ہجرت اُنھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مان لیا تھا لیکن جب آپ مدینے میں تشریف لائے اور ان کو اسلام قبول کرنے اور یہودیت کے ترک کرنے کی دعوت دی تو انھوں نے انکار کیا۔ (۲)

اسی انداز پر اُنھوں نے بہت سی آیات کی تشریح کردی ہے۔ بعض بعض جگہوں پر مدارک، جلالین، بیضاوی وغیرہ کے حوالے بھی دئے ہیں۔ آخری آیت جس کی تشریح پر اِس نسخے کا اختتام ہوتا ہے وہ سورۂ کا فرون کی آیت ولا انتم عابدون ما اعبد" (۳) ہے۔ اِس کی شرح یہ بیان کی ہے:

"وقع مرتین فی الاول بمعنی الحال وفی الاخریٰ بمعنی الاستقبال قالہ المحلی"

یہ دو مرتبہ آیا ہے پہلی مرتبہ حال کے معنی ہیں اور دوسری بار مستقبل کے معنی میں۔

---

(۱) سورۂ مائدہ آیت ۱۱۰ (۲) سورۂ رعد آیت ۴۳

(۳) سورۂ الکافرون پارہ ۳۰

برہان التاویل فی شرح الاکلیل

سراج احمد بن محمد مرشد متوفی ۱۲۳۰ ہجری

سراج احمد بن مرشد بن ارشد ۱۱۶۰ھ میں سرہند میں پیدا ہوئے۔ اُن کا سلسلۂ نسب حضرت مجدد الف ثانی سے ملتا ہے۔ اُن کے والد اُن کے بچپن ہی میں اپنے خاندان کو لے کر رام پور آ گئے تھے۔ سراج احمد نے اپنے والد سے کسب علم کیا جو خود بہت بڑے عالم اور بزرگ تھے۔ خاص طور سے علم حدیث سے بہت اچھی طرح واقفیت رکھتے تھے۔ مولانا سراج احمد شیخ عبد العزیز اور شیخ سلام اللہ کے ہم عصر تھے۔ ان کا انتقال ۱۲۳۰ھ میں لکھنؤ میں ہوا اور اُن کی لاش رام پور لائی گئی اور ان کے والد کے قریب دفن کیا گیا (۱)

علامہ جلال الدین سیوطی نے قرآن مجید سے متعلق بہت سے کام کیے ہیں۔ تفسیر جلالین کے علاوہ اتقان فی علوم القرآن، الدر المنثور فی التفسیر بالماثور، لباب النقول فی اسباب النزول، مفحمات الاقران فی مبہمات القرآن، طبقات المفسرین وغیرہ بڑی اہم کتابیں ان کی تصنیف ہیں۔ انھوں نے "الاکلیل فی استنباط التنزیل" بھی لکھی ہے جس میں ان آیتوں کی تاویل د

---

(۱) نزہتہ ص ۱۹۴ ج ۷۔

توجیہ و تفسیر ہے جس سے کوئی مسئلہ یا کوئی اصول مستنبط ہوتا ہے۔ مولانا سراج احمد نے ضروری سمجھا کہ الاکلیل کی شرح لکھ کر اس کو زیادہ مفید بنایا جائے اس خیال کے پیش نظر انھوں نے اس کام کو بڑی محنت اور توجہ سے کیا اور پوری تفصیل کے ساتھ اس کی شرح لکھ ڈالی اور اس کا نام برہان التاویل رکھا۔ اس کتاب کا قلمی نسخہ علی گڑھ یونی ورسٹی کی لائبریری میں موجود ہے۔ (۱)۔ اس میں ۴۸۳ اوراق ہیں۔ یہ کتاب ۱۲۲۳ھ کی تصنیف ہے۔ اس کی ابتدا ان الفاظ سے ہوتی ہے۔

"الحمد للہ الذی انزل علی عبدہ آیات بینات منہا محکمات واخر متشابہات"

اپنا سلسلۂ نسب یوں لکھتے ہیں:۔

سراج احمد بن محمد مرشد بن محمد ارشد بن .....(۲)..
محمد سعید بن محمد دالف ثانی الشیخ احمد السرہندی مولدا والفاروقی نسباً والحنفی مذہباً"

خود اس کتاب کے متعلق لکھتے ہیں:۔

"چونکہ حافظ جلال الدین سیوطی کی کتاب الاکلیل فی استنباط التنزیل احکام شریعت کے استنباط میں کافی تھی لیکن مختصر بہت تھی اس لیے میں نے حدیث و تفسیر کی کتابوں خاص طور سے تفسیر کبیر کی مدد سے اس کی تفصیل و تشریح کی غرض سے یہ کتاب لکھی اور اس کا نام برہان التاویل رکھا۔"

---

(۱) نمبر ۳۴۳/۱ (۲) کرم خوردہ

شیخ سراج احمد نے اکلیل کی شرح پوری توجہ اور محنت سے کی ہے اور ان آیتوں کی مزید تفسیر بھی کر دی ہے جن کو کسی وجہ سے علامہ سیوطی چھوڑ گئے تھے۔ مثلاً الحمد للہ رب العالمین کی تشریح مفصّل طور پر کی ہے۔ اور حمد اور مدح کی تشریح کرنے کے بعد شکر اور حمد کا فرق بیان کیا ہے اس کے بعد رب اور عالمین کی وضاحت کرتے ہیں اور ہر بات کے ثبوت میں عقلی دلائل اور حدیثوں کے حوالے پیش کرتے ہیں۔ رحمان اور رحیم کی بھی وضاحت کی ہے۔ اسی طرح تمام سورتوں کی آیاتِ احکام کی تشریح و توضیح کی ہے۔

اہم مسائل مثلاً روزہ، حج، زکوٰۃ، نکاح و طلاق وغیرہ کے بارے میں انھوں نے پوری توجہ سے بحث کی ہے۔ ائمہ و بزرگانِ دین اور صحابۂ کرام کی روایات و اقوال اور اُن کے نظریات کو بیان کیا ہے۔ تمام باتوں کے ساتھ ساتھ دلائل و براہین بھی پیش کیے ہیں اور جس مسئلے کو بھی شروع کیا ہے اُس کو اچھی طرح اختتام تک پہنچایا ہے۔

اس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس کی زبان شستہ اور سلیس ہے۔ مسائل کی مکمل توضیح اور احکام الٰہیہ کی پوری پوری ترجمانی اس میں موجود ہے۔ بہت سی اُن باتوں کا ذکر بھی موجود ہے جو اکلیل میں رہ گئے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اکلیل بہت مختصر ہے۔ اکلیل میں خاتمہ پر اللہ تعالیٰ کے نام، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نام اور اسم اعظم سے متعلق باتیں ہیں۔ شیخ سراج احمد نے اُن کو بھی نقل کر دیا ہے۔

کتاب کا انداز محض احکام کا ذکر کرنا ہی نہیں ہے بلکہ مفسرانہ رنگ ہے۔ جس سے مفسر کی علمی قابلیت و ذہانت کا پتہ چلتا ہے۔

اس کا اختتام ان الفاظ پر ہوتا ہے۔

"قد تم الکتاب المدعو برھان التاویل فی شرح الاکلیل یوم الثلثاء لخمس بقین من جمادی الآخر سنۃ الف و مائتان وثلث عشرون من الھجرۃ النبوی علی صاحبھا افضل الصلوات واکمل التحیات والبرکات التامات"

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بروز سہ شنبہ ۲۵ر جمادی الآخر ۱۲۲۳ھ کو یہ کتاب مکمل ہوئی۔

هلالین شرح جلالین

مولانا تراب علی لکھنوی ولادت ۱۲۱۳ھ وفات ۱۲۸۱ھ

ابوالبرکات کنیت اور رکن الدین لقب تھا۔ علم و فن میں کامل دستگاہ حاصل تھی۔ بڑی بڑی اہم چیزوں کو بہ آسانی سمجھ اور پرکھ سکتے تھے۔ آباء و اجداد دہلی اور امروہہ کے رہنے والے تھے۔ بعد میں لکھنؤ آئے اور یہیں رہ پڑے۔ والد کا نام شجاعت علی اور دادا کا نام فقیہ الدین (۱) سلسلۂ نسب مصعب بن زبیرؓ تک پہنچتا ہے۔ اِن کے خاندان میں کافی لوگ پڑھے لکھے ہوئے ہیں اور عزت و شہرت حاصل کی ہے۔ مولانا مخدوم حسین لکھنوی سے انھوں نے عربی کی تعلیم حاصل کی۔ منطق، کلام اور ادب کی چند کتابیں شیخ مظہر علی (۲) سے پڑھیں۔ کتب درسی مفتی اسماعیل بن وجیہ (۳) مُرادآبادی اور مفتی ظہور اللہ انصاری (۴) لکھنوی سے پڑھیں۔ اِس کے بعد شوقِ حج کی تکمیل کے لیے حرمین کا رُخ کیا۔ مکہ میں مفتی عبداللہ سراج مکی سے حدیث کا درس لیا پھر وطن

(۱) متوفی ۱۱۹۵ھ نزہتہ ص ۲۲۶ ج ۶ (۲) متوفی ۱۲۴۷ھ نزہتہ ص ۴۸۴ ج ۷

(۳) نزہتہ ۱۶ ج ۷ (۴) متوفی ۱۲۵۶ھ نزہتہ ص ۲۲۷ ج ۷

واپس آئے اور زندگی بھر درس و تدریس کا مشغلہ جاری رکھا۔ ان کے شاگردوں میں شیخ معین الدین کردی، قاضی انوار علی مراد آبادی، سید غنی نقی زید پوری (۱) وغیرہ کافی اہم ہیں۔ ان کی تصانیف میں "التعلیق المرضی علی شرح القاضی" "شرح الشرح علی القاضی" "شرح السلم" "شرح ہدایۃ الحکمۃ"۔ "شمس الضحیٰ لازالۃ الدجیٰ" "المطول" اور "ہلالین" (۲) بہت مشہور ہیں۔ ۱۲۸۱ھ میں ان کا انتقال ہوا اور محمد آباد میں دفن ہوئے۔ (۳)

مولانا تراب علی نے اور شارحین کے راستے سے ذرا ہٹ کر اپنے الگ انداز سے جلالین کی شرح لکھی ہے۔ دوسرے لوگ تفسیروں کی شرح لکھتے وقت عام طور سے قرآن کریم کی آیات کا حوالہ نہیں دیتے ہیں بس جس جملے یا عبارت کا حوالہ ہوتا ہے اُس کی طرف اشارہ کر دیتے ہیں۔ اُنھوں نے آیت بھی لکھی ہے۔ جلالین کی عبارت بھی اور پھر اُس کی شرح کی ہے۔ اِس طرح سے پڑھنے والے کے سامنے تمام باتیں آجاتی ہیں اور وہ خود اپنی رائے بھی قائم کر سکتا ہے۔ شرح کرتے وقت انھوں نے تفسیر کبیر، کشاف اور بیضاوی وغیرہ کے حوالے بھی دئے ہیں۔ بعض جگہوں پر مزید توضیح کے لیے حدیثوں سے بھی کام لیا ہے۔ کہیں کہیں پر لغوی بحثیں بھی کی ہیں اور قواعد کے اعتبار سے کن الفاظ کے معنی مختلف جگہوں پر کیا ہو گئے ہیں اُن کو بھی بیان کیا ہے۔ قرآن مجید کے پڑھنے میں بعض جگہوں پر جو اختلافات

---

(۱) متوفی ۱۲۰۷ھ نزہتہ ص ۳۶۵ ج ۷

(۲) تفسیر غفاری کے نام سے بھی مشہور ہے جیسا کہ پہلے صفحہ پر لکھا ہوا ہے۔

(۳) ۱۔ حدائق الحنفیہ میں سنہ وفات ۱۲۸۰ لکھا ہے ص ۱۸۴، ۲۔ نزہتہ ص ۱۰۶ ج ۷۔

ہیں اُن کا بھی ذکر کیا ہے۔ اُنھوں نے آخری پارے کی شرح سے ابتدا کی ہے۔ اِس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ آخری پارے میں چھوٹی چھوٹی سورتیں بڑے وسیع معنوں کی حامل ہیں۔ کتاب کی ابتدا مولانا جمیل احمد اور مولانا محمد اعلم کی تقریظوں سے ہوتی ہے۔

مختلف سورتوں کی تشریح مختلف انداز سے کی ہے اور ہر ایک میں اس بات کی کوشش کی ہے کہ اپنی بات کو دوسروں کے سامنے پوری طرح ثابت کر سکیں۔ مثلاً "سورۃ العصر" میں "العصر" کی تشریح جلالین میں یوں ہے۔

"الدھر او ما بعد الزوال الی الغروب او صلوٰۃ العصر" (ص ۱۵۱)

لیکن صاحب جلالین اُس کی وجوہات بھی بیان کرتے ہیں کہ "عصر" کی قسم کیوں کھائی ہے۔

اگر کسی سورۃ سے کوئی اہم واقعہ متعلق ہے یا کسی آیت میں کسی خاص بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے تو اُس واقعے کو بھی بیان کر دیا ہے تاکہ بات صاف ہو جائے اور سمجھنے میں آسانی ہو۔

یہ کتاب ۱۲۷۸ھ میں مکمل ہوئی اور ۱۲۸۰ھ میں مطبع نظامی کانپور سے شائع ہوئی ہے۔ اِس کے اختتام پر طابع کی طرف سے لکھا ہے کہ اسی نہج پر دوسرے پاروں کی تفسیر بھی شائع ہوگی۔ مگر غالباً نہیں شائع ہوئی۔ کیوں کہ کہیں بھی نہیں ملتی ہے۔

تعلیقات الجلالین

مولانا فیض الحسن سہارن پوری متوفی ۱۳۰۴ھ

مولانا فیض الحسن مولانا فضل حق خیر آبادی (۱) کے شاگرد تھے۔ اُنھوں نے ہندوستان کے عربی ادب میں انقلاب پیدا کیا۔ طلبا کو قدیم شعرائے عرب کی طرف متوجہ کیا۔ حماسہ کا درس انھوں نے ہی رائج کیا اور اس کی شرح ۱۲۹۴ھ میں لکھی۔ ان کے عربی دیوان کو اُن کے شاگرد مولانا حمید الدین صاحب نے ۱۳۳۴ھ میں حیدرآباد سے شائع کرایا۔ مولانا فیض الحسن اورنٹیل کالج لاہور میں پروفیسر بھی رہے۔

مولانا فیض الحسن کا بڑا کارنامہ قرآن مجید کی معجزانہ فصاحت و بلاغت کی نکتہ شناسی تھی۔ مولانا اسی اصول سے قرآن مجید کا بامحاورہ اُردو ترجمہ اپنے خاص طالب علموں کو پڑھاتے تھے۔

انھوں نے عربی میں تفسیر جلالین کی شرح "تعلیقات الجلالین" بھی لکھی۔ ان کی یہ تصنیف انسٹی ٹیوٹ پریس علی گڑھ سے ۱۲۸۷ھ میں شائع ہوئی۔ یہ

---

(۱) متوفی ۱۲۷۸ھ

تعلیقات کا پہلا حصّہ ہے جس میں سورۂ بنی اسرائیل تک تشریح آگئی ہے۔ دوسرا حصّہ غالباً شائع نہیں ہوا اور نہ ہی اُس کے مسودے کا پتہ چلتا ہے۔ خود اپنی تفسیر کے متعلق لکھتے ہیں۔

"الفاظ کے اعتبار سے تفسیر جلالین بہت مختصر لیکن معنی کے لحاظ سے بسیط ہے۔ اس کا استعمال بھی بہت ہے۔ بعض مشہور علماء نے اس کی شرحیں لکھی ہیں لیکن بایں ہمہ اس کے غوامض پھر بھی باقی ہیں۔ پس میں نے ارادہ کیا کہ اپنے علم و خیال کے مطابق جو کچھ مناسب معلوم ہو میں بھی اس کے متعلق لکھوں۔ میں نے اس کا نام تعلیقات الجلالین رکھا ہے۔"

مولانا فیض الحسن صاحب نے اپنی کتاب میں اس بات کی کوشش کی ہے کہ جلالین میں جو باتیں پوری توضیح کے ساتھ بیان نہیں کی جا سکی ہیں، اُن کی تشریح کر دیں۔ جلالین کے متعلق کہا جاتا ہے کہ کم سے کم الفاظ میں بحثوں میں الجھے بغیر ایک طرح کا عربی ترجمہ ہے۔ انھوں نے خود بھی اسی انداز کو اپنایا ہے۔ یعنی یہ بھی جلالین کے اسرار و غوامض کی توضیح طولانی انداز میں نہیں کرتے، بلکہ اپنی رائے اور انداز کے مطابق ان جملوں کو جن میں ابہام کا شبہ تھا کچھ شرح و بسط کے ساتھ بیان کر دیتے ہیں۔ بعض جگہوں پر جلالین کی عبارتوں کی شرح میں احادیث و اقوال سے کام لیا ہے۔ مسائل کی آیتوں کے بیان میں ائمہ کے استدلال اور رائے کا ذکر بھی کر دیتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ دوسری قدیم تفسیروں کا حوالہ بھی کہیں کہیں لکھ دیتے ہیں۔

شواہد التفسیر

اس میں مصنف نے اُن اشعار کی توضیح کی ہے جن کو بیضاوی نے اپنی تفسیر میں استعمال کیا ہے۔ لکھتے ہیں:-

بیضاوی نے اپنی تفسیر میں جو اشعار درج کیے ہیں وہ مشکل ہیں اور طلبا اُن کی وضاحت کے طالب ہیں۔ اس لیے میں نے خدا کے بھروسے پر اُن کی شرح لکھ دی ہے۔

مقدمے میں انھوں نے لکھا ہے کہ انھوں نے یہ کتاب مکمل کرکے مولانا فضل حق خیرآبادی کی خدمت میں پیش کی تھی۔ انھوں نے اسے بہت پسند کیا۔ اس میں انھوں نے ہر سورۃ میں استعمال کیے گئے اشعار کی الگ الگ اسی سورۃ کے تحت تشریح کی ہے۔ یہ کتاب مطبع فخر المطابع دہلی سے ۱۲۷۱ھ میں شائع ہوئی۔

القول العظیم فی حل کلام البیضاوی فی تفسیر قولہ تعالیٰ الٓمٓ

ابوالطیبات محمد عبدالواحد بن منشی محمد نصیرالدین النولوی غازی پوری

یہ چوبیس صفحات کا رسالہ ہے جس میں مصنف نے الٓمٓ کی تشریح کرنے کی کوشش کی ہے۔

اس میں کوئی خاص بات نہیں ہے۔ الٓمٓ کے سلسلے میں (یعنی سورۃ بقر کے شروع میں بیضاوی کی جو عبارتیں ہیں اُن کی تشریح کر دی ہے۔ اس سلسلے میں انھوں نے بیچ بیچ میں "الجدول" کے تحت نقشے بھی بنائے ہیں جن سے مختلف سورتوں میں ان حروف مقطعات کے استعمال ہونے کا پتہ چلتا ہے لیکن یہ سب کرنے کی وجہ سے کتاب کی افادیت محض اُن لوگوں کے لیے باقی رہ گئی ہے جو استخراج کے فن سے اور اس قسم کی جداول سے پوری طرح واقف ہوں۔ جہاں تک بیضاوی کی عبارتوں کی توضیح کا سوال ہے اس کی بھی چنداں ضرورت نہ تھی۔ بلا وجہ مختصر باتوں کو طولانی بنا دیا ہے۔ مثلاً بیضاوی کی عبارت ولعلہم ارادوا انہا اسرار بین اللہ تعالیٰ و رسولہ صلعم ورمو ز لم یقصد بہا افہام غیرہ (شاید ان کی مراد یہ ہے کہ اللہ اور رسول (صلعم) کے درمیان راز ہیں جن کو دوسروں کو سمجھانا مقصود نہیں ہے) کی تشریح تقریباً ڈیڑھ

صفحوں میں کی ہے اور اُس میں مختلف لوگوں کے اقوال وغیرہ نقل کیے ہیں۔

۱۳۰۸ھ میں اس کی تصنیف ہوئی اور ۱۳۰۹ھ میں مطبع اسلامی لکھنؤ سے طبع ہوئی۔

الاکلیل علی مدارک التنزیل

حافظ شیخ محمد عبدالحق بن شیخ شاہ محمد بن یار محمد الہ آبادی

شیخ عبدالحق الہ آبادی مہاجر کی نے بھی مدارک التنزیل و حقائق التاویل کی شرح لکھی ہے اور اس کا نام الاکلیل علی مدارک التنزیل رکھا ہے۔ الاکلیل سات ضخیم جلدوں میں بڑے سائز پر ۱۳۳۰ھ میں شائع ہوئی ہے۔(۱) مجموعی طور سے اس میں تقریباً ڈھائی ہزار صفحات ہیں۔ مدارک کی عبارت حاشیے پر ہے۔

۱۔ پہلی جلد سورۂ الحمد سے فلا خوف علیہم ولا ہم یحزنون (سورۂ بقرہ آیت ۳۸ تک ہے)

۲۔ دوسری جلد سورۂ بقرہ کی انتالیسویں آیت "والذین کفروا وکذبوا بآیاتنا اولٰئک اصحٰب النار" سے شروع ہوتی ہے اور اس سورۃ کے اختتام تک ہے۔

۳۔ تیسری جلد سورۂ آل عمران سے سورۂ مائدہ تک ہے۔

---

(۱) مطبع الاکلیل المطابع لاہور

۴۔ چوتھی جلد سورۂ انعام سے سورۂ توبہ تک ہے۔

۵۔ پانچویں جلد سورۂ یونس سے سورۂ روم تک۔

۶۔ چھٹی جلد سورۂ لقمان سے سورۂ الحجرات تک۔

۷۔ ساتویں جلد سورۂ ق سے ختم قرآن تک۔

علامہ عبدالحق نے اس بات کی پوری کوشش کی ہے کہ ان کی یہ شرح بہت ہی آسان ہو تاکہ پڑھنے والے کو دقت کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ مشکل الفاظ کی تشریح بہت اچھے انداز سے کی ہے۔ جہاں جہاں ضرورت تھی لغت کی بحثیں بھی کی ہیں۔ کسی لفظ کی تشریح کے وقت اس کی چھان بین بھی کرتے ہیں۔ قدما کی کتابوں سے حوالے دیتے ہیں۔ گرامر کے اصولوں کو بھی پیشِ نظر رکھا ہے۔

اسی طرح سے جتنے بھی اہم اور مشکل الفاظ آئے ہیں سب کی تشریح کی ہے۔ بعض جگہوں پر نام آجاتے ہیں اُن کی بھی جانچ کرتے ہیں اور اُن کا ذکر کرتے ہیں مثلاً سلمان فارسی، علی ابن ابی طالب۔ ابن مسعود۔ قتادہ۔ ہاتف ابلیس، یہ اور اسی قسم کے جو نام بھی آجاتے ہیں، اُن لوگوں کے حالات، خاندان اور اہمیت و فضیلت کا ذکر کرتے ہیں۔ مثلاً حضرت علی کی کیا اہمیت ہے۔ آنحضرتؐ سے اُن کا کتنا تعلق تھا۔ ہجرت کے وقت آنحضرتؐ نے اپنے بجائے اُن کو مکہ میں چھوڑا تھا۔ ان کے متعلق " علیؓ منّی وانا من علیؓ "(۱) کہا۔ اکثر حضرت علی کی علمیت اور افضلیت کا اظہار کیا " انا مدینۃ العلم و علی بابہا "، (میں علم کا شہر اور علی اس کا دروازہ ہیں۔ (۲))۔ غرض اسی طرح سے ہر ایک کے متعلق

---

(۱) (علی مجھ سے اور میں علی سے ہوں) (۲) سند کے اعتبار سے یہ حدیث قوی نہیں ہے۔

پوری تفصیل سے بیان کیا ہے۔

لفظ ابلیس کی بھی پوری تشریح کی ہے۔ اس کی وجہ تسمیہ بھی بیان کی ہے۔ اسی طرح جہاں کسی فرقہ اور جماعت مثلاً خوارج، معتزلہ وغیرہ کا ذکر آیا ان کا تعارف کرایا ہے۔

قصص قرآنی کا تفصیلی ذکر کیا ہے اور تمام واقعات شروع سے لے کر آخر تک بیان کر دیے ہیں تاکہ پڑھنے والوں کے سامنے تمام باتیں ٹھیک طور سے آجائیں۔ مثلاً گائے ذبح کرنے والا واقعہ پوری تفصیل سے بیان کیا ہے لوگوں نے اس کو ذبح کرنے میں کتنی لستاہلی کی۔ کس کس طرح شرطیں لگائیں اور آخر میں بڑی مشکلوں سے اسے ذبح کیا اور پھر ذبح ہوجانے کے بعد کس معجزانہ انداز سے اس گائے نے پورا واقعہ بیان کیا۔

قرآن مجید اور احادیث نبوی میں بہت سے فرشتوں کا ذکر بھی آتا ہے۔ عبدالحق صاحب نے ان کے متعلق بھی جتنی معلومات ممکن تھیں فراہم کیں۔ حضرت جبرئیل، حضرت میکائیل وغیرہ کا تذکرہ کیا ہے اور ان کے کاموں کو بھی بیان کیا ہے۔ قرآن مجید میں مختلف جگہوں پر حضرت جبرئیل کی عظمت و اہمیت کا ذکر ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے خاص فرشتہ اور پیغامبر ہیں۔ وحی لانا اُنھیں کا کام تھا۔ نبی صلعم کے پاس یہ مختلف شکلوں میں آیا کرتے تھے۔ ان سب کا پورا ذکر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی ہدایت اور نجات کے لیے بہت سے نبی دنیا میں بھیجے تھے۔ ان میں سے بہتوں کے نام بھی نہیں ملتے۔ کچھ کا ذکر بعض قدیم مذہبی کتابوں میں ملتا ہے اور کچھ قرآن مجید میں۔ دوران تفسیر میں جن نبیوں کا ذکر آگیا ہے اُن کے ناموں اور حالات کو بیان کیا ہے

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تمام حالات بچپن، پرورش اور نبوت وغیرہ کا مفصل حال لکھا ہے۔ انھیں کے ذکر میں حضرت حزقیل اور حضرت جرجلیس کا ذکر بھی آگیا ہے۔ حافظ نسفی تو مختصراً حوالہ دے کر آگے بڑھ گئے ہیں۔ مگر علامہ عبد الحق نے دونوں کا بہت تفصیلی ذکر کیا ہے۔ حزقیل وہ تھے جنھوں نے اللہ کے حکم سے پوری مردہ قوم کو زندہ کر دیا تھا ان کے حالات اور تمام واقعات مفصل لکھے ہیں۔ اسی طرح جرجلیس کے متعلق لکھا ہے کہ وہ فلسطین کے بہت ہی نیک اور پارسا انسان تھے اور انھیں کی وجہ سے ان کی بستی جو گناہوں کی کثرت کی وجہ سے تباہ ہونے والی تھی بچ گئی۔ ان کے بہت سے واقعات اور کرامتوں کا ذکر بھی کیا ہے۔ آخر میں جب لوگوں کی سرکشی بہت بڑھی تو پھر عذابِ الٰہی آ ہی گیا اور زمین کو اُلٹ دیا گیا۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مفصل حالات لکھے ہیں۔ اُن کا بچپن، اُن کے فضائل، اُن کی نیکیاں، اُن کی اعلیٰ صفات، اولاد، ازواج وغیرہ کا ذکر کیا ہے۔ آپ کے غلام کتنے تھے اور اُن کے ساتھ آپؐ کا سلوک کیسا تھا۔ کتاب کون کون تھے۔ آپؐ نے مختلف جگہوں پر جن لوگوں کو سفیر بنا کر بھیجا اُن کے نام اور حالات بھی لکھ دیے ہیں۔ اس کے بعد اخلاق و عادات اور معجزات کا تفصیلی تذکرہ ہے۔

مسائل کے استنباط میں خاص توجہ کی ہے۔ امام شافعی، امام ابوحنیفہ امام یوسف وغیرہ کے فقہی استدلال اپنی باتوں کے ثبوت میں پیش کیے ہیں " فاینما تولوا فثم وجہ اللہ (۱) کی مکمل اور جامع تفسیر کی ہے۔ اس پر پوری

---

(۱) سورۂ بقرہ آیت ۱۱۵

بحث کی ہے اور کعبہ وحرم کی اہمیت کا ذکر کیا ہے۔ آیاتِ احکام میں ملا جیون کی تفسیراتِ احمدیہ کا حوالہ کئی جگہوں پر ملتا ہے۔ ہدایہ اور دوسری فقہی کتابوں کو بھی پیشِ نظر رکھا ہے۔ رازی، زاہدی وغیرہ کی تفسیروں کو بھی زیرِ بحث لائے ہیں۔ قبلہ کے مسئلے پر اچھی بحث کی ہے اور بہت سی دلیلوں سے یہ ثابت کیا ہے کہ قرآن مجید میں "شطر المسجد الحرام (۱)" سے مراد حرم کعبہ ہے۔

"اتموا الحج والعمرۃ" (۲) کے تحت حج سے متعلق مباحث کی توضیح کی ہے اور اس سلسلے میں بھی اپنی بات کا ثبوت ائمہ اور قدماء کی اہم کتابوں سے پیش کرتے ہیں۔ طلاق کے مسائل پر بھی سیر حاصل بحث کی ہے۔ طلاق رجعی، خلع وغیرہ کیا ہیں۔ سب بیان کیا ہے اور ائمہ کی رائیں اس سلسلے میں نقل کی ہیں۔

"حافظوا علی الصلوات والصلوٰۃ الوسطیٰ (۳)" میں "صلوٰۃ وسطیٰ" سے کیا مراد ہے۔ اس میں بہت سے لوگوں کو اختلاف ہے۔ حضرت انس اور معاذ بن جبل کی روایت کے اعتبار سے وہ فجر کی نماز ہے۔ ابن عمر اور زید بن اسامہ اسے ظہر قرار دیتے ہیں۔ ابن عباس کہتے ہیں کہ یہ مغرب کی نماز ہے اور بعض لوگ اسے عشاء کی نماز کہتے ہیں۔ لیکن حضرت عائشہ، حضرت ام سلمہ، حضرت عمر اور حضرت علی سے صریح طور پر مروی ہے کہ "صلوٰۃ وسطیٰ" صلوٰۃ عصر" ہے۔ اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یوں ثابت کرتے ہیں

---

(۱) سورۃ البقرۃ آیت ۱۴۴ (۲) سورۃ البقرۃ ۱۹۶

(۳) سورۃ البقرۃ آیت ۲۳۸

کہ احزاب کے معرکے میں عصر کی نماز قضا ہو گئی تھی تو نبی صلعم نے فرمایا۔

"اللہ ان کے گھروں کو آگ سے بھر دے۔ انھوں نے ہم کو صلوٰۃِ وسطیٰ یعنی نماز عصر سے غافل کر دیا۔"

اس کے بعد اس کی فضیلت اور اہمیت کا ذکر ہے کہ کیوں مخصوص طریقے سے اس کی حفاظت کا ذکر کیا ہے۔ پھر یہ بھی بتایا ہے۔ کہ حضرت ابو حنیفہ اور جمہور صلوٰۃ وسطیٰ کو عصر ہی تسلیم کرتے ہیں کیوں کہ یہ دن اور رات کی نمازوں کے بیچ میں ہے۔

تفسیر کے درمیان جن لوگوں کا ذکر آگیا ہے ان کے حالات بھی مختصراً بیان کر دیے ہیں۔ اس سلسلے میں اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ کے حوالے دیے ہیں۔ لسان العرب، مصباح وغیرہ سے الفاظ و لغت کے مباحث پیش کیے ہیں۔ تفسیر جلالین، تفسیر نیشاپوری، تفسیر بیضاوی، تفسیرات احمدیہ، تفسیر کبیر امام رازی وغیرہ کے حوالے بھی جا بجا نقل کیے ہیں۔

ہدایۃ المسالک فی حل تفسیر المدارک

مولانا عبدالہادی بھوپالی

مدارک التنزیل وحقائق التاویل کے بہت سے حاشیے لکھے گئے ہیں۔ زیر نظر کتاب "ہدایۃ المسالک" بھی ان میں سے ایک ہے۔ اس کے مصنف مولوی عبدالہادی صاحب چودھویں صدی کے اوائل میں پیدا ہوئے انھوں نے چودہ سال کی عمر میں کلام اللہ حفظ کیا۔ اس کے بعد علوم و فنون نقلیہ کی طرف توجہ کی۔ ۱۳۲۹ھ میں سند حاصل کی۔ ان کے والد مولانا عبدالاحد بھی بڑے صاحب کمال تھے۔ ان کے اساتذہ میں حافظ عبدالعزیز صاحب اور عبدالرب صاحب مشہور لوگوں میں سے تھے۔ انھوں نے اس کی تصنیف کی ضرورت سمجھی تاکہ طلبہ کی دشواری دور ہو اور وہ اس کے مطالب آسانی سے سمجھ سکیں۔

اس کتاب میں مصنف نے بہت سی ان باتوں کی تفصیل بیان کی ہے جن کا اصل تفسیر میں صرف حوالہ موجود ہے یا جہاں پر علامہ نسفی نے اختصار کو ملحوظ رکھا ہے۔ اس وقت جو کتاب پیش نظر ہے اس میں پارۂ سیقول سے لے کر پارہ لایحب اللہ تک کی تفسیر شامل ہے اس کا پتہ نہ چل سکا کہ اور حصے بھی شائع ہوئے ہیں یا نہیں۔ بہرحال پیش نظر پاروں کی تفسیر دیکھنے سے معلوم

ہوتا ہے کہ مولانا عبدالہادی طلبا کی مشکلات سے باخبر ہیں۔ انھوں نے مدّتوں درس دیا ہے اس لیے اپنے وسیع تجربے کی روشنی کو انھوں نے پیچیدہ مقامات کو سلجھا کر بیان کر دیا ہے۔

چوتھا باب

دستور المفسرین

مولانا عبدالنبی اکبرآبادی وفات ۱۰۲۱ھ

ان کا پورا نام عماد الدین محمد عارف اور عرف عبدالنبی عثمانی شطاری سندیلوی ثم اکبرآبادی ہے۔ ان کے والد شیخ عبداللہ بھی بڑے پایہ کے عالم اور صوفی بزرگ تھے۔ یہ دونوں چیزیں شیخ عبدالنبی کو اپنے والد سے ورثے میں ملی تھیں۔ افسوس ہے کہ ان کے مفصل حالات اور ولادت و وفات کی تاریخوں کا ٹھیک ٹھیک پتہ نہیں چلتا ہے۔ البتہ یہ بات یقینی ہے کہ ان کا زمانہ دسویں صدی کے آخر اور گیارہویں صدی ہجری کے شروع کا ہے۔ ان کی بعض کتابوں سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ طرب الاماثل بتراجم الافاضل کے حوالے سے رحمان علی صاحب (۱) اور مولانا عبدالحی صاحب (۲) نے ان کا زمانہ ۱۰۲۰ھ متعین کیا ہے۔ لیکن خود ان کی تصنیف "دستور المفسرین" ۱۰۲۱ھ کی تصنیف ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ اس وقت تک تو موجود تھے ہی۔

ان کی بہت سی تصانیف ہیں جن کا ذکر طرب الاماثل ص ۲۳۷ تذکرہ علمائے ہند ص ۱۳۵ اور نزہۃ الخواطر ۲۶۱/۵ میں ملتا ہے۔ فواتح الانوار شرح

(۱) تذکرہ علمائے ہند ص ۱۳۵
(۲) نزہۃ الخواطر ۲۶۱/۵

لوامع الاسرار، ذریعۃ النجاۃ، شرح المشکوٰۃ، شرح الفصوص، الفوائح، دستور السعادۃ، لوامع الانوار فی مناقب السادات، مقامات العارفین، حدائق الانشاء، کشف الاقوال اور دستور المفسرین وغیرہ۔ ان میں سے اکثر کا پتہ نہیں چلتا۔ غالباً ضائع ہو گئیں۔ دستور المفسرین غالباً ان کی آخری تصنیف ہے اس لیے کہ انھوں نے اس کے آخر میں لکھا ہے کہ اگر اجل نے مہلت دی تو ایک رسالہ آیات متشابہات کی تاویل میں لکھیں گے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اُن کی آرزو پوری نہ ہو سکی کیونکہ اِس قسم کے کسی رسالے کا اِن کی تصانیف میں نام نہیں ملتا ہے۔

دستور المفسرین ۳۷ اوراق کا رسالہ ہے جو ناسخ و منسوخ سے متعلق ہے۔ اِس کا قلمی نسخہ علی گڑھ میں مولانا عبدالحیی صاحب کے ذخیرۂ کتب میں موجود ہے (۱) نسخہ اچھے حال اور صاف خط میں ہے (۲) اس کی ابتدا اِن الفاظ سے ہوتی ہے:۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم و ارجوا منک الافاضۃ یا کریم
الحمدللہ الذی نسخ سنن الضلالۃ والھویٰ"

اِس کے بعد انھوں نے خاصا طویل مقدمہ لکھا ہے جس میں یہ بحث کی ہے کہ آیات کیوں اور کس طرح سے منسوخ ہوئیں۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرامؓ کی تعریف و توصیف کی ہے اور اس میں اپنی عربیت کے جوہر دکھائے ہیں۔

اِس کے بعد اپنے نام، حسب و نسب اور مذہب و طریقت کا ذکر کیا ہے اور علم تفسیر کی اہمیت اور اس کے رتبۂ عالی کو بیان کیا ہے۔

---

(۱) زبید صاحب نے اسے لاپتہ قرار دیا ہے ص ۲۸۸ ۔ (۲) مخطوطہ ۱۸/۱۴۱

ناسخ و منسوخ سے واقفیت کی ضرورت پر چند سطریں لکھی ہیں اور بتایا ہے کہ اس کے بغیر مطالب قرآنی اور احکامِ الٰہی کو صحیح طور سے سمجھنا ممکن نہیں ہے۔ اس سلسلے میں حسب ذیل واقعہ بیان کیا ہے۔

"حضرت علیؓ کوفے کی مسجد میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ ایک شخص کے گرد لوگ جمع ہیں اور اُس سے تفسیر قرآن کے بارے میں دریافت کر رہے ہیں اور وہ بتا رہا ہے۔ اس آدمی کا نام عبدالرحمٰن تھا۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری کا شاگرد تھا۔ آپ نے اُس سے پوچھا کیا تو ناسخ و منسوخ کو جانتا ہے۔ اُس نے کہا نہیں۔ آپ نے اُس کے کان مروڑے اور فرمایا کہ اس کے بعد ہماری مسجد میں بیان نہ کرنا۔ اس کے بعد حضرت حذیفہؓ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ کسی شخص کے لیے جو ناسخ و منسوخ سے واقف نہ ہو وعظ و تفسیر قرآن جائز نہیں ہے۔" (ورق ۳)

اسی طرح سے اور بھی بہت سی ایسی احادیث و اقوال نقل کیے ہیں جن میں اس بات کی تاکید کی ہے کہ ناسخ و منسوخ کا علم ہونا ایک مفسّر کے لیے بہت ضروری ہے۔ اِس کے بعد انھوں نے اِس کتاب کے لکھنے کی ضرورت بیان کی ہے اور بتایا ہے کہ اِن کے پیشِ نظر کیا ہے۔

مصنّف نے اپنی اِس تصنیف کو خانِ خاناں کے نام سے معنون کیا ہے۔ خان خاناں کی بہت تعریف کی ہے اور اُنھیں وحید العصر، فرید الزماں، صاحب السیف والقلم، منبع الجود والکرم وغیرہ القاب سے متصف کیا ہے۔

آگے چل کر اُنھوں نے لفظ نسخ کی لغوی تشریح کی ہے۔ نسخ کے معنی ازالہ کے ہوتے ہیں۔ نقل کرنے کے معنی میں بھی مستعمل ہے۔ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے کو بھی کہتے ہیں۔ اِس سلسلے میں مختلف علماء کے اقوال بھی نقل

کیے ہیں۔

بہرحال یہ بحث بہت لمبی کی ہے اور اس میں انھوں نے مختلف مثالیں پیش کی ہیں، علماء کے اقوال بھی نقل کیے ہیں اور فنی و لغوی باتوں کی طرف اشارے اور حوالے دیے ہیں۔ ابن حاجب، سیدی نحاس مسکین، ابو مسلم اصفہانی وغیرہ کی روایتیں بھی لکھی ہیں۔ لغوی بحث کے بعد یہ بحث شروع کرتے ہیں کہ نسخ کس قسم کی باتوں میں واقع ہوا ہے۔ اس میں بھی قدماء کے اقوال نقل کیے ہیں۔ بعض لوگوں کے نزدیک محض امر و نہی والی باتوں میں اس کا وقوع ہوا ہے بعض کے نزدیک امر و نہی وعد، وعید اور ایسی خبروں پر بھی واقع ہوا ہے جس کا تعلق امر و نہی سے ہے۔

یہ بحث بھی خاصی طویل ہے۔ مثالوں اور اقوال سے نسخ کی قسمیں سمجھائی ہیں اور مختلف دوسری صورتیں بھی بیان کی ہیں۔ اس کے بعد انھوں نے لکھا ہے کہ نسخ کی چار قسمیں ملتی ہیں۔

(۱) نیا حکم جو نافذ کیا گیا وہ منسوخ شدہ حکم سے زیادہ بھاری اور شاق ہو، مثلاً روزہ اور فدیہ کے درمیان اختیار کو منسوخ کرکے وجوب صوم کا حکم نافذ کیا گیا۔

اس کے علاوہ اسی قسم کی اور مثالیں دے کر اس مسئلے کو اچھی طرح سے واضح کیا ہے۔

(۲) جو حکم منسوخ کیا گیا ہے اُس کا کوئی بدل نہ متعین کیا گیا ہو۔

(۳) جو حکم نازل کیا گیا ہو وہ منسوخ شدہ حکم سے ہلکا ہو جیسے کہ پہلے جہاد میں مسلمانوں کو مخالفین کی دس گنی تعداد کا مقابلہ کرنا ضروری تھا۔ پھر اسے منسوخ کرکے یہ حکم نازل کیا گیا کہ صرف دوگنی تعداد سے مقابلہ کرنا لازمی ہے۔

(۴) جو حکم نافذ کیا جائے وہ ویسا ہی ہو جیسا کہ منسوخ شدہ حکم تھا۔ جیسے کہ ابتدائے اسلام میں بیت المقدس کو قبلہ قرار دیا گیا۔ بعد کو اسے منسوخ کر کے کعبۂ شریف کو قبلہ مقرر کیا گیا۔

اس کے بعد یہ بحث شروع کی ہے کہ جواز نسخ کن صورتوں میں ہوتا ہے اس میں بھی اقوال اور مثالیں پیش کی ہیں۔ آگے چل کر نسخ کی چار قسمیں پھر بیان کی ہیں۔

(۱) کتاب کا نسخ کتاب سے (۲) کتاب کا نسخ سنّت سے (۳) سُنّت کا نسخ سنّت سے (۴) سنّت کا نسخ کتاب سے۔

(۱) نسخ الکتاب بالکتاب یعنی پہلی قسم میں سب متفق ہیں۔

(۲) دوسری قسم یعنی نسخ الکتاب بالسنّت میں جمہور کا اتّفاق ہے لیکن شافعی اختلاف کرتے ہیں۔ شوافع کے نزدیک خبر متواتر سے آیاتِ قرآنی کی تنسیخ نہیں ہوتی۔ اس سلسلے میں مصنف نے دونوں کے دلائل پیش کیے ہیں اور مسائل پر خوب بحث کی ہے۔ جو لوگ نسخ الکتاب بالسنۃ کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم جو بھی گفتگو کرتے تھے اور جو بھی حکم دیتے تھے وہ من جانب اللہ ہوتا تھا اس لیے اگرچہ وہ کلام اللہ میں درج نہیں ہے لیکن اُس کا مرتبہ اس کے برابر ہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سنّت متواترہ سے آیتوں کا نسخ ہو سکتا ہے۔ جو لوگ قائل نہیں ہیں وہ کہتے ہیں کہ رسول صلعم چوں کہ ہم ہی میں سے ایک انسان تھے اور وہ جو باتیں کرتے تھے وہ بہرحال ایک انسان کی گفتگو ہوتی تھی اس لیے اُس سے آیت کی تنسیخ نہیں ہو سکتی۔ البتّہ جو باتیں انھوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کہی ہیں وہ مباح مانی جا سکتی ہیں۔ چوں کہ مصنف خود حنبا

حنفی ہیں اس لیے قدرتی طور پر جھکاؤ اسی طرف ہے اور انھوں نے حنفی مسلک ہی کو برتر ثابت کیا ہے۔

(۳) تیسری قسم یعنی نسخ السنۃ بالسنۃ میں جمہور کا اتفاق ہے کہ خبرِ متواتر خبر متواتر سے منسوخ ہو سکتی ہے۔ اسی طرح خبر واحد خبر واحد سے بھی منسوخ ہو سکتی ہے۔ لیکن خبر متواتر کا خبر واحد سے منسوخ ہونا عقلاً تو جائز تسلیم کیا جاتا ہے مگر شرعاً اس میں اختلاف ہے۔ اسے انھوں نے تفصیل سے بیان کیا ہے۔

(۴) چوتھی قسم یعنی نسخ السنۃ بالکتاب میں بھی سب کو اتفاق ہے۔

انھوں نے اس سلسلے میں مثالیں بھی پیش کی ہیں۔ اس کے بعد یہ بیان کرتے ہیں کہ کتاب اللہ میں نسخ تین قسموں کا ہے۔

(۱) حکم اور خط یعنی عبارت دونوں منسوخ ہو گئے (۲) خط منسوخ ہو گیا لیکن حکم باقی رہا (۳) حکم منسوخ ہو گیا لیکن خط باقی رہا۔

ان تینوں قسموں کی الگ الگ تفصیل بیان کی ہے اور سب کو مثالوں سے ثابت کیا ہے۔ اس کے بعد انھوں نے یہ بتایا ہے کہ علماء میں ناسخ و منسوخ آیات میں بہت اختلافات ہیں، بعض لوگ ایک سورت میں کسی آیت کو ناسخ قرار دیتے ہیں بعض اس کو تسلیم نہیں کرتے بعض کسی آیت کو منسوخ کہتے ہیں، دوسرے اسے نہیں مانتے۔ انھوں نے ان سورتوں کے نام لکھے ہیں جن میں آیاتِ ناسخہ و منسوخہ ہیں۔ الگ الگ لوگوں کے اختلافات کا ذکر تو نہیں کیا ہے البتہ یہ لکھ دیا ہے کہ کن کن سورتوں میں اختلاف ہے۔ ان کے نزدیک ۱۱۳ آیتیں منسوخ ہوئی ہیں۔

ان سب باتوں کے بیان کرنے کے بعد یہ اپنے موضوع پر آتے ہیں۔ اور

اپنی تحقیقات بیان کرتے ہیں۔ اس موقع پر انھوں نے قرآن مجید کی سورتوں کی ترتیب کے اعتبار سے آیات منسوخہ کا تذکرہ کیا ہے۔ پہلے سورۃ کا نام لکھتے ہیں پھر اُس کے مکی یا مدنی ہونے کا ذکر کرتے ہیں۔ پھر حروف و کلمات اور سورۃ کی کل آیات کی تعداد لکھتے ہیں (ایک آدھ جگہوں پر یہ تمام تفصیل نہیں بھی بیان کی ہے بلکہ مختصراً ضروری بات کہہ دی ہے) پھر یہ بیان کرتے ہیں کہ اس میں کتنی آیات منسوخ ہوئی ہیں۔ ہر آیت کا حوالہ بھی دیتے ہیں اور تفصیل سے اس کی وجہ نسخ بیان کرتے ہیں۔ اگر کسی آیت کی تنسیخ یا اس کی تفسیر میں کوئی اختلاف ہے تو اس کو بھی بیان کر دیتے ہیں۔ سورۃ الحمد میں کوئی آیت منسوخ نہیں ہوئی ہے۔ سورۃ بقرۃ میں تئیس آیتیں منسوخ ہوئی ہیں۔ سورۃ آلِ عمران میں نو، سورۃ النساء میں چوبیس۔ غرض اسی طرح سے تمام سورتوں کے نام اور ان کی تفصیل لکھی ہے۔ اگر کسی سورۃ میں کوئی آیت منسوخ نہیں ہوئی ہے تو بھی حروف و کلمات آیات کی تعداد اور مکی و مدنی کا فرق بیان کر دیتے ہیں۔ ان کے طرزِ استدلال کو سمجھنے کے لیے نمونہ کے طور پر چند عبارتیں پیش کرنے کی ضرورت تھی مگر اردو داں حضرات ان مباحث کے مطالعے میں اُلجھن محسوس کریں گے اس لیے نظر انداز کی جا رہی ہیں۔

کتاب کی ترتیبِ اوراق میں جلد ساز سے غلطی ہوگئی ہے۔ یعنی آخر کا ایک ورق جس میں آخری سورتوں کا ذکر ہے۔ بیچ میں آگیا ہے۔ اس میں سورۃ فیل، سورۃ قریش، سورۃ تکاثر، سورۃ فلق اور سورۃ ناس کا بیان ہے۔ یہ ورق کتاب کے حساب سے بچاسواں ہے۔ حالانکہ اسے ورق بہتّر کے بعد ہونا چاہیے تھا۔ اس کے علاوہ بعض جگہوں سے دو ایک ورق غائب ہیں۔ جس کی وجہ سے عبارت کا تسلسل ختم ہوگیا ہے اور مطلب بھی خبط ہوگیا ہے۔ مثال کے طور پر ورق نمبر ۳۰ ب اور ورق ۳۱ الف میں کوئی تعلق نہیں معلوم ہوتا۔ اسی طرح سے

ورق ۴۱ ب اور ۴۲ میں ربط نہیں ہے۔ ورق ۴۴ ب اور ۴۵ کے بیچ کا کچھ
حصہ غائب ہے۔ اسی طرح سے ایک آدھ جگہ پر اور بھی ہے۔ غالباً اس کی وجہ
یہ ہوگی کہ بیچ کے اوراق گم ہو گئے ہوں گے۔ بیچ میں ایک آدھ جگہ پر کتاب
زیادہ کرم خوردہ ہے جس کی وجہ سے چند عبارتیں غائب ہیں۔

ناسخ و منسوخ کا یہ رسالہ مکمل کرنے کے بعد انھوں نے اپنے اس خیال
کا اظہار کیا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے موقع دیا تو ایک رسالہ اور لکھیں گے جس میں
متشابہ آیات کی تاویلات بیان کریں گے۔

لیکن غالباً یہ کتاب نہیں لکھی گئی۔ مگر مصنف کے اس اعلان سے اندازہ
ہوتا ہے کہ اس زمانے میں لوگوں کو علمی مباحث کے مطالعے کا کتنا شوق تھا۔

دستور المفسرین کے خاتمے کی عبارت خاصی طویل ہے۔ جو "وقد حصل
الفراغ من تسوید هذه المقال بعون الملک الوهاب" سے شروع ہو کر "آمین
یارب العالمین" پر ختم ہوتی ہے۔ اس میں "تاریخ اور سنہ تصنیف در دوشنبه ۲۱ ر
صفر ۱۲۱۰ھ" درج ہے۔ (ورق ۷۳)

یوں تو علم ناسخ و منسوخ پر اور بھی کتابیں مل جاتی ہیں۔ لیکن جو علمی
بحثیں اور انداز بیان اس کا ہے وہ دوسرے ہندوستانی مصنفین کے یہاں کمتر
ملتا ہے۔ پھر یہ کہ سورتوں، آیات، کلمات اور الفاظ کی بھی تفصیل اس میں
درج ہے۔ یہ نسخہ بہت نادر ہے۔ کسی دوسرے نسخے کا پتہ اب تک نہیں چل سکا
ہے۔ غالباً کہیں بھی نہیں پایا جاتا ہے۔ ڈاکٹر زبید احمد نے اس کا نام بھی
صحیح نہیں لکھا ہے۔ انھوں نے اس کا نام دستور المصنفین بتایا ہے اور
لاپتہ قرار دیا ہے۔

کتاب کے خاتمے پر داہنی طرف ایک مہر ہے جو پڑھی نہیں جا سکی۔ اس کے

دوسری طرف غالباً کاتب کی تحریر اس نسخے کی کتابت کے بارے میں ہے۔ جو پوری طرح سے تو نہیں پڑھی جا سکی لیکن اتنی بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ مصنّف کے مسوّدے سے ۱۰۲۷ھ میں اس کو نقل کیا گیا۔

الرّسالۃ الواضحۃ فی تخریج الآیات

موسوم بہ ھادیہ قطب شاہی

محمد علی کربلائی (۱۰۳۵ھ)

یہ کتاب آیاتِ قرآنی کی تخریج سے متعلق ہے۔ اِس کے متعدد نسخوں کا پتہ چلتا ہے۔ ایک انڈیا آفس لائبریری میں ہے (۱) دوسرا حیدر آباد دکن کی آصفیہ لائبریری میں (فارسی میں) تیسرا خدا بخش لائبریری پٹنہ میں (۲) (عربی میں) چوتھا رضا لائبریری رام پور میں (۳) (فارسی میں) اور پانچواں لکھنؤ کی ناصریہ لائبریری میں (۵) (عربی میں) اس کے نسخے عربی اور فارسی دونوں زبانوں میں ملتے ہیں۔ اندازہ یہ ہوتا ہے کہ پہلے عربی میں لکھا گیا تھا۔ پھر فارسی میں منتقل کیا گیا۔ اِس کی ابتدا اِن الفاظ سے ہوتی ہے۔

"بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم الحمد للہ الّذی نزّل القرآن تبیاناً للعالمین۔"

اِس کی وجہِ تصنیف یہ بیان کی ہے کہ ان کے دوستوں، بزرگوں اور دوسرے لوگوں کو اپنی ضرورت کی آیت تلاش کرنے میں کافی دقت ہوتی تھی اس لیے ان کے استاد خاتون عاملی (۶) نے یہ کام اُن کے سپرد کیا کہ قرآن کریم سے ضرورت کی

---

(۱) نمبر ۸۴ (۲) نمبر ۲۹ (۴) نمبر ۱۶۱

(۵) نمبر ۱۵ (۶) حالات کے لیے معجم المؤلفین ۲۱۱

آیتوں کی تخریج کے لیے ایک ایسی کتاب لکھیں جس سے آسانی کے ساتھ مطلوبہ آیت تلاش کی جا سکے۔ استاد کے حکم کے پیشِ نظر اُنھوں نے اِس کتاب کو مرتب کیا اور اسے والیِ دکن عبد اللہ قطب شاہ کے نام پر طول طویل تعریفی کلمات کے ساتھ معنون کیا۔

اِس کے بعد قاعدہ لکھا ہے کہ کس طرح ضرورت کی آیت تلاش کی جائے۔ یہ قواعد اور دیباچہ فارسی نسخوں میں فارسی میں ہے اور عربی نسخوں میں عربی میں۔ اِس کے بعد وہ حروف لکھے ہیں جو علامت کے طور پر استعمال کیے گئے ہیں۔ مثلاً س علامت سجدہ ہے۔ ف۔ علامتِ فصل ہے۔ د علامتِ دخان ہے۔ اسی طرح سے انھوں نے تمام علامتوں کو بیان کر دیا ہے۔

یہ رسالہ دو حصّوں میں منقسم ہے۔ پہلے حصّے میں آیات کی ترتیب ابتدائی حروف کے اعتبار سے ہے اور دوسرے حصّے میں آخری حروف کے اعتبار سے۔ اِس طرح سے اگر آیت تلاش کرنے والے کو پہلے یا آخری الفاظ یاد ہیں تو وہ آسانی سے اپنی ضرورت کی آیت کو تلاش کر سکتا ہے۔ اِس کتاب میں انھوں نے جو طریقہ استعمال کیا ہے۔ اُس کے متعلق وضاحت کر دی ہے۔

اِس طرح سے جس آیت کی تلاش مقصود ہو اُس کو اُن کے بتائے ہوئے اصولوں کے پیشِ نظر سہولت سے معلوم کیا جا سکتا ہے۔

پٹنے والے نسخے کے خاتمے کی عبارت یہ ہے :-

"وقد اتفق الفراغ من تحریرہ علی ید اقل العباد صادق بن مولانا محمد طاهر شیرازی غفر لهما۔"

اِس سے اوپر تاریخ فراغ محرم ۱۰۴۵ھ لکھی ہے۔

لکھنؤ والا نسخہ بھی اچھے حال میں ہے۔ کتابت صاف ستھری ہے۔

۴۴۲ ورق ہیں۔ البتہ آخری حصہ مکمل نہیں ہے۔ باب الباء والصاد مع العین والغین آخری باب اس کتاب میں لکھا ہے۔ خاتمے کی عبارت یہ ہے :-

مع العین انت الاعلی یود ربک الاعلی ل عظی ب
وعا الافق الاعلی کن انجم ربکم الاعلی ل لن ا اوبہ الاعلی
ل طی ج من استعلی الدرجات العلی یوطج والسموات العلی
یوطج مع القاف وما قلی ل غج مع الواو فا ولی لطف قیا
سیرتھا الاولی یوطیح -

مجمع الفوائد

قلی بن بادشاہ قلی (در عہد اورنگ زیب) (۱۱۱۱ھ)

اورنگ زیب کے عہد میں اس کتاب کی تصنیف ہوئی۔ اِس کا قلمی نسخہ علی گڑھ لائبریری میں سبحان اللہ کلکشن میں موجود ہے (۱) اِس میں ۲۱۴ اوراق ہیں۔ یہ کتاب ضبط الفاظ قرآنی، اعراب، قرأت مشہورہ ائمہ سبع اور بیان معانی و تفسیر پر مشتمل ہے۔ اِس میں مصنف نے اِس بات کی کوشش کی ہے کہ متعلقاتِ قرآن مجید پر مختصر انداز میں ایسی بحثیں کریں کہ تمام ضروری باتیں حل ہو جائیں اور پڑھنے والے تمام مسائل کو بہ آسانی سمجھ لیں اور کسی دوسری کتاب کی ضرورت محسوس نہ ہو۔ ایسی کتاب لکھنے کے لیے اطمینان اور سکون کی بہت ضرورت تھی۔ صاحب کتاب نے لکھا ہے کہ وہ اس سلسلے میں وادیِ کشمیر میں رہے اور اس تصنیف کو مکمل کیا ۱۱۱۱ھ میں اورنگ زیب کے عہد میں تھوڑے اس سے فراغت حاصل کی

کتاب کا انداز یہ ہے کہ پہلے آیت بیان کرتے ہیں۔ اس کے بعد اعراب اور نحوی ترکیب سے بحث کرتے ہیں۔ پھر دلیل الوقوف کی سرخی کے تحت یہ بیان

---

(۱) نمبر ۱۱/۲۹۷
۲

کرتے ہیں کہ کن جگہوں پر وقف ثابت ہے اور اس کی وجہ بیان کرتے ہیں۔ اس کے بعد المعنی کے تحت اُس کا مفہوم فارسی میں لکھتے ہیں۔ یہ کتاب ابتدا سے قرآن شریف سے۔

"لقد ارسلنا نوحا الی قومہ فقال یا قوم اعبد و اللہ مالکم من الٰہ۔" (۱)

تک ہے۔ اس آیت کی تفسیر شامل نہیں ہے۔ اندازِ بیان کو سمجھنے کے لیے کتاب کی عبارت ضروری تھی۔ مگر اعراب و قراءت کے فنی مباحث اُردو داں حضرات کے لیے دردسری کا باعث ہوں گے۔ اس لیے نظر انداز کیا جا رہا ہے۔

چوں کہ صرف معنی یا ایک آدھ جگہ پر ایک دو جملے فارسی میں ہیں اور بقیہ سب بحثیں عربی میں ہیں اس لیے اسے عربی کی تصنیف کہا جا سکتا ہے۔ شروع میں ایک مقدمہ لکھا ہے جس میں قواعد قرآن اور اسی قسم کی دوسری ضروری بحثیں ہیں۔ مثلاً اوقافِ قرآنی وغیرہ کا ذکر کیا ہے۔ یہ مقدمہ بھی فارسی میں ہے۔

---

(۱) سورۃ الاعراف آیت ۵۹

ترتیب مطالب القرآن

(سنہ ۱۱۳۰ھ)

اس کتاب کا قلمی نسخہ جامعہ ملیہ کے کتب خانے میں موجود ہے (۱) پہلے صفحہ پر ایک مہر ہے " یا محمد" اس کے بعد یہ عبارت لکھی ہے۔

"اللہ اکبر من عوادی الزمان عند العبد الضعیف الراجی رحمۃ ربہ المنان مرزا محمد بن محمد خان ختم اللہ لہ بالامن والایمان۔"

کتاب کے مصنف کا پتہ نہیں چلتا۔ لیکن انداز سے یہ ہندوستانی معلوم ہوتے ہیں۔ شروع کے کچھ ورق غائب ہیں۔ کتاب کی عبارت موجودہ نسخہ میں "المشرق والمغرب فاینما تولوا فثم وجہ اللہ (۲)" سے شروع ہوتی ہے۔ اس کتاب میں مصنف نے مختلف عنوانوں کے تحت آیاتِ قرآنی کو جمع کیا ہے۔ یہ کتاب سات ابواب پر مشتمل ہے۔ ہر باب کے کئی کئی جز ہیں جن کو ذیلی سرخیوں کے تحت مرتب کیا گیا ہے۔ سات ابواب یہ ہیں۔

---

(۱) نمبر ۲۱۵ (۲) سورۃ البقرۃ آیت ۱۱۶

(۱) قد علمنا ما فرضنا علیہم۔ اس میں انھوں نے اسلام اور عمل صالح و عمل سوء یعنی حسنات و سیئات سے متعلق آیات کو جمع کیا ہے۔ مثلاً پہلی آیت یہ لکھی ہے "یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ" اے رسول جو کچھ آپ پر آپکے رب کی طرف سے نازل کیا گیا۔ اسے دوسروں تک پہنچا دیجیے۔ اگر آپ نے ایسا نہیں کیا تو آپنے اس کے پیغام کو نہیں پہنچایا۔ (۱) اس قسم کی اور بھی بہت سی آیات پیش کی ہیں۔ عمل صالح و سوء سے متعلق یہ آیت لکھی ہے من عمل صالحا فلنفسہ ومن اساء فعلیہا (جس نے کوئی نیک کام کیا اپنے لیے کیا اور کوئی برائی کی تو اس کا نقصان اس پر مرتب ہوگا)

(۲)۔ وما تحمل من انثی ولا تضع الا بعلمہ۔ اس میں المھتدین المضلین العالمین الذاکرین المتقین الصادقین الکاذبین ملتہ السابقین مذھب الاحقین، المنافقین، المرتدین والمشرکین المھاجرین والمجاھدین، الصابرین، الحاکمین وما ینا سبہم المنجمین عمل الزارعین والحافرین، اھل الصحور والھبوط اھل الصناعۃ، اھل الکتب وغیرہ سے متعلق سرخیاں قائم کی ہیں اور حسب عنوان آیات جمع کی ہیں۔

(۳) واللہ یعلم ما فی قلوبکم۔ اس کے تحت نیت و اخلاص، توبہ و استغفار خوف، رجا، رحمت، استقامت و رسوخ، ضیافت و اتفاق اور اسی قسم کی دوسری بھلائیوں سے متعلق آیات پیش کی ہیں۔

(۴) واللہ یعلم ما فی انفسکم فاحذروہ ـــ اس میں بخل و امساک، حرص و طمع، غیبت و سوء ظن، مکر و حسد، شراب و کباب وغیرہ کی آیات لکھی ہیں۔

---

(۱) سورۃ المائدہ آیت ۶۷

(۵) هو اعلم بما تفیضون فیه ۔ اس میں حسن الوجہ، حسن الخط، حسن الکلام حسن الصوت وغیرہ کی آیات ہیں۔

(۶) واللہ یعلم ما فی البر والبحر۔ یہاں ذکر السفر والتجار، والسفینۃ والحفظ والاعتصام بالفتن والبلیات والمرض والشفاء کی آیات نقل کی ہیں۔

(۷) وما یعمر من معمر ولا ینقص من عمرہ الا فی کتاب ۔ اس میں بڑھاپا اور موت کی آیات جمع کی ہیں۔

اس کتاب میں کسی بھی آیت کی تفسیر بیان نہیں کی گئی ہے۔ بس عنوان سے متعلق آیات جمع کر دی گئی ہیں۔

مصنف اور سنہ تصنیف کا پتہ باوجود کوشش کے نہیں چلا۔

التفسیرات الاحمدیہ فی بیان آیات الشرعیہ

احمد بن سعید ملا جیون ولادت ۱۶۳۷ھ وفات ۱۷۱۸ھ

ان کی بہت سی بیش بہا تصنیفات ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ شہرت اور افادیت اصول فقہ کی کتاب نور الانوار اور ان کی تفسیر کو نصیب ہوئی۔ اس میں انھوں نے آیاتِ شرعیہ کی تشریح و توضیح کی ہے۔ اس کی تصنیف انھوں نے ۱۰۶۴ھ میں شروع کی جب کہ اُن کی عمر محض سترہ سال تھی۔ اُس وقت "حسامی" پڑھتے تھے۔ ۱۰۶۹ھ میں اس کو مکمل کرلیا۔ ستائیس سال کی عمر میں اس پر نظرِ ثانی کی۔ ان کی دوسری تصنیف "نور الانوار فی شرح المنار" ہے اس کو انھوں نے مدینہ منورہ میں دو مہینوں میں لکھا۔ اس کے علاوہ "سوانح علی منوال اللوائح للجامی" "مناقب الاولیاء" جس میں انھوں نے مشائخ کے حالات لکھے ہیں۔ یہ کتاب آخر عمر میں اپنے وطن امیٹھی میں تصنیف کی۔ اس کتاب کی تکمیل اُن کے لڑکے عبد القادر کے ہاتھوں ہوئی۔ "آدابِ احمدی" کو بچپن میں لکھا تھا۔ "مناقب الاولیا" میں خود ہی لکھا ہے۔ "تیرہ سال کی عمر میں میرے والد کا انتقال ہوا۔ اس کے بعد ہی میں نے آدابِ احمدی لکھی۔ اس میں جمعہ اور عیدین کے خطبے جمع کیے۔ بائیس سال کی عمر میں تحصیلِ علم سے فراغت حاصل کی۔

اور درس و تدریس میں لگ گیا۔ عربی میں انتیس قصیدے کہے۔ ۱۱۳۰ھ میں دہلی میں انتقال ہوا۔ وہیں دفن ہوئے۔ لیکن تھوڑے عرصے بعد اُن کے جسم کو لوگوں نے اُن کے وطن امیٹھی منتقل کر دیا۔ (۱)

ان کی تفسیر عام طور سے تفسیرِ احمدی کے نام سے مشہور ہے۔ یہ قرآن مجید کی مکمل تفسیر نہیں ہے بلکہ اس میں محض اُن آیتوں کی توضیح کی گئی ہے جن سے کوئی حکم مستنبط ہوتا ہے۔ کتاب کے شروع میں ایک مختصر سا مقدمہ ہے جس میں مصنف نے یہ بیان کیا ہے کہ بچپن میں وہ سنا کرتے تھے کہ امام غزالی نے پانچ سو آیتیں اس قسم کی اکٹھا کی تھیں جن سے کچھ مسائل نکلتے تھے۔ ملا جیون کو شروع ہی سے اس کام سے دلچسپی تھی۔ اُنھوں نے اس سلسلے میں پوری چھان بین کی۔ نتیجے کے طور پر اُن کو پتہ چلا کہ یا تو امام غزالی نے یہ کام کیا نہیں یا پھر وہ زمانے کی دستبرد سے محفوظ نہ رہ سکا۔ سولہ سال کی عمر میں اُنھوں نے قرآن مجید سے احکام والی آیاتوں کو الگ کر کے اُن کی تشریح کر ڈالی۔ اکیس سال کی عمر میں یہ کام پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا اور چھ سال مزید اُس پر نظر ثانی میں لگے۔

اُنھوں نے ان آیتوں کو قرآن مجید کی ترتیب کے مطابق ہی رکھا ہے۔ جس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہیں اُس سے پہلے یہ لکھتے ہیں کہ اس سے کون سا مسئلہ نکلتا ہے۔ آیت کی تشریح سے قبل اُس کی شانِ نزول بیان کرتے ہیں۔ اس کے بعد الفاظ و لغت کے استعمال پر نظر ڈالتے ہیں۔ لفظی تراکیب اور اعراب کی اہمیت اور اُن کی خوبیوں کا ذکر کرتے ہیں پھر اُس کی مکمل اور جامع توضیح ہوتی ہے۔ اور اس کا ذکر ہوتا ہے کہ اس سے کون سا مسئلہ نکلتا ہے۔ ایک فہرست الگ سے بھی ہے جس سے یہ پتہ آسانی سے چل جاتا

(۱) نزہتہ ص ۱۹ ج ۶ حدائق ص ۴۳۲۔ مآثر الکرام دفتر اول ص ۲۱۶ خزینۃ الاصفیاء ص ۲۶۵ ج ۶

ہے کہ کن سورتوں اور کن آیتوں سے احکام اخذ کیے گئے ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ یہ بھی پتہ چل جاتا ہے کہ کس سورۃ سے کس قسم کا مسئلہ نکلتا ہے۔ جن آیتوں سے کوئی مسئلہ نہیں نکلتا ہے انھیں "خالیۃ عن الاحکام" قرار دیا ہے۔ مثلاً سورۃ رعد، سورۃ سبا، سورۃ فاطر، سورۃ حٰم، سورۃ السجدہ وغیرہ سے کوئی بھی مسئلہ نہیں نکلتا ہے۔ سب سے زیادہ مسائل سورۂ بقر، سورۂ نساء، سورۂ مائدہ اور سورۂ انعام سے علی الترتیب نکلتے ہیں۔ مسائل بیان کرنے اور اپنی بات کے ثبوت میں احادیث نبوی اور صحابۂ کرام کے اقوال اور مروّجہ باتوں کو بھی بیان کرتے گئے ہیں۔ اِس سے باتیں مدلل اور زیادہ پُرزور ہو گئی ہیں۔

پہلی آیت جس سے اُن کے نزدیک کسی مسئلے کا پتہ چلتا ہے سورۂ بقرہ کی یہ آیت ہے۔

"ھو الذی خلق لکم ما فی الارض جمیعًا ثم استوی الی السّماء فسوّٰھنّ سبع سمٰوات وھو بکل شیئٍ علیم" (سورۂ بقر آیت ۲۹)

وہی ہے جس نے تمہارے لیے زمین میں جو کچھ ہے سب پیدا کیا۔ پھر آسمان کا قصد کیا اور سات آسمان ٹھیک طور سے بنائے اور وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔

اس سے انھوں نے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ "ان الاباحۃ اصل فی الاشیاء" اِس کی اُنھوں نے لمبی تشریح کی ہے اور اپنی بحث میں یہ ثابت کیا ہے کہ ہر چیز جائز تھی سوائے اُن چیزوں کے جن سے خاص طور سے روک دیا گیا ہو۔ جن آیتوں سے حکمِ امتناع ثابت ہوتا ہے وہ اس قسم کی آیتوں کی ناسخ ہیں۔ بہ ہر حال جس چیز سے روکا نہ گیا ہو وہ جائز ہے اور یہ آیت خلق لکم ما فی الارض

جیسا" اِس بات کا ثبوت ہے۔ بعض لوگوں کے نزدیک ہر حال میں حرمت اصل ہے۔ مگر حنفیوں کا مسلک وہی ہے جس کا اوپر ذکر ہوا۔ یعنی اصل حلّت ہے حرمت کے لیے دلیلِ تحریمی ضروری ہے۔

اُنھوں نے بعض کتب تفاسیر کو بھی اپنے مطالعے میں رکھا تھا۔ جن کا حوالہ مختلف جگہوں پر دیتے ہیں۔ مثلاً "بیضاوی" "تفسیر کبیر" "اتقان فی علوم القرآن" وغیرہ۔ کتب تفسیر کے ساتھ ساتھ فقہ میں "شرح وقایہ" "ہدایہ" اور "فتاویٰ حمادیہ" کچھ کتابیں اصول کی "شرح العقائد" تفتازانی کی۔ کلام میں اور اِس کے علاوہ بعض دوسری کتابیں اہم علوم وفنون پر بھی اُن کے زیرِ نظر تھیں۔ غرض اِس طرح سے اُنھوں نے اپنے وسیع مطالعہ اور خداداد لیاقت سے اِس تفسیر کو بڑی حد تک عظیم بنا دیا ہے۔

ویسے تو تقریباً تمام ہی مفسّرین آیاتِ قرآنی کی تشریح و توضیح کرتے وقت مسائل کی طرف بھی اشارہ کر دیتے ہیں۔ بعض سیر حاصل بحثیں کرتے ہیں۔ لیکن ملّا جیون نے الگ سے یہ کام کر کے ایک بڑا کارنامہ انجام دیا ہے۔

اُنھوں نے تقریباً ساڑھے چار سو آیتیں ایسی منتخب کی ہیں۔ اُن کا نقطۂ نظر حنفی ہے۔ مگر اُنھوں نے مسائل کے بیان میں دوسرے فرقوں کے اصولوں کا بھی ذکر کر دیا ہے۔

کتاب کے خاتمے پر اُنھوں نے اپنا نام، خاندان اور مذہب و مسلک بیان کیا ہے اور یہ بتایا ہے کہ یہ کتاب کب شروع کی اور کب ختم کی اور اور کب نظرِ ثانی سے فارغ ہوئے۔ الغرض مندرجۂ ذیل الفاظ پر کتاب ختم ہوتی ہے:-

"الحمد للہ علیٰ نوالہ والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ محمد وآلہٖ واصحابہ اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین۔"

نجوم الفرقان

مصطفیٰ بن محمد سعید جون پوری

جون پور کے رہنے والے تھے لیکن بعد میں اورنگ آباد میں سکونت اختیار کرلی۔ علوم ادبیہ میں ایک خاص درجہ رکھتے تھے اور اعظم بن عالمگیر کے ندیموں میں سے تھے۔ وہ ان سے تمام مسائل میں مشورہ کرتا تھا اور بیشتر وقت اپنے ہی ساتھ رکھتا تھا۔ ایک مرتبہ اورنگ زیب کو ان سے کسی معاملے میں بدگمانی ہوگئی۔ اس نے ان کو معزول کرکے حج کے لیے بھیج دیا۔ حج کے بعد یہ ہندوستان واپس آئے تو اورنگ زیب سے فقیرانہ کے بھیس میں ملاقات کی۔ عالمگیر نے فوراً یہ مصرع پڑھا ع

بہر صورتے کہ آئی می شناسم

محمد اعظم نے ان کی بہت سفارش کی مگر عالمگیر کا دل ان کی طرف سے صاف نہ ہوا (۱)۔ تفسیر سے متعلق ان کی کئی تصانیف کا پتہ چلتا ہے۔ نجوم القرآن جس کا ذکر آگے آئے گا۔ امارات کلام الرحمٰن فارسی زبان میں

---

(۱) نزہتہ ۶/۳۰۲

تخریج آیات سے متعلق اچھا رسالہ ہے۔ اس کا قلمی نسخہ رام پور کے کتب خانے میں موجود ہے۔ ایک اور رسالہ اقسامِ آیاتِ قرآنیہ کے نام سے بھی لکھا تھا۔

یہ کتاب قرآن مجید کی آیات کی تخریج کے لیے لکھی گئی تھی۔ اس کے متعدد قلمی اور مطبوعہ نسخے عربی اور فارسی میں ملتے ہیں۔ اس کا اندازہ نہیں ہو سکا کہ پہلے کس زبان میں لکھی گئی تھی۔ عربی نسخہ کی ابتدا ان الفاظ سے ہوتی ہے :

"الحمد للہ الواحد الذی جعل آیات الکتاب معجزا
ومھدیا الی سبیل الھدایات۔"

اس کے بعد اپنا نام بتایا ہے اور تصنیف کے بارے میں لکھا ہے کہ اس کے لکھنے کا کیا سبب ہے۔

اس کے بعد لکھتے ہیں کہ اس فن میں بہت سے لوگوں نے کتابیں لکھی ہیں جو نظر سے گزریں لیکن وہ سب بڑی ضخیم اور زیادہ مفصل ہیں جس کی وجہ سے ان سے حسب دل خواہ فائدہ نہیں اٹھایا جا سکتا۔ اس نقطۂ نظر سے میں نے مختصر طریقے پر یہ کتاب تصنیف کی ہے۔ اس کا سنِ تصنیف انھوں نے اورنگ زیب کا ۳۷ واں (۱) سنہ جلوس لکھا ہے۔ اورنگ زیب کی بہت تعریف کی ہے اور اپنی اس تصنیف کو اورنگ زیب ہی کے نام معنون کیا ہے۔

کتاب کے مقدمہ میں اس سے فائدہ اٹھانے کے اصول و قواعد بیان

---

(۱) سنہ ۱۶۹۳ء

کیے ہیں۔ اُنھوں نے بھی وہی انداز اختیار کیا ہے جسے عام طور سے لوگ تخریج کے سلسلے میں استعمال کرتے ہیں۔

مصنّف کی دونوں تصانیف یعنی نجوم الفرقان اور امارات کلام الرّحمٰن دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ دونوں یکساں ہیں۔ ایک ہی قسم کی عبارتیں ہیں۔ ایک ہی قسم کے نمونے اور حوالے ہیں۔ بس اتنا ہی فرق معلوم ہوتا ہے کہ دونوں کا مقدمہ مختلف ہے۔ نجوم الفرقان اورنگ زیب کے نام سے معنون ہے۔ دوسری کسی کے نام نہیں۔ کسی آیت کی تلاش کے لیے جو نمونہ خود انھوں نے پیش کیا ہے وہ بھی دونوں میں یکساں ہے۔ بہرحال تخریج آیات کے لیے دونوں ہی کتابیں اچھی سمجھی جاتی ہیں۔

رسالہ دربیان اقسام آیات قرآنیہ

اکسٹھ اوراق کا یہ رسالہ لکھنؤ کے ناصریہ کتب خانے میں اچھے حال میں موجود ہے (۱) اس کے مصنف کا کسی طرح پتہ نہیں چلتا۔ کتاب کے شروع میں کسی نے لکھا ہے کہ "مؤلفِ ہذا الکتاب معاصر السلطان قطب شاہ فی دکن"۔ اس سے خیال پیدا ہوتا ہے کہ اسی عہد میں کسی نے لکھا ہوگا (۲)

اس رسالے میں مصنف نے قرآن مجید کی آیتوں کو مختلف عنوانوں کے تحت الگ الگ تقسیم کیا ہے اور اس تقسیم کی وجہ بھی بیان کی ہے۔ اس سلسلے میں مختلف الفاظ کی تشریح بھی کرتے ہیں۔ ابتدا ان الفاظ سے ہوتی ہے:

"بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم الحمد للہ العدل ذی العظمۃ والجبروت"

---

(۱) نمبر ۶۹ (تفسیر)

(۲) زبید احمد صاحب نے اپنی کتاب میں مصطفیٰ بن محمد سعید کے ایک رسالہ اقسام آیات قرآن کا ذکر کیا ہے۔ (ص ۲۴۲) ممکن ہے یہ وہی رسالہ ہو۔ مصطفیٰ بن محمد سعید حج سے واپسی کے بعد کچھ دن اورنگ آباد میں رہے ہیں۔ چوں کہ ان کا سنِ وفات نہیں معلوم ہے اس لیے یقین سے تو یہ بات نہیں کہی جاسکتی ہے لیکن گمان غالب یہی ہے کہ یہ رسالہ انھیں کا ہے

اس کے بعد لکھا ہے کہ:۔

"جو شخص ناسخ و منسوخ، خاص و عام، محکم و متشابہ، مکی و مدنی، اسبابِ نزول وغیرہ امور سے ناواقف ہے۔ وہ عالمِ قرآن نہیں ہے۔"

اس رسالے میں انھوں نے الگ الگ چھوٹے چھوٹے عنوان قائم کیے ہیں جن کے تحت اس عنوان سے متعلق ضروری باتوں کی تفسیر بیان کرتے ہیں۔ مثلاً "تفسیر المحکم من کتاب اللہ" "اوّل ما انزل اللہ من القرآن" "تفسیر الضلال" "تفسیر الہدیٰ" "تفسیر الوحی" "تفسیر الخلق" "تفسیر القضا" "تفسیر النور" "تحریفات القرآن" "تفسیر وجوہ الشرک" "ما جاء فی القصص واقسامہا" "رد علی من انکر حدوث العالم" "تفسیر الایمان ودرجاتہ" وغیرہ۔

کتاب کا اختتام اس عبارت پر ہوتا ہے۔

"نعوذ باللہ من الضلالۃ بعد الہدیٰ واتباع الہویٰ وایاہ نستعین علی ما یقرب منہ انہ سمیع مجیب۔ تمت الکتاب۔"

فتح الخبیر بما لا بد من حفظہ فی التفسیر

شاہ ولی اللہ دہلوی (م ۱۱۷۶ھ)

یہ ایک چھوٹا سا رسالہ ہے جو در اصل فوز الکبیر فی اصول التفسیر میں شاہ صاحب نے پانچویں اور آخری باب کے طور پر لکھا تھا۔ اس کو شروع کرتے وقت خود غالباً اُن کے ذہن میں بھی یہ تھا کہ اسے کبھی بھی الگ کرکے ایک مستقل کتابچے کی شکل دی جا سکتی ہے۔ چنانچہ خود ہی لکھا ہے۔

"واین باب بہ خطبہ علیحدہ شروع کردہ شد تا رسالہ باشد مستقل اگر کسی خواہد جدا نویسد۔"

یہ رسالہ ایک خاص نقطۂ نظر کے تحت مرتب کیا گیا ہے۔ یہ قرآن کریم کی مکمل تفسیر نہیں ہے بلکہ بعض آیتوں اور الفاظ کی مختصر شرح ہے جسے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا گیا ہے۔

علامہ سیوطی نے "الاتقان فی علوم القرآن" کے نام سے ایک بہت ہی مفصل اور جامع کتاب تصنیف کی ہے۔ انھوں نے بہت سے ابواب کے تحت تقریباً ہر قسم کے علوم و فنون کا ذکر کیا ہے۔ شاہ صاحب کے زیر نظر یہ کتاب رہی ہے جیساکہ خود انہوں نے بھی ذکر کر دیا ہے۔

بعض جگہوں پر ضحاک اور سیوطی کے یہاں کچھ آیتیں اور الفاظ وغیرہ غیر مفسّر رہ گئے ہیں۔ شاہ صاحب کہتے ہیں کہ میں نے انھیں چھوٹی ہوئی باتوں کی تفسیر کی ہے۔ اس کے علاوہ ثقہ لوگوں اور اہلِ نقل کی بعض باتوں کو لے لیا ہے۔ اس کا بھی خیال رکھا ہے کہ مفسّر کو کن باتوں کی ضرورت پڑتی ہے ان کو بھی بیان کر دیا ہے۔ آیاتِ الٰہی کی شانِ نزول بھی بیان کی ہے اور اس سلسلے میں معتمد اور قابلِ اعتبار محدثین کی ثقہ روایات پر بھروسہ کیا ہے اور بخاری، ترمذی وغیرہ کے حوالے سے نقل کیا ہے۔

۳۶ صفحات پر مشتمل یہ مختصر سا رسالہ قرآن مجید کی بہت سی مبہم اور غیر واضح باتوں کی تفسیر پر انتہائی اختصار کے ساتھ مبنی ہے۔ اس میں ترتیب کو تو ملحوظ رکھا ہے مگر پوری آیت کا لکھنا ضروری نہیں ہے۔ بیشتر جگہوں پر صرف الفاظ ہی لکھ کر ان کی توضیح کر دی ہے۔ ہر سورت کا نام لکھا ہے اس کے بعد جن الفاظ کو "غریب" جانا ہے۔ ان کی وضاحت کی ہے۔

اسی طرح مسائل کی جانب بھی اشارے ملتے ہیں۔ مختلف فیہ باتوں کو بھی کہیں کہیں بیان کر دیا ہے۔

بعض جگہوں پر بہت اختصار ملحوظ رکھا ہے۔ حتیٰ کہ دو تین لفظوں میں مفہوم واضح کر دیا ہے۔ "سورۃ الانبیا" میں "الویل" کی شرح "وادٍ فی جہنم" سے کیا ہے۔ "التماثیل" کے معنی "الاصنام" کے ہیں۔

سورۃ العصر کے متعلق لکھا ہے:۔

"العصر الدھر خسر ضلال" ص ۴۴

سورۃ التکاثر کو لکھا ہے:۔

"التکاثر من الاموال و الاولاد" ص ۴۴

سورۃ الاخلاص کی شانِ نزول یہ لکھی ہے ۔

"قال المشرکون صف لنا ربک فانزل اللہ قل ھو اللہ احد" ص ۳۳

مشرکوں نے کہا کہ اپنے رب کے وصف بیان کیجیے۔ اس پر قل ہو اللہ احد کی سورت نازل ہوئی۔

اسی انداز پر چھوٹے چھوٹے جملوں، واضح لفظوں اور مختصر اشاروں سے قرآن مجید کی ضروری آیتوں کی وضاحت کی ہے۔ اِس انداز کی تصنیف ہندوستان میں غالباً یہی ہے۔

جنّۃ النعیم فی فضائل القرآن الکریم

محمد ہاشم بن عبدالغفور التتوی السندی

ولادت ۱۱۰۴ھ وفات ۱۱۷۴ھ

سندھ کے رہنے والے تھے۔ عقائد کے لحاظ سے حنفی المذہب تھے۔ فقہ، حدیث اور عربی ادب پر اچھی نظر تھی۔ سندھ ہی میں پرورش پائی۔ مولانا ضیاء الدین سندھی ان کے استاد تھے۔ کچھ عرصے کے بعد حجاز کا سفر کیا۔ حج و زیارت سے فارغ ہوکر شیخ عبد القادر بن ابی بکر مکی سے جو مکہ معظمہ میں حنفی مفتی تھے استفادہ کیا۔ فقہ و حدیث میں شیخ عبد القادر کا درجہ بہت اونچا تھا۔ محمد ہاشم بھی ان کے علم سے پوری طرح سے مستفید ہوئے اور جلد ہی کمال کی حدوں تک پہنچ گئے۔ اس کے بعد درس و تدریس میں مشغول ہوگئے۔ کتابیں تصنیف کیں، فتوے دیے اور اپنے شہر کے شیخ بنائے گئے۔ شیخ معین الدین سندھی سے ان کے بہت مباحثے ہوئے۔ جن سے کتابوں کے صفحات پُر ہیں۔

ان کی کتابوں میں "جنۃ النعیم فی فضائل القرآن الکریم"، "بذل القوۃ فی سنی النبوۃ"، فاکہۃ البستان (حرام و حلال سے متعلق)، حیاۃ القلوب فی زیارۃ المحبوب، کشف الرین فی مسئلۃ رفع الیدین وغیرہ ہیں۔ ان کتابوں کے علاوہ فرائض اسلام سے متعلق ایک بہت بڑی کتاب بھی ہے جس میں ایمان کے فرائض اور ان پر عمل

کس وقت لازم ہوتا ہے۔ بیان کیا ہے۔ اس کے علاوہ بھی ان کی بعض دوسری تصانیف کا پتہ چلتا ہے۔ (۱)

اس کتاب میں قرآن کریم کی سورتوں اور آیتوں کے فضائل بیان کیے ہیں۔ یہ تمام باتیں احادیث صحیحہ سے ثابت کی ہیں یا صحابۂ کرام وتابعین رحمہم اللہ تعالیٰ سے منسوب ہیں۔ مصنف نے اسناد حذف کر دئے ہیں تاکہ طوالت نہ ہونے پائے۔ جو روایت یا قول نقل کیا ہے اس میں صحابی یا تابعی کا نام لے لیا ہے۔

اس کے دو نسخے نظر سے گزرے ہیں۔ ایک رام پور میں جس میں ۳۷۶ صفحات ہیں۔ دوسرا پٹنہ میں جس میں ۱۶۳ ورق ہیں۔ دونوں نسخے مکمل ہیں اور دونوں کی ابتدا اور اختتام یکساں ہیں۔ پٹنے والے نسخے میں کتابت عبد اللہ بن یعقوب کی ہے۔ اس کی ابتدا یوں ہے۔

" بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ سبحانک لا علم لنا الا ما علمتنا انک انت العلیم الحکیم۔"

یہ ۱۱۳۴ھ کی تصنیف ہے۔ جیساکہ انھوں نے خود تصریح کی ہے۔ ملاحظہ ہو صـ۳

کتاب کی ترتیب کے متعلق لکھتے ہیں کہ یہ ایک مقدمہ اور دو فصلوں پر مشتمل ہے۔ مقدمہ میں فوائد بیان کیے گئے ہیں۔ فصل اول میں قرآن مجید کی سورتوں اور آیتوں کے وہ فضائل بیان کیے گئے ہیں جو احادیث وآثار میں مروی ہیں دوسری فصل میں وہ احادیث بیان کی ہیں جو زمخشری اور بیضاوی وغیرہ مفسرین نے اپنی تفسیروں میں ہر سورت کے آخر میں درج کی ہیں۔

---

(۱) نزہتہ ج ۶ ص ۳۶۳

"لا الٰہ الّا انت سبحانک انّی کنت من الظالمین (۱) کی یہ فضیلت بیان کی ہے کہ یہ حضرت یونسؑ کی دعا ہے جو انھوں نے مچھلی کے پیٹ میں مانگی تھی۔ جب کوئی کسی معاملے میں اِس کے ساتھ دعا کرے گا تو قبول کی جائے گی (ص ۱۵۷)

سورۃ اخلاص کی سب سے زیادہ فضیلت ہے۔ اُس کے متعلق لکھتے ہیں کہ جو شخص اسے دو سو بار پڑھے گا اُس کے دو سو سال کے گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔

اسی طرح سے جتنی بھی آیتوں سے کسی قسم کی فضیلت یا نبی صلعم کا کوئی قول متعلق ہے اسے بیان کر دیا ہے اور راویوں نیز مفسّرین کے حوالے بھی پیش کیے ہیں۔ لیکن صحت وضعف کا خیال نہیں کیا ہے۔

اِس کتاب کا خاتمہ اِن الفاظ پر ہوتا ہے۔

"والحمد للہ علی التمام والصلوٰۃ والسّلام علی محمد خیر الانام وعلیٰ الہ وصحبہ الکرام مادامت اللیالی والایام والشھور والاعلام لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔"

---

(۱) سورۃ الانبیاء آیت ۸۷

الجداول النورانیہ فی استخراج آیات القرآنیہ

ناصر بن حسین حسنی (۱۲۰۰ھ ہجری)

اس کے دو نسخے مکمل رام پور میں موجود ہیں (۱) (۶۲۶ و ۶۲۷) یہ رسالہ استخراج آیات سے متعلق ہے۔ دونوں نسخے اچھے حال میں ہیں۔ پہلا مخطوطہ (۲) ۱۲۰۰ھ مطابق ۱۷۸۵ء کا ہے اور دوسرے (۳) پر ۱۲۶۸ھ مطابق ۱۸۵۱ء درج ہے۔ انڈیا آفس والا نسخہ اٹھارویں صدی کا ہے (۴) یہ نسخہ بھی مکمل ہے۔ ابتدا سب کی ان الفاظ سے ہوتی ہے۔

"الحمد للہ الذی اناض جداول برہ واحسانہ وفقنا للاھتداً بآیات ملکوتہ وسلطانہ۔"

اس کے بعد کتاب کے سلسلے میں لکھتے ہیں کہ:۔

"اکثر لوگوں کو معانی و مطالب قرآن مجید کو سمجھنے اور مفسرین کے

---

(۱) زبید احمد صاحب نے اس کا نسخہ محض انڈیا آفس میں لکھا ہے۔ ص ۲۴۸

(۲) نمبر ۶۲۶ (۳) نمبر ۶۲۷

(۴) Catalogue of Arabic MSS India Office by C. A. Storey No. 1212
اس کا ایک اور قلمی نسخہ مدراس کے سعیدیہ کتب خانے میں موجود ہے کہا جاتا ہے (اگلے صفحے پر دیکھیے!)

خیالات سے واقف ہونے کے لیے آیتوں کے موقع و محل سے واقفیت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس بنا پر ایسی کتابیں لکھی گئی ہیں جن کی مدد سے آیتیں نکالی جا سکیں۔ میں نے اس مہم کو آسان کرنے کے لیے کتاب لکھی ہے۔ (ملخص مفہوم بیان مصنف)

آگے چل کر اسی سلسلے میں انداز بیان کے متعلق لکھتے ہیں۔

"میں نے ایک جدول بنائی ہے جس میں پانچ خانے ہیں۔ پہلے خانے میں آیت، دوسرے میں سورت۔ تیسرے میں رکوع۔ چوتھے میں پارہ اور پانچویں میں ربع پارہ لکھا ہے اور حروف تہجی کے لحاظ سے آیتوں کو مرتب کیا۔ لفظ کے پہلے حرف کو باب اور دوسرے کو فصل قرار دیا ہے۔"

اس کتاب کو اورنگ زیب عالمگیر کے نام معنون کیا ہے۔ اور کئی سطروں میں ان کی صفاتِ عدل و احسان، انتظام و تدبیر اور نصرت و خدمتِ دین کا ذکر کیا ہے۔

ان کے انداز کو سمجھنے کے لیے ذیل کے نمونے کافی ہوں گے۔ جو مختلف جگہوں سے ماخوذ ہیں۔

الآیۃ	السورۃ	الرکوع	الجزء	ربع الآخر
۱۔ فجعل منہ الزوجین الذکر	القیٰمۃ	۲	۲۹	اواسط الرابع
۲۔ وفتحت السماء فکانت ابوابا	النبأ	۱	۳۰	اوائل ۱
۳۔ ھدی وبشری للمؤمنین		۱	۱۹	اوائل ۳

(حاشیہ پچھلے صفحے کا) سلطان ٹیپو کی شہادت کے وقت سرنگا پٹم کے محل میں سلطان کے پلنگ پر تکیہ کے پاس رکھا ہوا تھا (رسالہ برہان اکتوبر ۱۹۴۲ء ص ۲۶۳)

اسی انداز پر تمام آیتوں کے متعلق الگ الگ لکھا ہے۔ خاتمہ اس عبارت پر ہوتا ہے۔

"ختم بالخیر والظفر فی التاسع عشر من شھر الصفر علی ید العبد
الاحقر مھدی بن جعفر عفر اللہ لہ ولقاہ ثوابہ یوم المحشر
وصلی اللہ علی محمد وآلہ خیر البشر مادام اللیل والسحر
وقد مضی من الھجرۃ الف ومأتان یدوم الخط فی القرطاس
وکاتبہ رمیم فی التراب"

کتاب بہت صاف ستھری اور مکمل ہے۔ خط بہت عمدہ ہے اور ساری ایک ہی خط میں ہے
دوسرے نسخہ ۶۲۷ کے شروع کے چند ورق مختلف خط میں ہیں اس کے بعد ایک ہی کاتب کا قلم
معلوم ہوتا ہے۔ انڈیا آفس والے نسخے کے بھی دو کاتب ہیں ص ۱۳۷ تک ایک اور اس کے بعد سے
آخر تک یعنی ۲۲۹ تک دوسرا۔ اس نسخے کے کاتب یعنی آخری حصے کے ابو محمد محمد دہلوی ہیں (۱)

تخریج آیات کے سلسلے میں یہ کتاب اس فن میں لکھی گئی دوسری کتابوں سے خاصی مختلف
ہے بیشتر کتابوں میں الگ الگ کلمات کی تخریج کے سلسلے میں لکھا گیا ہے لیکن اس میں آیت یا
جزو آیت کے استخراج کو مدنظر رکھا ہے۔ اس کی ترتیب بھی نسبتاً زیادہ آسان معلوم ہوتی
ہے۔ اس کی ترتیب حروف تہجی کے اعتبار سے ہے کسی آیت کی تلاش پہلے حرف کے حساب
سے ہو گی۔

کتاب کے مقدمہ سے پتہ چلتا ہے کہ مصنف نے ایک کتاب اسی فن کی اور لکھی تھی
جس میں اواخر آیات سے استخراج ہوتا تھا یعنی جو مخطوطے موجود ہیں اُن کا بالکل اُلٹا۔
لیکن کسی بھی مخطوطہ میں یہ رسالہ شامل نہیں ہے۔ ممکن ہے ضائع ہو گیا ہو۔

---

(1) Catalogue of Arabic MSS India Office Lib by C. A. Storey No 1212

افادات عزیزیہ

شیخ رفیع الدین مرادآبادی ولادت ۱۱۴۳ھ وفات ۱۲۲۳ھ

شیخ رفیع الدین بن فرید الدین بن عظمت اللہ اپنے دور کے بڑے علما میں سے تھے۔ ان کی پیدائش ۱۱۴۳ھ میں مرادآباد میں ہوئی۔ بچپن کی تعلیم اپنے شہر کے اساتذہ سے حاصل کی۔ اس کے بعد دہلی گئے اور حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی (۱) کی شاگردی اختیار کی۔ ان سے ایک مدت تک کسب فیض کرنے کے بعد اپنے وطن واپس آئے اور بہت زمانے تک لوگوں کو مستفید کرتے رہے۔ ۱۲۰۱ھ میں حرمین شریفین تشریف لے گئے۔ حج و زیارت سے فارغ ہونے کے بعد وہاں کے مشائخ و علما سے فیض اٹھاتے رہے اور ۱۲۰۳ھ میں ہندوستان واپس آئے۔ اپنے سفر اور حرمین سے متعلق بہت سی کتابیں تصنیف کیں۔ اس کے علاوہ ان کی اور بھی بہت سی تصانیف ہیں جن میں قمر الآمال بذکر الحال والمآل، سلوۃ الکئیب بذکر الحبیب، تذکرۃ المشائخ۔ کنز الحساب، تذکرۃ الملوک تاریخ الافاغنہ، کتاب الاذکار، الافادات العزیزیہ وغیرہ ہیں۔

---

(۱) مفصل حالات کے لیے حالات ولی از مولانا محمد رحیم بخش دہلوی

ان کا انتقال ذی الحجہ ۱۲۴۳ھ میں نواسی سال کی عمر میں ہوا (۱)

اس کے دو نسخے ندوۃ العلماء لکھنؤ کے کتب خانے میں موجود ہیں (۲) دونوں ہی مکمل ہیں۔ البتہ دونوں کے خط میں خاصا فرق ہے۔ مخطوطہ نمبر ۱۷۸ اصل کتاب کی عبارت سے شروع ہوتا ہے۔ لیکن نمبر ۸۴ میں شروع کے چار صفحوں میں فیضی کی سواطع الالہام کے معموں کو حل کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس سلسلے میں سب شروع کے دو تین ناموں کی عبارت جو فیضی نے اشارۃً میں لکھی ہے ان کا ترجمہ کر دیا ہے۔ اس کے بعد چند سطریں ہیں جو اصل کتاب کا مقدمہ کہی جا سکتی ہیں۔ لکھتے ہیں:۔

"______ شاہ عبد العزیزؒ نے فتح العزیز نامی ایک تفسیری کتاب لکھی ہے جس میں بے شمار تحقیقات اور لطائف بیان کیے ہیں۔ لیکن پانچ مستقل علوم اس کے ساتھ مخصوص ہیں (۱) ہر سورت کا عنوان اور اجمالاً مضمون سورت کا بیان (۲) ربطِ آیات (۳) متشابہات قرآنی (۴) اسرار قصص و احکام (۵) لطائف نظم قرآن۔ شاہ صاحب نے ان علوم کے بارے میں تہ بہ تہ مجھے خطوط لکھے۔ نیز میرے بعض سوالوں کا جواب دیا۔ یہ ساری باتیں اس کتاب میں نقل کر دی گئی ہیں۔

کتاب کی اصل عبارت اس طرح شروع ہوتی ہے۔

"فلا یظہر علی غیبہ احد۔ الا من ارتضیٰ من رسول۔

اس کتاب کو دیکھنے سے یہ اندازہ تو کہیں نہیں ہوتا کہ کہاں سوال ہے اور کہاں جواب یا کہاں خط کی شکل ہے اور کہاں نہیں۔ کہیں پر کسی آیت کی تفسیر ہے کہیں پیرا در دوسری بحثیں۔ البتہ اس کا اندازہ ضرور ہوتا ہے کہ تفسیر فتح العزیز جسے عام طور سے نامکمل ہی سمجھا جاتا ہے (۳) مکمل ضرور ہو گئی تھی۔ اس لیے کہ جا بجا اس قسم کے حوالے ملتے ہیں۔

(۱) نزہۃ الخواطر ۷/ ۱۸۲ (رسالہ مذکورہ ان کی سوانح میں ہے) حدائق الحنفیہ ص ۴۶۹ (۲) نمبر ۸۴ و نمبر ۱۷۸

(۳) اس کا مکمل نسخہ کہیں بھی نہیں ملتا ہے صرف شروع کی ۱۸۴ آیات کی اور آخر کے دو پاروں کی تفسیر مطبوعہ شکل میں ملتی ہے۔

من فتح العزیز فی سورۃ النحل یا ایضًا من تفسیر سورۃ النساء یا من تفسیر فتح العزیز تحت قولہ تعالیٰ فی سورۃ المؤمنین وغیرہ ۔

ان کی نکتہ سنجی کا اندازہ سورۂ فاطر کی آیت ؕ و من الجبال جدد بیض و حمر مختلف الوانہا وغرابیب سود کی تفسیر سے ہوسکتا ہے ۔ فرماتے ہیں کہ :۔

"سفید پہاڑی سے طبقۂ صوفیہ کی طرف اشارہ ہے ۔ سرخ سے شہداء کی طرف اشارہ ہے اور سیاہ سے علمائے مصنفین کی طرف اشارہ ہے جن کا مشغلہ قلم دوات اور تحریر سے اوراق کو سیاہ کرنا ہے ۔"

اس میں بعض جگہوں پر عبارتیں فارسی کی بھی ہیں ۔ لیکن اکثریت عربی عبارتوں کی ہے ۔ شروع میں فتح العزیز کی جن پانچ خوبیوں کی طرف اشارہ کیا ہے اس کتاب میں انھیں سب کا ثبوت پیش کیا ہے ۔ اس کا اندازہ تو نہیں ہوتا کہ یہ خطوط اور سوالات و جوابات کی شکل کی کوئی چیز ہے اس لیے کہ نہ تو کسی جگہ پر خطوط کا سا انداز ہے نہ ہی القاب اور دعائیہ الفاظ ممکن ہے ۔ اس کو مرتب کرتے وقت ایسی عبارتوں کو نکال دیا ہو ۔ البتہ کہیں کہیں پر تاریخیں ہیں جن کو خط ہونے کا تنہا ثبوت کہا جا سکتا ہے ۔ مثلاً و صدق الرسول ۲۸ صفر ۱۲۱۵ھ یا جمعہ ۱۹ صفر ۱۲۱۵ھ ۔

نثر المرجان فی رسم نظم القرآن

شیخ محمد غوث مدراسی ولادت ۱۱۶۶ھ وفات ۱۲۳۸ ہجری

شیخ عالم فقیہ محمد غوث بن ناصر الدین بن نظام الدین شافعی مشہور فقہاء میں سے تھے۔ محمد پور ضلع ارکاٹ (مدراس) میں ۱۱۶۶ھ میں پیدا ہوئے۔ اپنے دادا نظام الدین سے تعلیم حاصل کی اور حدیث کی سند لی۔ جب ان کا انتقال ہوگیا تو مولانا امین الدین صدیقی الوری (۱) سے پڑھنے لگے۔ انھیں کے ساتھ رام ناتھ گئے اور کتب درسیہ ختم کیں۔ جب مولانا امین الدین کا انتقال ہوا تو مدراس واپس آگئے اور عبد العلی بن نظام الدین لکھنوی (۲) کی صحبت میں رہنے لگے۔ ان کی بہت سی تصانیف ہیں جن میں نثر المرجان فی رسم نظم القرآن۔ الفوائد الصبغیہ فی شرح الفرائض السراجیہ۔ بسط الیدین لاکرام الابوین۔ الشافی شرح الکافی عربی میں اہم ہیں۔ اس کے علاوہ فارسی و اردو میں بھی بہت سی کتابیں لکھیں۔ ۱۲۳۸ھ میں انتقال ہوا۔

اس میں انھوں نے قرآن مجید کے رسم الخط کی وضاحت کی ہے۔ ندوۃ العلماء لکھنؤ

---

(۱) متوفی ۱۱۹۵ھ نزہتہ ج ۶ ص ۴۰ (۲) ان کی شہرت بحر العلوم کے لقب سے تھی۔ انتقال ۱۲۲۵ھ میں ہوا اور مدراس ہی میں مدفون ہوئے۔ تذکرہ علمائے ہند ص ۱۲۲ نزہتہ ج ۷۔ ص ۲۸۲

کے کتب خانے میں اس کی پانچ جلدیں مطبوعہ موجود ہیں ۔ جو ۲۳ پاروں پر مشتمل ہیں ۔ کتاب کے شروع میں ایک مقدمہ لکھا ہے جس میں اس کتاب کی تصنیف کی وجہ اور ضرورت بیان کی ہے اور یہ دکھایا ہے کہ قرآن مجید کب اور کس طرح جمع کیا گیا اور مکمل تحریری شکل پائی ۔ پھر ان حروف کو بیان کیا ہے جن میں تبدیلیاں ہوتی رہی ہیں ۔ کس حرف میں کیا تبدیلی ہوئی ہے اسے قرآن کریم کے الفاظ کے حوالوں سے ثابت کیا ہے ۔ نیز یہ بھی بیان کرتے گئے ہیں کہ کن الفاظ کے رسم الخط میں مصاحف میں اختلاف پایا جاتا ہے ۔ مثلاً ہاروت و ماروت کے لکھنے میں اختلاف ہے ۔ لکھتے ہیں ۔

> " بعض مصاحف میں انھیں الف کے ساتھ اور بعض میں بغیر الف کے لکھا گیا ہے ۔ غازی بن قیس اندلسی نے اہل مدینہ سے ہرت مرت بے الف نقل کیا ہے ۔ شاطبی اور سیوطی نے بھی اسی سے اتفاق کیا ہے لیکن جزری نے الف کے ساتھ ہاروت ماروت لکھا ہے "۔

اسی طرح سے پورے قرآن کے تمام الفاظ کو بیان کیا ہے اور ہر لفظ کو الگ الگ کرکے دکھایا ہے کہ کس طرح لکھا اور پڑھا جاتا ہے ۔ اگر ان کے پڑھنے میں کچھ اختلاف ہے تو اس کو بھی بیان کر دیا ہے ۔ گرامر کے اعتبار سے بھی الفاظ پر بحث کی ہے ۔

تعداد الاسما فی القرآن

غلام حسین سنہ ۱۲۱۲ ہجری

اکیس صفحوں کا مختصر سا رسالہ ہے جس میں اُن ناموں کا ذکر ہے جو قرآن مجید میں مختلف جگہوں پر استعمال ہوئے ہیں۔ زیادہ تر نام انبیاء علیہ الصلوٰۃ و السلام کے ہیں۔ لکھنؤ میں ناصریہ کتب خانہ میں قلمی نسخہ موجود ہے (۱) اس کا انداز یہ ہے کہ پہلے نبی کا نام لکھتے ہیں اس کے بعد یہ بتاتے ہیں کہ سارے قرآن شریف میں یہ نام کتنی جگہوں پر آیا ہے۔ اس کے بعد اس کی تفصیل ہوتی ہے کہ کس سورۃ میں ہے۔ مثلاً یہ کہ حضرت زکریاؑ کا نام قرآن مجید میں سات بار آیا ہے سورۂ آل عمران میں تین جگہ۔ سورۂ انعام میں ایک جگہ۔ سورۂ مریم میں دو جگہ اور سورۂ انبیا میں ایک جگہ۔ اسی طرح سے تمام ناموں کا مکمل تذکرہ موجود ہے۔ حضرت نوح۔ حضرت ابراہیم۔ حضرت عیسٰی، حضرت موسٰی، حضرت محمد مصطفٰی صلعم وغیرہ سب ہی کا ذکر ہے اور ہر ایک کے متعلق معلومات فراہم کی ہیں کہ کون سا نام قرآن مجید میں کتنی بار اور کس کس سورۃ میں آیا ہے۔

---

(۱) نمبر ۱۹

انبیا کے علاوہ فرعون، ہامان، قارون، مریم وغیرہ بھی جہاں جہاں آئے ہیں اُن کا ذکر کیا ہے۔ قارون کے متعلق لکھا ہے۔

قارون علیہ اللعنۃ کا ذکر سارے قرآن مجید میں چار جگہ ہے۔ سورۂ قصص میں دو جگہ۔ سورۂ عنکبوت میں ایک جگہ اور سورۂ مومنین میں ایک جگہ

یہ رسالہ اس عبارت پر ختم ہوتا ہے۔

"تمت الرسالہ فی بیان تعداد اسماء الانبیا علیہم الصلوۃ والسلام وعدد مواضعہم فی جمیع القرآن فی ۱۲۴۱ھ احدی واربعین ومائتین بعد الالف من الہجرۃ النبویۃ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کتبہ العبد المذنب غلام حسین عفی اللہ عنہ"

رسالہ رسم خط کلام اللہ

محمد کامل چریا کوٹی

قرآن مجید کے مختلف الفاظ کے رسم خط کو واضح کیا ہے۔ الفاظ کو بیان کرنے سے پہلے سورۃ کا نام اور آیات کی تعداد بیان کی ہے۔ ابتدا ان الفاظ سے ہوتی ہے:-

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سورۃ الفاتحہ مکیتہ دھی
سبع آیات مع البسملۃ العٰلمین الرحمٰن مٰلک"

رسم خط قرآن پر اس سے بہتر رسالے موجود ہیں۔ اس میں نہ تو کوئی مقدمہ ہے اور نہ ہی کوئی ایسی عبارت جس سے یہ سمجھا جا سکے کہ یہ اس میں کیا بیان کرنا چاہتے ہیں۔ آخر کی بعض سورتوں کی ابتدا میں لکھتے ہیں "دریں سورہ لفظے غیر مشہور نیست"، اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے اس کتاب میں ان الفاظ کے رسم خط کو دکھایا ہے جو غیر معروف ہیں۔ لیکن اصل کتاب دیکھنے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ایسا نہیں ہے۔ مثلاً الکتٰب، رزقنٰہم، نوحا، بنعمت، ام، تسئلہم وغیرہ غیر مشہور الفاظ نہیں ہیں۔ بہر حال یہ ابتدائے قرآن مجید سے ختم قرآن تک ہے۔ سورۃ الناس آخری سورہ ہے جس میں کوئی غیر مشہور لفظ نہیں ہے۔ اس کی کتابت ۱۲۶۷ھ کی ہے۔ اس کا قلمی نسخہ جواہر میوزیم علی گڑھ میں موجود ہے۔

---

(۱) نمبر ۲۲۲ ج ع۔

مقدمہ تفسیر فتح العزیز

مولانا عبدالعزیز

زبید احمد صاحب نے اسے شاہ عبدالعزیز دہلوی کی تصنیف کہا ہے (۱) مولانا عرشی صاحب نے بھی رام پور کے کتب خانے کی نئی فہرست میں اسے شاہ صاحب کی تصنیف قرار دیا ہے (۲) اس کا محض ایک ہی نسخہ رام پور میں موجود ہے۔ لیکن اس کا نام حضرت شاہ صاحب کی تصانیف کی فہرست میں کہیں بھی نہیں ملتا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ہم نام کسی اور صاحب کی تصنیف ہے۔ جو بعد میں ان کی طرف منسوب ہو گئی ہے۔

اس کی ابتدا ان الفاظ سے ہوتی ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم و بعونک اعتصم یا کریم انک انت البر الرؤف الرحیم وبک اعوذ من شر النفس و الخلق اجمعین ۔"

آگے چل کر اپنی اس تصنیف کا سبب بیان کرتے ہیں، جس کا خلاصہ

---

(1) Contribution of India to Arabic Literature P 2149

(2) No 539, V.I

یہ ہے کہ:

"حنفی مذہب کے نقطۂ نظر کے مطابق کوئی جامع تفسیر نظر نہیں
آئی اس لیے یہ تفسیر لکھی گئی ہے۔"

اس کو انھوں نے مندرجۂ ذیل دس مبحثوں میں تقسیم کیا ہے۔

(۱) مبحث الکلام (۲) مبحث الوحی وکیفیتہ (۳) مبحث الانزال والتنزیل (۴) مبحث التفسیر والتاویل (۵) مبحث الموضوع وشرفہ وشرف الغایۃ (۶) مبحث نزول القرآن علی سبعۃ احرف (۷) مبحث القرأۃ المتواترہ والمشہورۃ والشاذۃ (۸) مبحث تحریف القرآن والفرقان والمصحف والسورۃ والآیۃ (۹) مبحث فضائل القرآن (۱۰) مبحث وجہ اعجاز القرآن۔

ان میں سے ہر مبحث پر انھوں نے الگ الگ مفصل بحث کی ہے۔ بیچ بیچ میں ضمنی عنوانات بھی قائم کرتے ہیں۔ کتاب دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ آٹھواں اور نواں مبحث اس میں شامل نہیں ہے۔ مقدمہ بھی مکمل نہیں معلوم ہوتا ہے۔ مقدمہ کی عبارت ۳۰۲ صفحات میں ہے آخری الفاظ یہ ہیں:

"یدل علی بطلان سائر المذاهب الباطلة فی نفسها
سوی الصرف اما مذهب۔"

اس کے بعد سورۃ الحمد کی تفسیر شروع کرتے ہیں۔ پہلے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی منقبت ہے۔ تقریباً دو صفحوں میں تعریف کرنے کے بعد اپنا نام وغیرہ لکھتے ہیں۔ پھر سورۃ الفاتحہ کی تفسیر شروع کرتے ہیں۔ صرف سورۃ کا تعارف آدھے صفحے میں ہے۔ اس کے بعد کا حصہ غائب ہے۔ آخری الفاظ یہ ہیں۔

(۱) اسی طرح سے بے ربط عبارت ختم ہوئی ہے۔

" ان التسمیۃ بیست منھا فتا مل د الشافیۃ لا نھا شفاء لکل داء "

اِس میں کل ۳۲۱ صفحات ہیں۔ کتاب اچھے حال میں ہے۔ اور نئی جلد نئے کاغذ لگا کر بنائی گئی ہے۔

بیچ میں ایک نقشہ بھی بنایا ہے جس سے اعداد سور، اعداد آیات، اعداد کلمات، اعداد حروف، مکی و مدنی، اعداد نقاط، فتحات، کسرات، مدّات وغیرہ کا پتہ چلتا ہے۔ بہت ہی مفصل نقشہ ہے۔ جسے دیکھ کر اس قسم کی تمام باتیں ایک ہی نظر میں واضح ہو جاتی ہیں۔

اوضح البیان فی بیان اسامی القرآن

سید ابو تراب جعفری (سنہ ۱۲۷۸ھ)

اِس مختصر سی کتاب میں مصنف نے قرآن مجید کے بہت سے ناموں کا تذکرہ کیا ہے۔ اِس کی وجہ تصنیف یہ بیان کی ہے کہ ان کے استاد سید احمد علی رام پوری (۱) صاحب نے اثنائے درس میں اِن ئے اور بعض دوسرے طلبا سے خواہش کی کہ قرآن مجید کے جتنے بھی نام ہیں۔ ان کی توجیہات بیان کرو۔ صاحب کتاب لکھتے ہیں۔ کہ اِس خاص بات کو پیش نظر رکھتے ہوئے انھوں نے قرآن کریم کا بہ غور مطالعہ کیا۔ اِس کے بعد ان تمام ناموں کی توجیہات بیان کی ہیں۔ جن کا ذکر امام رازیؒ امام سیوطی وغیرہ کر چکے ہیں۔ یہ لکھتے ہیں کہ اس سے پہلے جو نام رائج تھے اور جن سے لوگ واقف تھے۔ ان کی مجموعی تعداد ۵۵ ہوتی ہے۔ اِن میں سے بعض نام یہ ہیں:-

"کتاب، قرآن، کلام، نور، ہدیٰ، رحمۃ، ذکر، موعظۃ، حکیم، قول، احسن الحدیث، بیان، تذکرہ، عروہ، نقی

---

(۱) تذکرہ ص ۱۳ نزہتہ ج ۶ ص ۲۵

وغیرہ" ص ۳

مصنف نے اپنے مطالعہ کے دوران میں بعض اور ناموں کو بھی تلاش کیا ہے۔ جن کی تعداد چھ بیس بیان کی ہے۔ اس سے قبل ان کا ذکر کسی دوسری جگہ پر نہیں ملتا۔

"کلمۃ شاهد محدث لسان منزل مزدجو احسن تفسیر وغیرہ" ص ۴

اسی طرح سے جتنے بھی نام بیان کیے ہیں سب کی تفصیل اسی انداز پر کی ہے۔ خود جو نام انھوں نے تلاش کیے ہیں ان کی تشریح بھی سیاق وسباق کے ساتھ کی ہے۔ یہ کتاب مکتبہ برہانیہ حیدرآباد سے شائع ہو چکی ہے۔ اس میں ۳۲ صفحات ہیں۔

تیسیر الکلام لرکوع الصیام

محمد ہدایت اللہ بن محمد اکرم المتعلوی المعروف بمجو سندھی الثتوی

اِس میں اُن آیتوں کی تفسیر بیان کی گئی ہے جس میں احکام اور وجوبیت صوم کا ذکر ہے۔ اِس کے مصنف قاضی محمد اسماعیل (۱) ہیں۔ اصل کتاب فارسی میں تھی۔ لیکن مولوی ہدایت اللہ نے اِس کو عربی میں منتقل کر دیا۔ اس کے چھ نسخے حیدر آباد کی آصفیہ لائبریری میں موجود ہیں (۲۴۳ ۵ تا ۷ ۲۴ ۵) نسخہ ۲۴ ۵ خود مصنف کے قلم کا ہے۔ اس میں ۲۵۹ صفحات ہیں۔ ۱۷ سطریں ہر صفحے میں ہیں۔ بقیہ نسخے بھی اچھے حال میں ہیں مگر صفحات اور سطروں کا فرق ہے ابتدا یوں ہے:

"الحمد للہ الذی قدم بالانعام وبفضل الفصول واغرق فی بحر معرفتہ الافکار والعقول۔"

اِس کتاب میں بالخصوص "یا ایھا الذین آمنوا کتب علیکم الصیام (۲)

---

(۱) یہ مولانا ہدایت اللہ کے ماموں تھے۔ ان کا انتقال ۱۲۸۶ھ ہوا۔

(۲) سورۃ البقرۃ آیت ۱۸۳۔

والے رکوع کی تفسیر بیان کی گئی ہے۔ ساتھ ہی ساتھ روزہ کے بہت سے مسائل اور ان کی قسمیں مختلف عنوانوں کے تحت بیان کر دی گئی ہیں "المسلک"، کے عنوان سے مسائل بیان کرتے ہیں۔ مثلاً "المسلک الثالث فی فرضیۃ الصوم علیٰ ہذہ الامۃ" اسی طرح سے ۴۷ عنوان قائم کیے ہیں۔ بعض عنوانوں کے تحت کچھ ذیلی عنوان "مطلب" کے نام سے بھی بنائے ہیں۔ مثلاً "مسلک رابع" جس میں اس امت سے قبل کے لوگوں پر فرضیتِ صوم کا بیان ہے۔ اس کے تحت چھ ذیلی عنوان قائم کیے ہیں۔ جن میں حضرت مریم، حضرت داؤد۔ حضرت عیسیٰ، قوم موسیٰ، حضرت آدم اور حضرت یحییٰ کے روزوں کا ذکر ہے۔

اس کتاب میں انھوں نے ہر ہر مسئلے پر بہت سے علماء اور اہم کتابوں سے اقوال اور حوالے نقل کیے ہیں۔ تفسیر حسینی، مؤطا امام محمد، معالم التنزیل للبغوی مدارک التنزیل للنسفی، فتح القدیر للشوکانی، الدر المنثور فی التفسیر بالماثور روح البیان، احیاء العلوم، لطائف المجلین، انیس الفقراء، زہرۃ الریاض، معارج النبوۃ وغیرہ سے عبارتیں پیش کی ہیں۔ کل ایک سو چھ کتابیں ہیں جن سے انھوں نے اس تفسیر میں استفادہ کیا ہے۔

عنوانوں میں اہم عنوان "فرضیۃ الصوم علیٰ ہذہ الامۃ" "فرضیۃ الصوم علیٰ من کانوا قبلنا" "حکمۃ فرضیۃ الصوم" "القوم وما یجب علی الصائم فی حالۃ الصوم" "فی احکام المریض" والمسافر وغیرہ۔ "فی احترام شہر رمضان" "فی فضل صلوٰۃ التراویح" "فی مسائل الہلال" "فی فضل لیلۃ القدر" "فی احکام الاعتکاف" "فی درجات الصوم" وغیرہ ہیں۔ ان سب کے تحت ضروری باتوں کی وضاحت اور اس سلسلے میں جو مسائل ہو سکتے ہیں ان کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔ تمام عبارتیں دوسروں ہی کی ہیں۔ خود مصنف نے

دیباچہ اور خاتمہ کے علاوہ کچھ بھی نہیں لکھا ہے۔ روزہ سے متعلق تمام ضروری باتیں اہم کتابوں اور بزرگوں کے اقوال سے پیش کر دی ہیں اور احادیث بھی جا بجا نقل کی ہیں۔ دوسری تفسیروں کے حوالے بھی موجود ہیں۔

السبع المثانی

سید محمد بن دلدار علی لکھنوی ولادت ۱۱۹۹ھ وفات ۱۲۸۴ھ

شیخ فاضل علامہ محمد بن دلدار علی حسینی نقوی شیعی نصیر آبادی ثم لکھنوی بڑے زبردست عالم دین اور مجتہد عصر تھے۔ ان کی پیدائش لکھنؤ میں ہوئی۔ اپنے والد سے کسب علم کیا۔ ان کے والد سید دلدار علی (۱) بڑے پایہ کے عالم تھے۔ تھوڑے ہی عرصے میں انھوں نے اپنے بیٹے کو ہر قسم کے علوم سکھادیے۔ انیس سال کی عمر میں ۱۲۱۸ھ میں ان کے والد نے ان کو درس وافادہ کی اجازت دی۔ ان کے شاگردوں میں ان کے دونوں بھائی سید حسین (۲) اور سید علی (۳) کے علاوہ بہت سے ممتاز علما شامل ہیں۔ ان کے تبحر علمی کا بڑا شہرہ تھا۔ شاہان اودھ ان کی بڑی قدر کرتے تھے۔ امجد علی شاہ نے ان کو سلطان العلماء کا لقب دیا تھا اور ان کے گھر خود جایا کرتے تھے۔ (۴)

سید محمد صاحب بڑے مجتہد اور شیعوں کے زبردست عالم تھے۔ اس لیے

---

(۱) متوفی ۱۲۳۵ھ تذکرہ ص ۶ نزہتہ ۷/۱۶۶ (۲) متوفی ۱۲۷۲ھ نزہتہ ۷/۱۴۰
(۳) متوفی ۱۲۵۹ھ نزہتہ ۷/۳۲۳ (۴) نزہتہ ۷/۴۱۵

اپنے مذہب سے متعلق بہت سی کتابیں لکھیں۔ تحفۂ اثنا عشریہ (مصنفہ شاہ عبد العزیز صاحب) کا جواب لکھا ہے۔ اس کے علاوہ اصل الاصول، اساس الاصول، شرح صغیر، شرح سلّم الصمصام القاطع (جس میں انھوں نے اہلِ سُنّت کے مذہب کو باطل قرار دیا ہے اور اہلِ بیت کا دشمن ثابت کیا ہے) العجالۃ النافعہ، علم کلام اور اصول دین میں البرق الخاطف، حضرت عائشہ سے متعلق الفوائد النصیریہ، احکام زکوٰۃ و خمس میں السبع المثانی، قرأۃ و تجوید سے متعلق۔ اس کے علاوہ اور بھی بے شمار رسالے تصنیف کیے۔ ان کی وفات پر کسی نے تاریخ نکالی ہے ؎

ستونِ کعبۂ دینِ مبیں فتادر جائے (۱)

یہ رسالہ قرأت و تجوید سے متعلق ہے اور اس فن کی ضروری باتوں کی طرف اس میں اشارے کیے گئے ہیں۔ اس میں ۲۵ ورق ہیں۔ رام پور میں قلمی نسخہ موجود ہے (۲) اس کی ابتدا ان الفاظ سے ہوتی ہے۔

"افصح کلام یرتّلہ البلغاء ترتیلا و ابلغ مقال یکون علی سبیل النجاۃ دلیلا"

فصیح ترین کلام جس کی بلغا تلاوت کرتے ہیں اور بلیغ ترین مقال جو دلیل راہ نجات ہے)

اس رسالہ کے سلسلے میں لکھتے ہیں۔

"میں نے یہ رسالہ سات فوائد پر مرتّب کیا ہے اور اس کا نام سبع مثانی رکھا ہے۔"

ان ساتوں فوائد میں قرأت و تجوید وغیرہ سے بحث کی ہے۔ اس سلسلے میں احادیث و اقوال بھی پیش کیے ہیں۔ قرآن مجید پڑھنے کے لیے حروف کے

---

(۱) نزہتہ ص ۱۵۴ ج ۷ (۱) نمبر ۲۴۳

صحیح مخارج کا علم ہونا، زیر وزبر وغیرہ کا پوری طرح سمجھنا، صدق دلی اور صدق طبعی سے تلاوت کرنا، اِن سب باتوں کو بہت تفصیل سے لکھا ہے۔

اِس رسالے کا اختتام اِس عبارت پر ہوتا ہے۔

" الحمد للہ اوّلا وآخرا وباطنا وظاہرا انہ ئی من سئل (۱) ....

.... واستغفر فتاب علی العباد تمت بالخیر۔

---

(۱) پڑھا نہیں جا سکا۔

الامالی فی التفسیر والمواعظ

سید العلما سید حسین بن دلدار علی

مختلف قسم کے انداز تحریر میں مختلف موضوعات پر یہ کتاب ہے۔ اس میں تفسیر تو کہیں پر بھی بیان نہیں کی گئی ہے البتہ بعض سورتوں کی فضیلت اور ان کی اہمیت کا ذکر کیا گیا ہے۔ بالخصوص سورۂ فاتحہ کی فضیلت و عظمت کا تذکرہ مفصل طور پر ہے۔ اس سلسلے میں دوسرے بزرگوں کے اقوال و روایات بھی پیش کی ہیں۔

کتاب بڑی غیر مرتب سی ہے۔ خراب حالت میں بھی ہے۔ ایک بات ختم نہیں ہونے پاتی کہ دوسری شروع ہو جاتی ہے اور پھر اس کا پتہ کسی طرح نہیں چلتا کہ یہ کہاں ختم ہوئی۔ بیشتر جگہوں سے صفحات بھی غائب ہیں جس کی وجہ سے تسلسل کے ساتھ سمجھنے اور عبارتوں سے مطلب نکالنے میں کافی مشکل ہوتی ہے۔ کچھ جگہوں پر دوسرے مفسرین کی عبارتیں نقل کی ہیں۔ اس کتاب میں زیادہ تر اوراد و ادعیہ اور مواعظ حسنہ ہیں۔ کچھ قصص قرآنی بھی بیچ بیچ میں بیان کر دیے ہیں۔ مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بچپن کے واقعات کہ انھوں نے کس طرح انگارہ چھو لیا اور اس کے بعد کے واقعات بھی بیان کیے ہیں۔

قرآن مجید کے قصوں اور بعض سورتوں کا ذکر کیا ہے۔ کچھ واقعات شیعہ اماموں سے متعلق ہیں۔ کہیں کہیں پر قرآن کریم کی آیتوں اور سورتوں کی فضیلت کا ذکر بھی ہے۔

بہت سی جگہوں پر درمیان میں کئی کئی صفحے سادے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کاتب نے بیچ کی عبارتیں چھوڑ دی ہیں یا اگر یہ اصل مصنف کے قلم کی تحریر ہے تو ممکن ہے کہ ان کا ارادہ رہا ہو کہ بعد میں مکمل کریں گے اور پھر اس کا موقع نہ مل سکا ہو۔ بہرحال عجیب کتاب ہے۔ یہ نہیں سمجھا جا سکتا کہ اس میں مصنف کیا کہنا چاہتا ہے اور کیا کہا ہے۔

سیّد تقی صاحب کے کتب خانے میں اس کا یہ نسخہ موجود ہے۔

سبیل الرسوخ فی علم الناسخ والمنسوخ

عبدالکریم ٹونکی

مولوی عبدالکریم صاحب نے نواب ٹونک کی فرمائش پر یہ رسالہ عربی زبان میں منظوم لکھا ہے۔ پورا رسالہ ۱۶۷ اشعار پر مشتمل ہے۔ بین السطور فارسی ترجمہ بھی دے دیا ہے۔ ۱۲۹۳ھ میں یہ رسالہ تالیف کیا گیا اور مطبع علوی سے شائع ہوا۔(۱)

یہ رسالہ چار ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلے باب میں ترتیب نزول سور کی تفصیل ہے۔ دوسرے میں اقسام سور بہ اعتبار ناسخ و منسوخ کا بیان ہے۔ تیسرے میں احکام نسخ، اس کی قسمیں آیاتِ ناسخہ و منسوخہ کا ذکر ہے۔ چوتھے میں آیاتِ مخصوصہ سے بحث کی ہے۔

ترتیبِ نزول سور قرآن کو اس طرح بیان کیا ہے۔

اوّل ما نزّل فی امّ القرے   کما روی سلیمان اقراء

مکہ معظمہ میں سب سے پہلے جو نازل ہوئی   وہ جیسا کہ سلیمان نے روایت کی اقراء ہے

---

(۱) علی گڑھ ذخیرۂ سبحان اللہ نمبر ۲۹۷/۱۱ / ۳

ثمّ ن بعدها المزمل	مدثر تبّت اذا شمس نقل
پھر ن اس کے بعد مزمل	پھر مدثر تبت اذا الشمس
نسبّح اسم ن لليل فالفجر	ثمّ الضحیٰ الم نشرح فالعصر
پھر سبح اسم پھر واللیل پھر والفجر	پھر والضحیٰ الم نشرح پھر والعصر
فالعادیات کاالکوثر التکاثر	سورہ الماعون خذ ما یذکر
پھر والعادیات کوثر تکاثر	پھر سورۂ ماعون
فالکافرون الفیل قل ھو اللہ	فالنجم ثم عبس ادر ما راہ
پھر کافرون فیل قل ہو اللہ	پھر والنجم پھر عبس

غرض اسی انداز پر تمام سورتوں کا ذکر کیا ہے کہ کون سی سورۃ کس سورۃ کے بعد نازل ہوئی ہے۔ پہلے مکّی سورتوں کو بیان کیا ہے۔ اُس کے بعد مدنی سورتوں کو اسی ترتیب کے ساتھ۔ مکّے میں ۸۲ سورتیں اور مدینے میں ۳۱ سورتیں نازل ہوئیں۔

دوسرے باب کو چار حصّوں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلے حصے میں اُن سورتوں کے نام ہیں جن میں نہ کوئی آیت ناسخ ہے اور نہ کوئی منسوخ، ایسی سورتوں کی تعداد ۴۳ ہے۔ دوسرے حصّے میں اُن سورتوں کے نام ہیں جن میں ناسخ اور منسوخ دونوں قسم کی آیتیں پائی جاتی ہیں۔ان کی تعداد ۲۵ بیان کی ہے۔ تیسرے حصّے میں ایسی سورتوں کا بیان ہے جن میں فقط منسوخ آیتیں ہیں یہ ۴۰ سورتیں ہیں۔ چوتھے حصے میں اُن سورتوں کے نام ہیں جن میں بعض ناسخ آیات ہیں۔ ایسی سورتیں ۶ ہیں۔

تیسرے باب کو دو حصّوں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلے میں یہ دکھایا ہے کہ نسخ کس طرح سے لاحق ہوتا ہے اور کس طرح سے نہیں۔ دوسرے میں

نسخ کی اُن اقسام کا ذکر کیا ہے جو قرآن کریم میں واقع ہوئی ہیں۔

"نسخ الکتاب اضرب ثلاثۃ	ما حکمہ نسخ والتلاوۃ
کتاب کا نسخ تین طرح ہے	حکم و تلاوت دونوں منسوخ ہو گئے
والثانی نسخ الحکم لا التلاوۃ	وابقیت تذکیر اللنعمۃ
دوسرے یہ کہ حکم منسوخ ہوا مگر تلاوت	تذکیر نعمت کے لیے باقی رہی
وھو الذی الف فیہ الکتب	وقل ذا والناس فیہ اطنبوا
اس کے بارے میں کتابیں تالیف کی گئیں	یہ کم ہیں اور لوگوں نے طویل بیان کی ہیں
عشرون آیات بعضھا اختلفا	فی نسخھا فحققن لنعرفا
بیس آیتیں ہیں جن میں سے بعض	کے نسخ میں اختلاف ہے ان کی تحقیق
	کی گئی ہے تاکہ ہم جان لیں۔

اس کے بعد اس میں اُن آیتوں کا ذکر ہے جن سے دوسری آیات کو منسوخ قرار دیا گیا ہے۔ تمام آیات و احکام کو بیان کر دیا ہے۔

چوتھے باب میں اُن مخصوص آیات کا بیان ہے جن سے کچھ خاص خاص مسائل اور احکام مستنبط ہوتے ہیں یا جن سے بعض باتوں کو مخصوص کیا گیا ہے مثلاً

وخص فانکحوا ما طاب لکم	بحرمت علیکم امھاتکم
فانکحوا ما طاب لکم	کی حرمت علیکم امھاتکم سے تخصیص کی گئی ہے
وخص من آیۃ حرّم الربوا	بالسنۃ العرایا فاستطبا
الربوا کی	سنت العرایا سے تخصیص کی گئی ہے
وخص من آیۃ قطع السارق	سارق ما دون النصاب اللائق
قطع سارق کی آیت کی	نصاب سے کم چوری کرنے کے حکم سے تخصیص کی گئی

اپنے انداز کی یہ نئی چیز ہے۔ نظم ہی میں تمام آیتوں کا حوالہ اور اُن کا بیان فنی صلاحیتوں کا ثبوت ہے۔ اس سلسلے میں مصنف نے ایک بات کا اور بھی خیال رکھا ہے۔ فارسی ترجمہ تو بین السطور میں موجود ہی ہے۔ حاشیے پر ضروری باتوں کی تشریح عربی میں کر دی ہے۔ اگر متن کے درمیان میں کسی کا نام یا کوئی مشکل مسئلہ پیش آگیا ہے تو اُس کی وضاحت بھی حاشیے پر موجود ہے۔ ناسخ و منسوخ کی بحث میں کہیں کہیں پر حدیثوں کے حوالے بھی پیش کیے ہیں۔

آیات الاعجاز

مولانا عبدالرشید کشمیری ۱۲۹۸ ھ

شیخ فاضل عبدالرشید بن محمد شاہ شوپیان (کشمیر) میں پیدا ہوئے اور وہیں تعلیم و تربیت حاصل کی۔ پھر بھوپال آ گئے۔ نواب صدیق خان نے ان کو محکمۂ افتاء سپرد کیا۔ بہت دنوں تک یہ اس کام میں لگے رہے۔ پھر کسی بات پر نواب صاحب ان سے خفا ہو گئے اور ان کو جلا وطن کرنے کا حکم دیا۔ مولانا عبدالرشید وہاں سے ہوشنگ آباد پہنچے اور وفات تک وہیں رہے۔ مذکورۂ بالا کتاب بھوپال کے زمانۂ قیام میں لکھی تھی۔

ان کو علم و ادب سے گہری وابستگی تھی۔ عربی زبان میں شعر بھی کہتے تھے ۱۲۹۸ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ (۱)

ندوۃ العلماء لکھنؤ کے کتب خانے میں اس کا قلمی نادر نسخہ خود مصنف کے قلم کا موجود ہے (۲) جسے ۱۲۹۵ھ میں نواب صدیق حسن خان کی فرمائش پر لکھا گیا تھا۔ اس کی ابتدا یوں ہوتی ہے:

"الحمد للہ الذی انزل الفرقان علی عبدہ لیکون للعالمین

---

(۱) نزہۃ ۷/ ۲۶۱ (۲) نمبر ۲۷۰

نذیرا۔"

مصنف نے پہلے اس کی تحریر کی وجہ لکھی ہے۔ پھر نواب صدیق حسن خان کی تعریف وتوصیف کی ہے۔ پھر اس کتاب کی ترتیب کے متعلق لکھتے ہیں کہ اسے تین ابواب پر تقسیم کیا گیا ہے۔

۱۔ پہلی فصل "حد الاعجاز ووجوہہ" ہے۔ اس میں پہلے تو "اعجاز" کے لغوی مفہوم سے بحث کی ہے۔ مختلف اقوال پیش کیے ہیں۔ اُن کے نزدیک اعجاز وہ ہے جو معنی کو تمام دوسرے طریقوں سے زیادہ بہتر انداز میں پیش کر سکے۔" اعجاز القرآن" یہ ہے کہ بلاغت میں اس کی مثال نہ مل سکے اور انسان اُس جیسا پیش کرنے سے قاصر ہو

۲۔ دوسری فصل " فی ما نزل من القرآن علی لسان بعض الصحابۃ " اس میں انھوں نے یہ دکھایا ہے کہ قرآن مجید کی کون سی آیات اصحاب رسول اللہ صلعم کی موافقت میں نازل ہوئیں۔ اس سلسلے میں مصنف نے روایات صحیحہ سے ثبوت پیش کیے ہیں مثلاً صحیح مسلم میں حضرت عمرؓ کا بیان ہے کہ تین باتوں یعنی پردہ، اسیران بدر اور مقام ابراہیم کے بارے میں اللہ تعالے نے میری رائے کے موافق آیات نازل فرمائیں۔

۳۔ تیسری فصل " فی قدر المعجز من القرآن" ہے۔ اس فصل میں انھوں نے یہ بحث کی ہے کہ قرآن کریم کی کتنی مقدار معجز ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ سارا قرآن مجید اس ضمن میں آتا ہے اور بعض لوگ اس سے اختلاف کرتے ہیں۔ بہرحال سارا قرآن کریم تو کجا اُس جیسی ایک آیت بھی نہ پیش کی جا سکی ہے اور نہ آئندہ کی جا سکے گی۔

اس کتاب میں انھیں مندرجۂ بالا تینوں عنوانوں کے تحت مسائل سے بحث

کی گئی ہے۔ چودہ صفحات کا یہ مختصر رسالہ خاصا جامع اور اچھے انداز کا ہے۔ خاتمہ پر لکھا ہے :-

شعبان ۱۲۹۵ھ میں اس رسالے کی تصنیف سے ایک دن میں اشراق سے غروب تک دو نشستوں میں فارغ ہوگیا۔ پھر شاہ جہاں بیگم والیہ بھوپال کا ذکر کیا ہے اور دعائیں دی ہیں۔ آخر میں اپنا نام انا الفقیر الجانی ابو الفتح عبدالرشید الکاشمیری الشوبیانی عفا اللہ عنہ کر کے لکھا ہے۔

نیل المرام من تفسیر آیات الاحکام

نواب صدیق حسن خان قنوجی

نواب صدیق حسن خان اپنے دور کے اہم علماء میں سے تھے۔ "نیل المرام من تفسیر آیات الاحکام" میں آپ نے ان آیتوں کی تفسیر بیان کی ہے جن کا تعلق احکام سے ہے اور جن سے مسائل نکلتے ہیں۔ اور جن کا جاننا شریعت کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے۔ ان کی یہ تصنیف شائع ہو چکی ہے۔ اس کے بارے میں خود لکھتے ہیں کہ محض وہ آیتیں انتخاب کی ہیں جن سے واضح طور سے مسائل مستنبط ہوتے ہیں تاکہ لوگوں کو کسی قسم کی الجھن اور پریشانی سے دوچار نہ ہونا پڑے اور سارے قرآن کریم کی کسی ایک مسئلے میں ورق گردانی نہ کرنی پڑے۔

اس کتاب میں پہلے سورۃ کا نام لکھتے ہیں۔ پھر یہ بیان کرتے ہیں کہ یہ مکی ہے یا مدنی، یا کتنی آیتیں مدینے میں نازل ہوئیں اور کتنی مکہ میں۔ اگر اس سلسلے میں اختلافات ہیں تو دونوں نقطۂ نظر کا ذکر کر دیتے ہیں۔ کہیں کہیں پر شان نزول بھی بیان کر دیتے ہیں۔

نماز، زکوٰۃ، حج، روزہ، حلال وغیرہ کی آیات کی تفسیر پوری شرح و بسط کے ساتھ کی ہے۔ تفسیر کرتے وقت احادیث و اقوال اور اماموں کی آراء کو بھی

پیش کرتے گئے ہیں۔ آیت کی تشریح اور مسئلے کی توضیح کے بعد نتیجہ نکالنا قاری کے اوپر چھوڑ دیتے ہیں۔ اگر کہیں ضرورت ہوتی ہے تو الفاظ کی لغوی تشریح بھی کر دیتے ہیں۔

انھوں نے ۲۵۵۔آیتوں کی تشریح و تفسیر بیان کی ہے۔ ان میں سے بعض سے بہت اہم مسائل نکلتے ہیں۔ ان کی وضاحت پوری طرح سے کی ہے اور تمام بنیادی نیز فروعی باتوں پر پوری توجہ سے بحث کی ہے اور اس بات کی کوشش کی ہے کہ ان کا یہ کام زیادہ سے زیادہ مفید بن جائے۔

مرأۃ التفسیر

ذوالفقار احمدی نقوی بھوپالی (۱۳۱۶ھ)

۳۰ صفحوں کا چھوٹا سا رسالہ ہے جو "قضاء الارب من ذکر علماء النحو والادب" کے ساتھ ایک ہی جلد میں موجود ہے۔ یہ مفید عام پریس آگرہ سے شائع ہوا ہے۔ اس رسالے میں مصنف نے تفسیر اور متعلقات تفسیر کا ذکر کیا ہے۔ پہلے علم تفسیر کی تعریف کی ہے اور قدماء کے اقوال سے اس کی اہمیت ثابت کی ہے اور اس کی غرض و غایت بھی بیان کی ہے۔ اس کے بعد متاخرین و متقدمین کی اہم کتابوں کے نام لکھے ہیں اور ان کی کیفیت بھی درج کی ہے۔ ساتھ ہی ساتھ اگر کسی تفسیر میں کوئی خاص بات یا اس کی اہمیت ہے تو اس کا حوالہ دیتے ہیں۔

یہ ایک قسم کا انڈکس (Index) ہے جس سے مفسرین اور علم تفسیر پر جو کچھ بھی کام ہوا ہے۔ اُس کا پتہ چلایا جا سکتا ہے۔ اس نقطۂ نظر سے اس کی اہمیت بہت ہے۔

جواہر التنزیل

محمد ریاست علی شاہ جہاں پوری

۱۳۲۵ھ میں یہ کتاب شیاما پریس شاہ جہاں پور سے شائع ہوئی۔ اس میں ۲۱۲ صفحات ہیں۔ آصفیہ لائبریری میں موجود ہے۔ اس کی ابتدا ان الفاظ سے ہوتی ہے:

"الحمد للہ الذی خلق الانسان وعلمہ البیان ونور قلبہ بنور الایمان والعرفان"

اس کتاب میں پورے قرآن کریم کی تفسیر نہیں بیان کی گئی ہے بلکہ بعض آیتوں کے مطالب پیش کیے ہیں۔ خود اپنی اس تصنیف کے متعلق لکھتے ہیں۔

"اس میں بعض آیتوں کی تفسیر ہے جو مخلص ایمان والوں کو نفع پہنچائیں گی۔ طالبوں کے یقین میں اضافہ ہوگا۔ آخرت کی جانب رغبت ہوگی اور دنیائے فانی سے تنفر ہوگا۔"

اس کے بعد انھوں نے ان تفسیروں کے نام لکھے ہیں جن سے انھوں نے اپنی اس تفسیر میں استفادہ کیا ہے۔ مثلاً تفسیر کبیر، تفسیر ابن کثیر۔ مدارک، جلالین، کشاف، تفسیر احمدی۔ تفسیر محی الدین ابن عربی۔ معالم التنزیل وغیرہ سے انھوں نے

جا بہ جا حوالے پیش کیے ہیں۔ کتب احادیث سے بھی بعض باتوں اور مسائل کے حوالے دیے ہیں۔ صحیح بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی، ابوداؤد اور مشکوٰۃ وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔ کتب فقہ سے بھی مدد لی ہے۔ ہدایہ، درمختار، طحطاوی، وغیرہ سے مسائل حل کیے ہیں۔ عقائد کے سلسلے میں شرح فقہ اکبر للملا علی قاری، شرح عقائد نسفی، کتب تصوف میں فتوح الغیب للغوث الثقلین شیخ عبدالقادر جیلانی العوارف، شیخ شہاب الدین سہروردی، مکتوبات امام ربانی مجدّد الف ثانی وغیرہ سے استفادہ کیا ہے اور ان تمام کتابوں کے حوالے دیے ہیں۔

الٓمٓ کے سلسلے میں حروف مقطّعات سے بحث کی ہے اور مختلف مفسّرین کے بیان نقل کرنے کے بعد صاحب روح المعانی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ یہ وہ سرّ محجوب اور راز مستور ہے جس کی تحقیق سے علماء عاجز ہیں۔

"ھو الّذی خلق لکم ما فی الارض جمیعا" (۱) سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ۔

"اصل شئے اباحت ہے۔ حنفی و شافعی بہت سے اہلِ سنّت اس آیت سے استدلال کرتے ہیں کہ ورودِ شریعت سے پہلے تمام مفید اشیاء مباح ہوتی ہیں۔ درمختار میں ہے کہ اکثر فقہا کہتے ہیں کہ اصل اباحت ہے۔"

اس کتاب میں مصنّف نے ۱۲۲ عنوان قائم کیے ہیں اور ہر عنوان کے تحت آیت و ضروری تشریح اور اس سے متعلق احادیث و فقہ کے اقوال پیش کیے ہیں۔ عنوانوں میں "افضل الایمان" "اعمال التی ینجو المؤمنین" "النبی صلعم ماذون للشفاعۃ فی الدنیا" "فی فضیلۃ الصدقۃ" "فی ذم علماء السوء"

---

(۱) سورۃ البقرۃ آیت ۲۹

"فی خصائص امتہ محمد" "فی علامتہ قبول العمل" "فی التوبۃ" "فی علم المنطق والنجوم والفلسفتہ" "ان الحسنات یذہبن السئیات" "فی المعراج واسرارہٗ" "فی فضیلتہ ذکر اللہ" "فی فضیلتہ الصلوٰۃ" "فی فضیلتہ العلماء" "لاثواب لکفار فی الآخرۃ" قابلِ ذکر ہیں۔

اِس طرح اور بھی بہت سے عنوان ہیں اور ان کے متعلق مفصل باتیں تحریر کی ہیں۔ تیسوں پاروں سے انھوں نے آیات الگ کی ہیں اور ان سے جن مسائل کا استنباط ہوتا ہے انھیں بیان کردیا ہے۔ قرآن کریم میں جو مختلف قصے آگئے ہیں ان کو بھی بیان کردیا ہے مثلاً اصحابِ اخدود کا قصہ ہے۔ نبی صلعم کی پیدائش، معراج اور تبلیغ کا بیان ہے۔ حضرت علی اور حضرت فاطمہ کے نکاح کا ذکر بھی کیا ہے۔ نماز، روزہ وغیرہ کے مسائل کو بھی بیان کیا ہے۔ علمار کی فضیلت، ان کی اہمیت و ضرورت اور ان کے فرائض کے متعلق بھی بہت سی باتیں لکھی ہیں۔ "توکل علی اللہ" اور کسب حلال کی برکت کا ذکر کیا ہے۔ صبر کرنے والوں کا درجہ بہت بلند ہوتا ہے۔ اِس طرح سے بہت سی باتوں کے متعلق لکھا ہے۔

"واذا قری القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا لعلکم ترحمون"(۱)

کی تشریح اچھی کی ہے اور اِس سے جو مسئلہ یعنی "انصات مقتدی" نکلتا ہے اس کو بھی پیش کردیا ہے۔ پوری لمبی بحث کی ہے اور یہ دکھایا ہے کہ قرأت خلف الامام کے متعلق کن لوگوں کی کیا رائے ہے اور اسے کتنے لوگ جائز یا مکروہ قرار دیتے ہیں۔ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو "جہری" میں مکروہ مگر

---

(۱) سورۃ الاعراف آیت ۲۰۴

"ستری" میں جائز سمجھتے ہیں۔ چار یا پانچ صفحوں میں یہی بحث ہے۔

"کنتم خیر امۃ اخرجت للناس (۱) کی تشریح میں امتِ محمدیہ کی بہت سی خصوصیات بیان کی ہیں۔ اور یہ دکھایا ہے کہ ان کو فتح و نصرت اور غلبہ اُن کی نیکیوں، حسنِ اخلاق اور دین پر اچھی طرح عامل ہونے کی وجہ سے نصیب ہوا۔ امّتِ محمدیہ کی خصوصیّات کے سلسلے میں ایک خاص بات یہ ذکر کی ہے کہ:

"وہ گمراہی پر مجتمع نہیں ہوگی۔"

اور اسی قسم کی اور بھی خصوصیات بیان کی ہیں۔

"انا عرضنا الامانۃ علی السموٰت والارض والجبال فابین ان یحملنہا واشفقن منہا وحملہا الانسان انہ کان ظلوما جہولا"، (۲)

میں امانت سے کیا مراد ہے اِس کے متعلق لکھتے ہوئے مختلف اقوال نقل کیے ہیں اور آخر میں فیصلہ کن بات حضرت مجدّدِ الفِ ثانی شیخ احمد سرہندی کے مکتوبات کے حوالے سے یہ لکھی ہے کہ امانت سے مراد خلافت ہے۔

---

(۱) سورۂ احزاب آیت ۷۲ (۲) سورۂ آل عمران آیت ۱۱۰

وجوہ المثانی مع توجیہ الکلمات والمعانی

مولانا اشرف علی تھانوی (م ۱۳۶۲ھ)

اس کتاب میں مولانا اشرف علی تھانوی نے قرآن مجید کے ان تمام الفاظ کی قرائتیں بیان کی ہیں جن میں اختلاف ہے۔ وجہ تصنیف خود ہی یہ بیان کی ہے کہ عرصے سے میرے ذہن میں یہ بات تھی کہ ایک ایسا رسالہ مرتب کیا جائے جس میں قرآن مجید کی ساتوں قرأتوں کا بیان ہو۔ اُن کے اعراب و توجیہات کا ذکر ہو تاکہ ہندوستانی طلباء کے لیے اُن سے استفادہ آسان ہو اور اُن کو اِس فن کے سیکھنے میں مدد ملے۔ اِس کتاب کا انداز انھوں نے یہ رکھا ہے کہ سب سے پہلے قرآن کا لفظ یا عبارت لکھتے ہیں۔ پھر اختلاف بیان کرتے ہیں، ساتھ ہی ساتھ راوی یا شیخ کا تذکرہ بھی کرتے ہیں۔ اس کے بعد صرفی و نحوی باتوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ اس رسالے کا ماخذ "الکتاب المکرر فی القرأت" (۱) اور "تفسیر روح المعانی" (۲) ہیں کتاب کے آخر میں کچھ ایسے اصول بیان کیے ہیں جن کی اکثر جگہوں پر ضرورت پڑتی ہے۔

"مٰلکِ یوم الدّین" کی قرأت میں جو اختلاف ہے اس کو یوں بیان کرتے

---

(۱) مصنف سراج الدین عمر بن قاسم المقری مشہور بالنشار، کشف الظنون ص ۱۸۱۲ ج ۲

(۲) مصنف محمود بن عبداللہ الحسینی الآلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ الاعلام ص ۸۳/۸

ہیں :-

" اس میں دو قرأتیں ہیں ۔ ایک میم کے بعد الف مالک یہ عاصم اور کسائی کی قرأت ہے ۔
دوسری ملک بغیر الف کے یہ باقی قراء کی قرأت ہے ۔ "[1]

سورۃ البلد میں " فک رقبۃ او اطعام مسکین " کے بارے میں لکھا ہے ۔

اس میں دو قرأتیں ہیں پہلی کاف پر رفع اور رقبۃ پر جر، اطعام کے ہمزہ پر زیر، عین پر زبر، اس کے بعد الف، میم پر رفع ۔ یہ نافع ابن عامر، عاصم اور حمزہ کی قرأت ہے ۔ دوسری کاف پر اور رقبۃ پر نصب اطعم کے ہمزہ اور عین اور میم پر زبر اور عین و میم کے درمیان الف نہیں ہے "[2]

اسی طرح سے قرأت کے تمام اختلافات کو بیان کیا ہے ۔ آخر میں اس فن سے متعلق کچھ اصول بھی بیان کر دئیے ہیں ۔ ائمہ کی باتوں کے حوالے موجود ہیں جو تجوید سیکھنے میں ممد و معاون ہو سکتے ہیں ۔ یہ کتاب شائع ہو چکی ہے ۔

سبق الغایات فی نسق الآیات

مولانا اشرف علی تھانوی (۱۳۲۶ھ)

یہ کتاب مطبع مجتبائی دہلی سے ۱۳۱۶ھ میں شائع ہوئی ہے۔ عثمانیہ یونیورسٹی لائبریری میں مولانا ثناء اللہ امرتسری کی تفسیر القرآن بکلام الرحمٰن اور القطوف الدانیۃ فی تحقیق الجماعۃ الثانیۃ کے ساتھ ایک ہی جلد میں موجود ہے۔

مولانا تھانوی نے اس کتاب میں آیاتِ قرآنی کا ربط اور مطالب اختصار کے ساتھ بیان کر دیے ہیں۔ سورتوں کا خلاصہ اور شانِ نزول بھی لکھ دیا ہے۔ خود اس کتاب کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اُس کا ملخص ترجمہ حسب ذیل ہے:-

"یہ ایک مختصر سی کتاب ربطِ آیاتِ قرآنی کے بارے میں ہے۔ جس کی اس زمانے میں بہت شدید ضرورت ہے۔ اکثر تفسیر کبیر اور تفسیر ابی السعود سے ماخوذ ہے۔ کچھ خود اس مسکین کے خیالات ہیں۔ سورۃ فاتحہ اور سورۃ بقرۃ کے ربط اور مناسبت کے متعلق لکھتے ہیں۔

(سورۂ فاتحہ) میں چوں کہ بندے نے صراط مستقیم کی جانب ہدایت کی درخواست کی تھی۔ اس لیے آگے اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ یہ وہ کتاب ہے جس میں کسی قسم کا شک نہیں ہے۔ متقین کے لیے

ہدایت ہے۔" ص ۳

اسی طرح سے مختصر انداز میں بہت سی آیات کا مطلب اور خلاصہ بیان کیا ہے۔ سورۃ الفتح کا خلاصہ لکھتے ہیں:

"اس سورہ میں اللہ نے حدیبیہ کا واقعہ بیان کیا ہے اور ان حکم و مصالح کا ذکر کیا ہے جو اس میں ملحوظ رکھے گئے تھے۔ اس میں ایمان والوں کے لیے بشارت اور کفار و منافقین کے لیے تہدید کا اظہار بھی کیا گیا ہے۔" ص ۱۲۷

سورتوں کی شانِ نزول بھی لکھی ہے۔ سورۃ البروج کی شانِ نزول اور غرض بیان کرتے ہیں۔

"اہلِ ایمان کی دل جمعی اور اہلِ مکہ کی ایذا رسانی پر صبر کی تلقین کے لیے نازل کی گئی ہے۔ اس میں تسکین و تقویت کے لیے سابق اہلِ ایمان کے مصائب اور کفار کی ایذا رسانی کا ذکر کیا گیا ہے۔"

ص ۱۴۴

اسی انداز پر انھوں نے پورے قرآن مجید کی سورتوں کا خلاصہ، ربط اور شانِ نزول کا ذکر کیا ہے۔

الفاظ القرآن مسمیٰ بہ نجوم الفرقان جدید لتخریج آیات القرآن

سنہ ۱۳۳۱ھ

مولانا اہل اللہ فقیر اللہ

یہ قرآن کریم کے الفاظ کی فہرست ہے۔ جن کی مدد سے کسی بھی آیت کو آسانی سے تلاش کیا جا سکتا ہے۔ اس سے پہلے اس قسم کی فہرستیں تیار کی گئی تھیں۔ انھی کتابوں میں مصطفیٰ ابن سعید مقرب خان کی "نجوم الفرقان" کافی مشہور ہوئی۔ دراصل فقیر اللہ صاحب کی یہ تصنیف مقرب خان کی کتاب کی مہذب شکل ہے۔

پہلے ہی صفحے پر ایک چھوٹی سی نظم لکھی ہے۔

شکر لِلّٰہ منم فقیر اللہ — خادمِ سنّت وکتاب اللہ

کردم ایجاد زاں بطرز جدید — تا شود بہر خاص و عام مفید

یعنی فہرست لفظہائے قرآن — بہر تخریج آیۃ الفرقان

ہر کہ جوید گلے ازیں بستاں — می شود جلد حافظِ قرآن

دوستاں را نصیب کن یارب — دشمناں را اسیر کن بہ غضب

ہست ایں تحفۂ فقیر اللہ — از پئے خاص و عام خلق اللہ

اس کی تصنیف کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ بسا اوقات آیاتِ قرآنی کے

معنی سمجھنے کے لیے ماقبل و مابعد کے ملحوظ رکھنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس کے بغیر سارا مفہوم خبط ہو جاتا ہے۔ اکثر حفاظ بھی پوری صحت کے ساتھ اس آیت کا حوالہ نہیں دے پاتے ہیں۔ یا اگر کبھی کسی آیت کی تفسیر مفسرین کے یہاں دیکھنی ہو تو بھی کافی دقت پیش آتی ہے۔ کیوں کہ یہ لوگ ایک آیت کا مفہوم جب پہلی جگہ بیان کر دیتے ہیں تو دوسری جگہوں پر محض اشارہ کر دیتے ہیں۔ اس لیئے یہ ضروری ہوتا ہے کہ وہ آیت سامنے ہو۔ لہذا کسی ایسی تصنیف کی ضرورت تھی جس میں کلام اللہ کے ہر ہر لفظ کا حوالہ موجود ہو اور ضرورت پڑنے پر اُس کی مدد سے مطلوبہ آیت کو آسانی سے تلاش کر لیا جائے۔ اسی مقصد کے پیش نظر مصطفیٰ بن سعید نے اپنی کتاب "نجوم الفرقان" تصنیف کی تھی۔ لیکن اس میں آیتوں کی نشان دہی حروف ابجد کے حساب سے کی گئی تھی جس کا سمجھنا ہر ایک کے لیے آسان نہیں ہے۔ اس مشکل کو حل کرنے اور کتاب کو زیادہ مفید بنانے کی غرض سے فقیر اللہ صاحب نے اس کو نئے اور آسان طرز پر جدید طریقے سے مرتب کیا۔ انھوں نے مقرب خان کے انداز ابجد کو چھوڑ کر حروف ہجی کے حساب سے اس کو ترتیب دیا ہے۔ اس طرح سے یہ کتاب زیادہ مفید ہو گئی ہے اب اگر کوئی آیت تلاش کرنی ہو تو اس سے کافی سہولت ہو سکتی ہے لیکن اس کے لیے بھی ضروری ہے کہ ان کے بیان کیے ہوئے قواعد وضوابط پہلے اچھی طرح سمجھ لیے جائیں۔ یہ کتاب اس لحاظ سے قابلِ قدر ہے کہ آیت کی تلاش میں بہت زیادہ جد وجہد نہیں کرنی پڑتی۔ یہ کتاب بھی شائع ہو چکی ہے اور ندوہ کے کتب خانے میں مولانا شاہ حلیم عطا صاحب مرحوم کے ذخیرۂ کتب میں موجود ہے۔

ملخص التفاسیر

سید محمد ہارون زنگی پوری (م ۱۳۴۷ھ)

اس کتاب کا قلمی نسخہ مدرسۃ الواعظین لکھنؤ میں موجود ہے۔ یہ قرآن مجید کی مکمل و مفصل تفسیر نہیں ہے بلکہ کچھ آیتوں کی تفسیر ہے۔ اس کے علاوہ زیادہ تر باتیں متعلقات تفسیر کی ہیں۔ اس کتاب کا محض یہی نسخہ پایا جاتا ہے۔ یہ خود مصنف کے قلم کا مسودہ ہے۔

اس کتاب کی ابتدا ان الفاظ سے ہوتی ہے۔

"الحمد للہ الذی انزل علی رسولہ کتابا قیما لینذر بأساً شدیداً من لدنہ"

اس کے بعد اس کتاب کے متعلق لکھتے ہیں۔ جس کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

"یہ علماء کے خیالات سے ماخوذ اور تفسیروں کا خلاصہ ہے جو مولائی و سیدی حافظ الشریعت، ملاذ الشریعۃ مولانا نجم الحسن صاحب کے ارشاد کی تعمیل میں لکھی گئی ہے۔"

۱۔ کتاب مختلف ابواب کے تحت منقسم ہے۔ ان ابواب کو مقدمہ کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ پہلا مقدمہ "اسامی القرآن و اوصافہ" کے عنوان سے ہے

اس میں مختلف لوگوں کے حوالے سے قرآن کے بہت سے ناموں اور اُس کی صفتوں کا ذکر کیا ہے۔ اکثر نام خود قرآن کریم سے نکالے ہیں۔

۲۔ دوسرا مقدمہ " فی ان القرآن بحر لاینزف و غوث لا ینقطع وفیہ کل مایحتاج الیہ الناس" ہے۔ اس میں قرآن کریم کو ایسی کتاب ثابت کیا ہے جس میں ہر قسم کی اور ہر مسئلے سے متعلق باتیں موجود ہیں۔ انسانوں کو جن باتوں سے واسطہ پڑتا ہے اور مشکلات کے حل کی تلاش ہو وہ سب اس میں جامع طور پر موجود ہیں۔ اگرچہ اس کے مصنّف شیعی نقطۂ نظر کے ہیں لیکن اس کتاب میں انھوں نے کوئی اس قسم کی بات نہیں کہی ہے جو اختلافی ہو۔ انھوں نے اس طرف بھی اشارہ کیا ہے کہ جب کوئی شخص کلامِ الٰہی کی تفسیر کرے تو اُس کا فرض ہے کہ خوب اچھی طرح سے مطالعہ کرے اور قرآن کریم نیز دوسرے بزرگوں کی کتابوں کو پیش نظر رکھے اور جب خود تمام مسائل اور مشکلات کو اچھی طرح سمجھ لے تو پھر تفسیر کی طرف متوجہ ہو۔ اس سلسلے میں بھی انھوں نے قرآن مجید سے استنباط کیا ہے کہ تفسیر بالرائے نہ ہونا چاہیے۔ آیت پیش کی ہے۔

"فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون" (۱) اگر تم نہ جانتے ہو تو اہل علم سے دریافت کرلو۔

۳۔ تیسرا مقدمہ "اعجاز القرآن" سے متعلق ہے۔ اس میں انھوں نے قرآن کریم کے لغوی معنی اور فنی اعجاز کو ثابت کیا ہے۔ اس کی فصاحت و بلاغت کے ثبوت پیش کیے ہیں۔ اس بحث میں مصنف نے قرآن کریم کی آیاتِ ثبوت

---

(۱) سورۃ النحل آیت ۴۳

کے طور پر نقل کی ہیں۔ قرآن کریم نے جو پیشین گوئیاں کی تھیں۔ مثلاً "الم غلبت الروم" یا "أ أنذرتهم ام لم تنذرهم لا یؤمنون" وغیرہ۔ ان میں کتنی صحت تھی اور یہ کس انداز سے پوری ہوئیں۔ یہ بھی قرآن مجید کا اعجاز اور من جانب اللہ ہونے کا ثبوت ہے۔ اس میں قوانین محکمہ ہیں۔ تحریف و تغیر ممکن نہیں۔ معارف ربانیہ اور معالم ایمانیہ مکمل طور پر موجود ہیں۔ قصص ماضیین اور نصیحت کی باتیں بھی پائی جاتی ہیں۔ اس میں کوئی اختلاف بھی نہیں ہے۔ بہرحال ہر طرح سے یہ ایک جامع اور مکمل کتاب ہے۔ غرض جتنی باتیں بھی اعجاز قرآنی کے لیے ضروری تھیں سب اس میں موجود ہیں۔

۴۔ چوتھا مقدمہ "فی البحث عن نقص القرآن وزیادته وتحریفه وتغییره" اس میں انھوں نے کافی توجہ اور محنت سے کام کیا ہے اور یہ دکھایا ہے کہ قرآن کریم میں کسی بھی قسم کی کمی و زیادتی یا تحریف و تبدیل نہیں ہے۔ یہ نبی صلعم ہی کے زمانے میں "مولف" ہو چکا تھا۔ اس کے علاوہ اس کی تلاوت مسلسل ہوا کرتی تھی۔ قرآن کریم پر جو الزامات لگائے گئے ہیں وہ سب بے بنیاد اور بالکل غلط ہیں۔ اس میں کسی قسم کی بھی کوئی گڑبڑ نہیں ہونے پائی ہے۔

۵۔ پانچواں مقدمہ "فی معرفة معانی وجوه الآیات ومعانی المتشابه وتاویله" اس میں انھوں نے لکھا ہے کہ یوں تو کلام الہٰی بہت آسان اور سادہ زبان میں ہے لیکن اس کے باوجود اس میں کچھ ایسی باتیں ہیں جن پر زیادہ غور کرنے سے مسائل سامنے آتے ہیں۔ اور اگر یہ نہ ہوتا تو اس کی بہت زیادہ اہمیت نہ ہو پاتی۔

۶۔ چھٹا مقدمہ "فی نبذ مما جاء فی ان علم القرآن کله انما هو عند اهل البیت علیهم السلام" یہ ایک ایسا عنوان ہے جو خالص شیعی نقطۂ نظر کا حامل ہے۔ قرآن اور اس کا علم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کے پاس اُن کے مراتب کے حساب سے موجود تھا۔ یہ درست ہے کہ اہل بیت علیہم السلام کا تعلق آں حضورؐ سے

اور لوگوں کی بہ نسبت زیادہ تھا لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ وہ علم قرآنی میں بھی آگے بڑھ گئے تھے۔ بہرحال یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس میں مسلمانوں کے ان دونوں فرقوں یعنی شیعہ اور سنی میں کافی اختلاف ہے۔ مصنف نے اس کتاب میں اس باب کے تحت کوئی لمبی بحث نہیں کی ہے۔ بس اپنی بات ثابت کی ہے کہ قرآن کریم کا مکمل علم اہلِ بیت کو دیا گیا تھا۔ نبی اکرمؐ سے روایات نقل کی ہیں کہ انھوں نے حضرت حسینؓ وغیرہ کے سر پر ہاتھ رکھ کر علم کی تلقین کی۔ اپنی یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ "تلد امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان نقتدی بالقرآن وآل محمد۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ قرآن و آل محمدؐ کی اقتدا کی جائے۔

۷۔ ساتواں مقدمہ "فیما ورد من فضل القرآن وحث علی تلاوۃ القرآن وآدابھا وما یتعلق بھا۔" اس سلسلے میں انھوں نے فضائل قرآنی کا ذکر کیا ہے اور اس سے کیا فوائد ہیں۔ بیان کیا ہے۔ نیز یہ بتایا ہے کہ قرآن مجید کی برابر تلاوت کرتے رہنے کے کیا فضائل ہیں اور آداب تلاوت کیا ہیں۔

۸۔ آٹھواں مقدمہ "فی بیان الغرض المقصود من ھذا التفسیر وما بنیت علیہ فی التحریر" اس میں انھوں نے اپنے طرزِ تفسیر اور انداز بیان کے متعلق لکھا ہے اور یہ بیان کیا ہے کہ اس تفسیر کو لکھتے وقت ان کے پیشِ نظر کیا باتیں تھیں۔

ان آٹھ مقدموں کے بعد انھوں نے تفسیر شروع کی ہے۔ تفسیری نقطۂ نظر سے کوئی بات قابلِ ذکر یا اہم نہیں ملتی۔ بس سیدھے سادے انداز میں مفہوم بیان کر دیا ہے۔ الحمد شریف کی تفسیر کرنے کے بعد "تفسیر آیات التوحید" کا باب قائم کیا ہے۔ یہ کتاب کا پہلا باب ہے۔ اس میں انھوں نے ان آیتوں کی تشریح و توضیح کی ہے جن سے توحید ربانی ثابت ہے۔ دوسرے باب میں "نفی الزمان والمکان ہے"۔ اس میں کوئی

خاص بات نہیں ہے۔ بس نفی زمان و مکان کی بحث ہے۔

کتاب کا خاتمہ اس عبارت پر ہوتا ہے۔

لا یعزب عنہ مثقال ذرۃ فی السموات ولا فی الارض ولا اصغر من ذالک ولا اکبر بالاحاطۃ بالعلم لا بالذات لان الاماکن محدودۃ تحوی محدود اربعۃ فاذا کان بالذات لزمہ الحوایۃ"

مشکلات القرآن

مولانا محمد انور شاہ کشمیری

یہ کتاب قرآن مجید کی مکمل تفسیر نہیں ہے بلکہ محض اُن آیات کی مولانا انور شاہ نے توضیح کی ہے جن کو مشکل تصور کیا ہے۔ یہ توضیحات بیشتر عربی میں اور چند جگہوں پر فارسی میں ہیں۔ اس سلسلے میں انھوں نے احادیث و اقوال اور کتب سیر و تاریخ سے بھی مدد لی ہے۔ بعض دوسری اہم تفسیروں سے بھی اقوال نقل کیے ہیں۔ ضروری اور تشریح طلب باتیں حاشیے پر بھی لکھی ہیں۔

کتاب کے شروع میں بہت طویل سا مقدمہ مولانا محمد یوسف بنوری کا ہے۔ جس میں اُنھوں نے مولانا کے حالاتِ زندگی لکھے ہیں۔ اور علومِ قرآنی و رموزِ تفسیر سے بحث کی ہے۔ اسی سلسلے میں ہندوستان کی تفسیروں کا ذکر بھی کیا ہے اور ان کے متعلق اپنی رائے بھی لکھی ہے تفسیر کے ضروری قواعد و ضوابط، قرآن کی اہمیت، اس سے متعلق علوم کا حاصل کرنا۔ اہل حق اور اہل باطل کی تفسیروں کا فرق، شکوک و اوہام کو دُور کرنے اور تفسیر زیادہ واضح انداز میں بیان کرنے کے لیے کیا باتیں

ضروری ہیں اور اسی قسم کی بہت سی اہم اور ضروری باتوں کو بیان کیا ہے۔

انھوں نے پوری تفسیر میں دلائل کے ساتھ اپنی بات پیش کی ہے۔ کتاب کی ترتیب وغیرہ مولانا محمد یوسف بنوری نے کی ہے۔

پانچواں باب

بیان الفرقان علی علم البیان

مولانا ثناء اللہ امرتسری ۱۹۴۸ء

یہ تفسیر علم البیان اور علم المعانی وغیرہ کو پیش نظر رکھ کر لکھی گئی ہے۔ قرآن کریم انتہائی مکمل اور جامع کتاب ہے۔ لوگوں نے تفسیریں عام طور پر چار مختلف انداز پر لکھی ہیں۔ پہلا طریقہ تو یہ ہے کہ قرآن مجید کی تفسیر خود قرآن مجید ہی سے کی جائے اور یہ طریقہ سب سے بہتر اور زیادہ صحیح ہے۔ دوسرا یہ کہ احادیث صحیحہ کی روشنی میں تفسیر کی جائے اور مفہوم و مطالب قرآنی کی توضیح اقوال و افعال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رو سے کی جائے۔ تیسرا یہ ہے کہ متکلمین کا انداز ہو اور چوتھا یہ کہ تفسیر کے وقت ادب عربی اور علوم ادبیہ کو پیش نظر رکھا جائے۔

مولانا ثناء اللہ نے خود اپنے قول کے مطابق چوتھے انداز کو اپنی اس تفسیر میں اپنایا ہے۔ خود لکھتے ہیں۔ جس کا مفہوم حسب ذیل ہے۔

"اللہ نے مجھے ان اوراق کی تالیف کا موقع دیا ہے۔ مختصر الفاظ میں علم معانی و بیان کے قاعدے بیان کروں گا۔"

تفسیر شروع کرنے سے پہلے علم المعانی و البیان کے بہت سے مفید اور ضروری قواعد بیان کر دیے ہیں تاکہ عبارتوں کے سمجھنے اور ان کی فنی خوبیوں کو پرکھنے میں آسانی ہو۔ (۱) ان کا اس کتاب میں اندازِ تفسیر یہ ہے کہ سورۃ کے شروع میں یہ بیان کر دیتے ہیں کہ اس سورۃ میں کون کون سے مضامین بیان کیے گئے ہیں۔ یا کن مسائل اور باتوں کی طرف اشارہ ہے۔ اس سے مختصر طور پر پڑھنے والے کے ذہن میں سورۃ کے تمام مضامین آ جاتے ہیں۔

بعض جگہوں پہ فارسی اشعار بھی استعمال کیے ہیں۔ احادیث و اقوال کو بھی ضرورت کے وقت بیان کر دیا ہے۔ اگر کوئی بات پوری طور سے واضح نہیں ہو سکی تو حاشیہ پر مختصر طور پر اس کی تشریح کر دی ہے۔ تفسیری عبارتوں میں بہت زیادہ اختصار برتا ہے۔ قرآن مجید کی فنی خوبیوں کو بیان کیا ہے اور معانی و بیان کی اصطلاحات کا ذکر کیا ہے۔

---

(۱) اس کی پہلی مطبوعہ جلد ندوہ کے کتب خانے میں موجود ہے جس میں سورۂ بقرہ کی تفسیر ہے۔ اس کا پتہ نہیں چل سکا کہ باقی جلدیں بھی شائع ہوئیں یا نہیں۔

کتاب مفردات القرآن

حمید الدین الفراہی سنہ ۱۳۴۹ھ

مولانا حمید الدین صاحب دورِ جدید کے بہت زبردست عالم تھے فلسفہ، منطق، علم کلام اور علومِ قدیمہ کے ساتھ ساتھ ادبِ عربی کا مطالعہ بھی انھوں نے بہت گہرا کیا تھا۔ ان کا سب سے بڑا اور اہم علمی و فنی کارنامہ "نظام القرآن" کی تصنیف ہے۔ موصوف نے قرآن کریم کا مطالعہ بہت اچھی طرح سے کیا تھا۔ اپنی یہ عظیم تفسیر لکھتے وقت انھوں نے جو انداز اختیار کیا ہے وہ ہندوستان ہی نہیں بلکہ کسی دوسرے عربی ملک کے مفسر کے یہاں بھی نظر نہیں آتا۔ انھوں نے معانی و بیان اور لغت کی تشریح کے ساتھ ساتھ جس بات پر بہت زیادہ توجہ دی ہے وہ ربطِ آیات ہے۔ وہ یہ ثابت کرتے ہیں کہ سارا کلامِ پاک منظم ہے۔ ایک آیت دوسری سے اور ایک سورۃ دوسری سے منسلک ہے۔ یہ کام اور لوگوں نے بھی کیا ہے لیکن جس تفصیل اور مدلل انداز سے انھوں نے کیا ہے کسی دوسرے کے یہاں نظر نہیں آتا۔

کتاب مفردات القرآن میں اہم قرآنی الفاظ کے معانی بیان کئے ہیں اور صحیح مفہوم واضح کیا ہے تاکہ تفسیر نظام القرآن کے پڑھنے اور سمجھنے

میں آسانی ہو۔

اس کے بعد انھوں نے اس کتاب کے متعلق ضروری باتوں کا ذکر کیا ہے جس میں کتاب لکھنے کا مقصد اور اُس کی ضرورت، اصولِ لسانیات وغیرہ کا بیان ہے۔ یہ بھی دکھایا گیا ہے کہ قرآن مجید غریب الفاظ سے خالی ہے۔ ضبط و نظم میں لاثانی ہے اور عربوں کے خطبوں اور اُن کے اشعار و محاورات سے کہیں زیادہ آسان ہے۔

انھوں نے "ایسے الفاظ منتخب کیے ہیں جن کی تفسیر عام طور سے علماء و مفسرین نے اچھی طرح نہیں کی ہے۔ یا جن کی تشریح میں غلطی ہوئی ہے۔ الفاظ کی تشریح کرتے وقت لغوی معنوں کی توضیح کرتے ہیں۔ قرآن کریم صحف اولیٰ اور اشعارِ عرب سے مثالیں پیش کرتے ہیں۔ مثلاً الآلاء کی تشریح ملاحظہ ہو:-

"عموماً مترجمین اور مفسرین نے الآلاء کے معنی نعمتیں بیان کیا ہے لیکن قرآن اور اشعارِ عرب اسے تسلیم نہیں کرتے۔ اس کے معنی عجیب کام ہے۔ فارسی میں اسے کرشمہ کہیں گے۔"

اپنے اس دعوے کے ثبوت میں قرآن مجید کی دوسری آیت فبای الاء ربک تتماری سے استدلال کیا۔ یہاں "نعمت" ترجمہ ہرگز نہیں ہو سکتا ہے بلکہ کرشمۂ قدرت وغیرہ ہی مفہوم ہے۔ طرفہ، خنساء، اجدع وغیرہ کے اشعار بھی ثبوت میں پیش کیے ہیں۔ صلا

اس طریقہ سے تمام مشکل الفاظ کی تشریح کلام مجید اور کلامِ عرب سے کی ہے جس سے ان کی قرآن مجید پر گہری نظر، اشعارِ عرب سے غیر معمولی واقفیت اور لغت پر کامل عبور کا اندازہ ہوتا ہے۔

کنز المتشابہات

(مطبوعہ ۱۳۴۳ھ)

حافظ محمد محبوب علی انجینئر

یہ کتاب دائرۃ المعارف سے ۱۳۴۳ھ میں شائع ہوئی ہے۔ اس میں ۴۰۲ صفحات ہیں۔ اپنے انداز کی غالباً یہ پہلی کتاب ہے۔ اس میں مصنف نے ایسی آیتوں کو جمع کیا ہے جو ایک دوسری سے مشابہت رکھتی ہیں۔ اس کی وجہ تصنیف خود یہ لکھی ہے کہ ان کو اس قسم کی کتاب کی تلاش تھی مگر نہ ملی کی ابتدا پہلے اس کو مرتب کیا۔ شروع میں ان کو ۸۰۰ آیتیں اس قسم کی ملی تھیں۔ کتاب کے طبع میں جانے کے بعد ان کو ۲۶۰ آیتوں کا اور علم ہوا اور اس طرح سے ۱۰۶۰ آیات متشابہات میں سے نکلیں۔ آیات متشابہات دو طرح کی ہوتی ہیں۔ ایک تو وہ جن کا توارد الفاظ کی تبدیلی کے ساتھ ہوتا ہے اور دوسری قسم میں وہ آیات ہیں جو بجنسہٖ متوارد ہوتی ہیں۔

اس کتاب کے شروع میں انھوں نے ایک مقدمہ لکھا ہے جو عربی اور اردو دونوں ہی زبانوں میں ہے۔ اس میں انھوں نے اس تصنیف کے متعلق بہت سی باتیں لکھی ہیں اور ان سے استفادہ کرنے کے طریقوں کا ذکر کیا ہے۔ اور یہ بھی بتایا ہے کہ انھوں نے آیات متشابہات کے اخذ

کرنے میں کیا طریقہ اختیار کیا ہے۔ اور کس قسم کی آیتوں کو لے لیا ہے اور کس قسم کی آیتوں کو چھوڑ دیا ہے۔ ہر سورۃ کی آیتیں الگ الگ کر کے لکھی ہیں۔ آیت اور رکوع کا نمبر بھی درج کیا ہے۔ یہ کتاب بالخصوص حفاظ کے لیے زیادہ مفید و کارآمد ہے۔ آخر میں ایک فہرست ہے۔ جس میں حروف تہجی کے اعتبار سے تمام الفاظ لکھ دئے ہیں اور آیت کا نمبر بھی دے دیا ہے تاکہ تلاش میں آسانی ہو۔

میر سید علی ہمدانی

ولادت ۷۱۴ھ وفات ۷۸۶ھ

علاؤالدولہ سمنانی کے جانشین تھے۔ ۷۱۴ھ میں ہمدان میں پیدا ہوئے۔ علوم ظاہری و باطنی میں ان کو بڑا کمال حاصل تھا۔ حصول علم کے لئے بڑے بڑے طویل سفر کیے۔ ۷۸۱ھ میں اپنے رفقاء اور سات سو سادات کے ہمراہ کشمیر پہنچے۔ اور علاؤالدین پورہ میں سکونت اختیار کر لی۔ جہاں آپ کی خانقاہ لوگوں کے لیے زیارت گاہ بن گئی۔ قطب الدین شاہ حاکم کشمیر پران کا بہت اثر تھا۔ وہ ان کی قدم بوسی کو حاضر ہوا۔ اسلام اگرچہ کشمیر میں پھیل چکا تھا۔ مگر عام طور سے اُس وقت لوگ اس سے غفلت برتتے تھے۔ انھوں نے اس کی ترویج و تبلیغ میں بڑی کوشش کی۔ یہی وجہ ہے کہ ان کو وہاں کے لیے بانیِ اسلام بھی کہتے ہیں۔ یہ بھی مشہور ہے کہ قطب الدین نے دو بہنوں سے شادی کی تھی اور ان کو ساتھ ہی رکھتا تھا۔ شیخ نے "لاتجمعوا بین الاختین" پر عمل کرایا۔ ۷۸۶ھ میں ۷۲ سال کی عمر میں انتقال ہوا اور ختلان میں دفن ہوئے۔ آپ کے مزار کو لوگ بہت متبرک تصور کرتے ہیں اور زیارت کو اپنی خوش نصیبی سمجھتے ہیں۔

بہت سی کتابیں تصنیف کیں۔ بعض لوگ ایک سو ستر تک شمار کرتے ہیں۔ ان میں سے جمع الاحادیث، شرح اسماء الحسنیٰ، ذخیرۃ الملوک، شرح فصوص الحکم، مرأۃ التائبین، شرح قصیدہ خمریہ، آداب المریدین اور دس قواعد کا تذکرہ کتابوں میں اہمیت کے ساتھ ملتا ہے۔

حالات کے لیے: (۱) حدائق ص ۲۹۷

شیخ اشرف جہانگیر سمنانی ــــــ وفات ۸۰۸ھ

سید اشرف بن ابراہیم الحسنی والحسینی السمنانی جن کی شہرت جہانگیر کے نام ہوئی. شہر سمنان میں پیدا ہوئے. ان کے والد بہت امیر تھے اس لیے ان کی پرورش بڑے ناز و نعم کے ساتھ ہوئی. ساتوں قرأتوں کے ساتھ قرآن مجید حفظ کیا. اس کے بعد اس دور کے اہم علمار سے فیض حاصل کیا. چودہ سال کی عمر میں تعلیم سے فراغت حاصل کی. انیس سال کی عمر میں اپنے والد کی جگہ پر کاروبار سلطنت سنبھالے اس کے ساتھ ساتھ علمائے کرام کی صحبت میں بھی رہتے تھے. خاص طور سے رکن الدین علاؤ الدولہ سمنانی کے ساتھ تھوڑے عرصے بعد امور سلطنت سے دست کش ہو گئے اور اپنے بھائی کے سپرد کر کے ہندوستان آگئے یہاں بہت سے علمار سے علم حاصل کیا مختلف شہروں میں گئے اور مشائخ سے تربیت لی. شادی نہیں کی. تلاش علم میں مسلسل سفر کرتے ہوئے آخر میں کچھوچھہ میں قیام پزیر ہوئے دو بار ممالک عرب گئے کچھوچھہ میں ۸۰۸ھ میں ان کی وفات ہوئی. ان کی قبر زیارت گاہ سمجھی جاتی ہے. ان کی بہت سی تصانیف ہیں. تعلیقات علیٰ ہدایتہ الفقہ. شرح فصوص الحکم، قواعد العقائد فی الکلام، اشرف الانساب، بحر الاذکار، حجتہ الذاکرین، فتاوی اشرفیہ، تفسیر القرآن مسما بالنور بخشہ اور ادا الاشرفیہ مرأۃ الحقائق و کنز الدقائق، بشارۃ المریدین وغیرہ[1]

شیخ محمد بن یوسف ــــــ ولادت ۷۲۱ھ وفات ۸۲۵ھ

علامہ فقیہ زاہد صاحب مقامات علیہ اور کرامات جلیلہ محمد بن یوسف بن یوسف بن علی بن محمد بن یوسف حسین جن کا سلسلہ نسب حسین بن زید شہید تک پہنچتا ہے چار رجب ۷۲۱ھ میں دہلی میں پیدا ہوئے اپنے والدین کے ساتھ چار سال کی عمر میں دولت آباد

---

(۱) نزہتہ ۳/۲۳ تذکرہ ص ۲۳

گئے ۔ اپنے والد اور دادا سے علم حاصل کیا۔ سولہ سال کی عمر میں دہلی واپس آ گئے۔ دہلی میں شیخ نصیر الدین محمود اودی سے علوم کی تکمیل کی ۔ سید شرف الدین کیتھلی۔ مولانا تاج الدین مقدم سے بھی بعض درسی کتب پڑھیں۔ پھر قاضی عبد المقتدر بن رکن الدین کندی کے درس میں شامل ہوئے اور بہت سی کتابیں پڑھیں اور انھیں سے تدریس اور فتویٰ کی اجازت حاصل کی۔ یہ علم و عمل اور زہد و تواضع اور حسنِ اخلاق میں اپنی نظیر آپ تھے۔ بڑے زبردست عالم، نفس کے قوی، ہیبت و جلال کے مالک تھے، جامع شریعت و طریقت تھے ۔ ورع و تقویٰ میں ممتاز تھے۔ حقائق و معارف کے ماہر تھے۔ فقہ اور تصوف میں ان کو کمال حاصل تھا۔ فن تفسیر پر عبور تھا۔ ان سے بہت سے لوگوں نے فائدہ اٹھایا۔ ان کی بہت سی تصانیف ہیں جن میں سے تفسیر القرآن الکریم (علیٰ لسان المعرفۃ)، تفسیر القرآن (علیٰ منوال کشاف) کشاف کے پانچ اجزاء پر حواشی، مشارق الانوار کی شرح، الملتقط شرح العوارف، شرح آداب المریدین۔ شرح رسائل قشیریہ، اسماء الاسرار، حدائق الانس، تفسیر رسالہ فی حسن صورۃ وغیرہ ہیں۔ ان کی تصانیف کی مجموعی تعداد ایک سو بیس ہے۔ ۸۲۵ھ میں ان کا انتقال ہوا ان کی قبر گلبرگہ (دکن) میں ہے۔

خواجہ حسین بن خالد ناگوری —— (صاحب التفسیر نورالنبی) وفات ۹۰۱ھ

شیخ حمید الدین سعیدی کی اولاد میں سے تھے۔ بڑے بزرگ، صاحب کرامات تھے۔ شیخ کبیر الدین ناگوری سے کسب علم کیا اور بہت دنوں تک ان کے پاس رہے۔ اس کے بعد اجمیر گئے اور شیخ معین الدین سنجری کی قبر پر عرصے تک رہے اور وہاں مسجد بنوائیں۔ علوم دینی کی تبلیغ کرتے رہے۔ ان کی کئی تصنیفات ہیں۔ جن میں تفسیر نور النبی۔

حالات کے لیے : (۱) نزہتہ ۳/۱۵۲

خاص اہمیت رکھتی ہے۔ یہ تفسیر تیس جلدوں میں ہے۔ اس میں انھوں نے توضیح معانی اور حل تراکیب پر خاص توجہ کی ہے۔ اس کے علاوہ مفتاح العلوم للسکاکی کی مفصل شرح اصول الانوار فی ذکر الابرار اور بعض دوسری کتابیں بھی ہیں۔ ان کا انتقال ۹۰۱ھ میں ہوا۔ ان کی تفسیر کا پتہ نہیں چلتا ہے۔ غالباً اب کہیں بھی موجود نہیں ہے۔ ان کے حالات مندرجۂ ذیل کتابوں میں ملتے ہیں۔

(۱) اخبار الاخیار ۱۷۷ . نزہۃ ۴/۹۲

شیخ طاہر بن رضی ہمدانی ـــــــــــ وفات ۹۵۶ھ

طاہر بن رضی الدین بن مومن شاہ عبید اللہ مہدی کی نسل سے تھے۔ ان کا سلسلۂ نسب اسمٰعیل بن جعفر صادق تک پہنچتا ہے۔ طاہر بن رضی الدین اپنے اجداد کی ایک بڑی سلطنت کے مالک تھے۔ لیکن یہ سلطنت رفتہ رفتہ کمزور ہو گئی تھی۔ اسماعیل بن حیدر صفوی شیعی ان سے بدظن ہو گیا اور ان کے قتل کا حکم دے دیا۔ یہ کاشان سے ہندوستان پہنچے اور بیجاپور آئے۔ اسماعیل عادل شاہ بیجاپوری نے ان کو اہمیت نہ دی یہ مایوس ہو کر قلعہ "پرینده" پہنچے اور شیخ پیر محمد سے ملاقات کی۔ شیخ پیر محمد ان کے فضل و کمال سے متاثر ہوئے اور جب احمد نگر گئے تو برہان شاہ سے ان کا ذکر کیا۔ اس طرح طاہر بن رضی الدین کی رسائی احمد نگر میں ہوئی۔ علماء و فضلا ان کے درس میں حاضر ہوتے۔ برہان نظام شاہ خود بھی کبھی کبھی ان کی مجلس میں حاضر ہوتا تھا۔ اس اثنا میں برہان نظام شاہ کے لڑکے عبد القادر کی طبیعت بہت خراب ہو گئی۔ برہان نظام شاہ کو اس سے بہت محبت تھی۔ شیخ طاہر نے انھیں اُن کے لڑکے کی شفا کی بشارت دی اور یہ وعدہ لیا کہ جمعہ اور عیدین کے خطبوں میں ائمۂ اثنا عشر کا ذکر ہوا کرے گا اور اُن کے مذہب کو رواج دیا جائے گا۔ اس طرح سے برہان نظام شاہ اور

اس کے خاندان والے اور ملک کے بہت سے لوگوں نے مذہب شیعہ قبول کیا اور طاہر شاہ کو اپنے مقصد میں کامیابی حاصل ہوئی۔ انھوں نے فقہ امامیہ سے متعلق بہت سی اہم کتابیں تصنیف کیں۔ بیضاوی پر حاشیہ لکھا اس کے علاوہ اور بہت سی کتابیں لکھیں۔ ۹۵۶ھ میں ان کی وفات احمد نگر میں ہوئی اور وہیں دفن ہوگئے لیکن بعد میں ان کی ہڈیاں کربلا منتقل کر دی گئیں۔

(۱) نزہۃ ۴/۱۶۳

شیخ محمد بن عاشق الچریاکوٹی متوفی ۹۷۲ھ

شیخ الفاضل محمد بن عاشق محی الدین العباسی فقہائے حنفیہ میں سے تھے۔ چریاکوٹ میں پیدا ہوئے اور وہیں پرورش پائی اور اس شہر کے اساتذہ سے کسب علم کیا۔ اس کے بعد درس و تدریس میں لگ گئے۔ چریاکوٹ میں ایک بہت بڑا مدرسہ بنوایا۔ ان کی بہت سی تصانیف ہیں جن میں تفسیر محمدی۔ جواہر العربیہ فی الفنون الادبیہ اور حاشیہ تلویح مشہور ہیں۔ ۹۷۲ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ ان کی تفسیر کا پتہ نہیں چلتا ہے۔

ان کے حالات کے لیے ملاحظہ ہو:۔

۱۔ نزہۃ الخواطر ج ۴ ص ۳۰۲۔

شیخ علی متقی برہانپوری —— ولادت ۸۹۰ھ وفات ۹۷۵ھ

آباء و اجداد جون پور کے رہنے والے تھے۔ لیکن یہ چونکہ برہان پور میں پیدا ہوئے اور وہیں عمر کا بڑا حصہ گزار دیا۔ اس لیے برہان پوری کہلائے۔ ان کے والد نے بچپن ہی میں ان کو شیخ باجن برہان پوری کا مرید کر دیا۔ شیخ حسام الدین

ملتانی سے کسب علم کیا۔ پھر ۹۵۳ھ میں حرمین شریفین تشریف لے گئے اور شیخ ابوالحسن بکری سے استفادہ کیا اور وہیں کچھ عرصے تک مقیم رہے۔ اور یہیں انتقال ہوا۔ تعلیم و تدریس سے بہت دل چسپی تھی۔ رفتہ رفتہ ان کی فضیلت کا شہرہ بہت بڑھ گیا حتیٰ کہ شیخ ابن حجر مکی نے جو خود اُن کے استاد اور اپنے دور کے اساتذہ میں سے تھے ان کو اپنا شیخ تسلیم کرلیا۔ ان کے علاوہ بھی بہت سے بزرگوں نے ان کی علمیت اور تقویٰ کا اعتراف کیا۔ علم کا اتنا شوق تھا کہ اکثر اوقات خود سیاہی ٹھیک کر کے اپنے شاگردوں کو دیتے اور ان سے نادر کتابوں کی نقل کراتے تھے اور اہلِ علم کو تقسیم کیا کرتے تھے۔ انھوں نے بہت سے رسائل و کتب تحریر کیے جن کی مجموعی تعداد سو سے زائد ہے۔ ان کی سب سے اہم اور بڑی تصنیف "کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال" ہے۔ اس میں انھوں نے سیوطی کی جامع صغیر و جامع کبیر اور زوائد و اکمال اور قولی و فعلی احادیث کی تبویب فقہی انداز پر کی ہے۔ بعد میں اس سے انھوں نے تکرار کو حذف کر کے ایک منتخب تیار کی۔ ابوالحسن بکری نے اس کی نسبت کہا تھا کہ "للسیوطی منّۃ علی العالمین و للمتقی منّۃ علیہ"۔ کسبِ علم کا اتنا جذبہ تھا کہ مرنے سے قبل یہ وصیت کی کہ میرے سامنے سے مقابلۂ کتب احادیث نہ اٹھاؤ۔ البتہ جب میری انگلیوں کی حرکت ختم ہو جائے تو الگ کر دو۔ شیخ عبدالوہاب متقی نے آپ کے حالات میں ایک کتاب "اتحاف النقی" تصنیف کی۔ شیخ عبدالحق دہلوی نے بھی زاد المتقین میں آپ کا ذکر بڑی شرح و بسط سے کیا ہے۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ شئون المنزلات ان کے کسی خلیفہ کی کتاب ہے۔ اس لیے کہ کتاب کے شروع میں مصنف کے نام کی جگہ چھوٹی ہوئی ہے اور اس کے آگے خلیفہ شیخ علی متقی لکھا ہوا ہے۔ تذکروں کو دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے

خلیفہ کا نام عبدالوہاب تھا۔ لیکن ان کی کسی بھی تصنیف کا پتہ نہیں چلتا۔ اس لیے شئون المنزلات عبدالوہاب کی تصنیف نہیں ہو سکتی۔ البتہ یہ ممکن ہے کہ شیخ علی متقی کے ایک سے زیادہ خلیفہ رہے ہوں اور یہ ان میں سے کسی کی تصنیف ہو۔ لیکن اس کا بھی کوئی ثبوت نہیں ملتا ہے۔

اس تفسیر میں مصنف کا قاعدہ یہ ہے کہ مختصر جملوں میں مفہوم کو بیان کر دیتے ہیں۔ اس کے بعد اس سے متعلقہ آیات لکھتے ہیں۔ کہیں کہیں اس انداز میں تبدیلی ہوئی ہے۔ لیکن عام طریقہ یہی ہے۔ دوسرے قدیم مفسرین اور محدثین کے اقوال بھی نقل کرتے ہیں۔

حالات کے لیے: (۱) نزہتہ ص ۲۳۳ ج ۴ (۲) حدائق ۳۸۲

شیخ شمس الدین بیجاپوری — وفات ۹۸۶ھ

شیخ علامہ شمس الدین شطاری شیرازی ثم بیجاپوری بڑے اہم علماء میں شمار کیے جاتے ہیں۔ شیراز میں پیدا ہوئے اور وہیں تعلیم و تربیت پائی۔ بیضاوی کا حاشیہ لکھا۔ پھر ہندوستان آئے اور شیخ محمد غوث گوالیری سے کسب فیض کیا۔ بیجاپور میں شہر سے پانچ میل باہر قیام کیا۔ ساری عمر توکل اور قناعت سے بسر کی۔ بڑے متقی تھے۔ لوگوں سے بھی بے نیاز رہتے تھے۔ تفسیر میں مفسر کے ماہر تھے۔ ان علوم کی تحصیل ان سے محمد بن حسن مندوی نے کی۔ ان کی وفات ۹۸۶ھ میں ہوئی۔

حالات کے لیے: نزہتہ ۴/۱۴۰

شیخ محمد ابن احمد الفاکہی گجراتی — ولادت ۹۲۳ھ وفات ۹۹۲ھ

شیخ محمد بن احمد فاکہی مکی ابوالسعادات گجراتی بڑے علماء میں سے تھے۔ تمام

علوم میں ان کو کامل دستگاہ تھی۔ مذاہب اربعہ سے پوری طرح واقف تھے۔ ان کے شیوخ میں محقق علامہ ابوالحسن بکری۔ شیخ الاسلام ابن حجر الہیتمی شیخ محمد بن خطاب وغیرہ ہیں۔ جن لوگوں نے ان سے استفادہ کیا ان کی تعداد بھی بہت ہے۔ ان کی تصانیف بھی بہت ہیں جن میں سے رسالۃ علی آیۃ الکرسی مشہور ہے اور بہت مفید ہے۔ اس کے علاوہ شرح مختصر الانوار رسالۃ فی اللغۃ وغیرہ بھی اہم ہیں۔ بہت زیادہ سخی تھے اس وجہ سے اکثر قرضدار رہتے تھے۔ اپنی شدتِ تواضع کی وجہ سے لوگ ان کی خوشامد میں لگے رہتے تھے۔ یہ ہندوستان آئے اور کافی دن رہے۔ پھر اپنے وطن مکہ گئے۔ حج کیا۔ دس سال بعد ۹۶۰ھ میں پھر ہندوستان واپس آئے اور یہیں قیام کیا اور وفات پائی۔ احمد آباد میں ان کی قبر ہے۔

حالات کے لیے: نزہتہ ۴/۲۸۳

شیخ ہبتہ اللہ شیرازی

علامہ ہبتہ اللہ بن عطاء اللہ بن لطف اللہ شیرازی جن کی شہرت شاہ میر کے نام سے ہوئی بڑے علما میں سے تھے۔ شیراز میں پیدا ہوئے اور وہیں کے علما سے تعلیم حاصل کی۔ ۸۹۸ھ میں سلطان محمود شاہ کے زمانے میں گجرات آئے اور جانپانیر میں مقیم ہوئے۔ علما بڑی تعداد میں ان کے پاس آئے اور استفادہ کرنے لگے۔ انھوں نے بڑی اہم کتابیں لکھی ہیں جن میں سے لوامع البیان فی قدم القرآن، شرح تہذیب المنطق، الکواشف فی شرح المواقف، رسالہ فی الہیئۃ، رسالہ فی اصول الحدیث وغیرہ

حالات کے لیے: نزہتہ ۴/۳۸۵

مولانا مصلح الدین لاری

علامہ مصلح الدین لاری علوم عربیہ اور معارف حکمیہ میں ماہر تھے۔ درس و تدریس

میں مشغول رہے۔ ان کے بہت سے شاگرد ہوئے ہیں۔ ۹۶۰ھ میں انھوں نے مکہ معظمہ کا سفر کیا اور وہیں رہ گئے۔ انھوں نے تفسیر بیضاوی پر تعلیقات لکھی ہیں اس کے علاوہ شرح شمائل ترمذی۔ شرح منطق وغیرہ بھی لکھی ہیں۔

حالات کے لیے: (۱) نزہتہ ۴/ ۳۵۴

شیخ سعد اللہ لاہوری

شیخ سعد اللہ لاہوری جو بنی اسرائیل کے نام سے مشہور تھے۔ علمائے متصوفین میں سے تھے۔ انھوں نے شیخ نجیب فیاض اور شیخ اسحاق بن کاکو وغیرہ سے کسب علم کیا۔ ان کے بہت سے شاگرد ہوئے ہیں۔ ان کے متعلق عجیب وغریب باتیں مشہور ہیں۔ کہتے ہیں کہ یہ بہت زیادہ متقی و پرہیزگار تھے۔ شرع اور حدود اللہ کے پابند تھے۔ اللہ تعالیٰ کی منع کی ہوئی چیزوں سے بچتے اور اس کے احکام کو پورا کرتے تھے۔ پھر ان کو ایک مغنیہ سے عشق ہو گیا۔ اس کے چکر میں بازاروں میں سرگرداں گھومتے تھے۔ لوگ اس حال میں بھی ان کی بزرگی کے قائل اور معتقد تھے اور ان کے سامنے زمین کو بوسہ دیتے تھے۔ کچھ دنوں بعد اللہ نے اُن پر رحم کیا اور اُن کی حالت سُدھر گئی۔ انھوں نے توبہ کیا اور نیک کام کرنے لگے۔ یہ غزالی سے بہت متاثر تھے اور اُن کی تصانیف پر عمل کرتے تھے۔ ان کی کئی تصانیف ہیں جن میں سب سے بہتر جواہر القرآن للغزالی کی شرح ہے۔ اسی سال کی عمر میں ان کا انتقال ہوا۔ بدایونی نے بھی ان کا ذکر کیا ہے۔

حالات کے لیے: (۱) نزہتہ ۴/ ۱۲۴

امیر تاتار خان دہلوی

امیر تاتار خان فضل و کمال اور ریاست و سیاست کے مشہور لوگوں میں سے تھے۔ سلطان غیاث الدین تغلق کہیں جنگ کے سلسلے میں جا رہا تھا کہ ایک بچہ زمین پر پڑا ہوا ملا۔ سلطان نے فوراً اُٹھوا لیا اور پرورش کرائی۔ بڑے ہونے پر یہی بچہ امیر تاتار خان کے نام سے مشہور رہوا۔ سلطان غیاث الدین نے اِن کو اپنے خاص لوگوں میں رکھا۔ جب محمد شاہ بادشاہ ہوا تو اس نے بھی اِن کے تقرّب کو برقرار رکھا اور بڑے اہم کاموں پر مامور کیا۔ اِس طرح سے یہ سلطنت کے اراکین میں سے ہو گیے۔ بہت ہوشیار، عادل، بہادر، سخی، با اخلاق اور شریعت کے اصولوں کے پابند تھے۔ بادشاہ اور امرا سے سخت محاسبہ کرتے تھے۔ اللہ کے معاملے میں کسی سے کبھی نہ ڈرتے تھے۔ انھوں نے حج بھی کیا۔ شمس الدین عفیف نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ علمی مجلسوں اور علما کی محفلوں میں برابر شریک رہتے تھے۔ اِن سے گفتگو کرتے اور اچھی طرح سے پیش آتے۔ انھوں نے ایک تفسیر لکھی جس کا نام "تفسیر تاتار خانی" ہے۔ ان کے فتاوی کو "فتاوی تاتار خانیہ" کے نام سے عالم بن علاء دہلوی نے جمع کیا۔ فیروز تغلق کے زمانے میں ان کا انتقال ہوا۔

مفتی عبد السلام الدیوی ——— وفات ۱۰۳۹ھ

دیوہ میں پیدا ہوئے اور یہیں پلے بڑھے۔ اپنے شہر کے اساتذہ سے علم حاصل کیا پھر لاہور گئے اور ملا عبد السلام کے ساتھ ٹھہرے اور انھیں سے فقہ، اصول اور کلام سیکھا۔ حتیٰ کہ اپنے ساتھیوں سے سبقت لے گئے۔ ایک زمانے تک استاد کی طرح تعلیمی کاموں میں مصروف رہے۔ بے انتہا ذہین تھے۔ کچھ عرصے کے بعد شاہ جہاں

کے لشکر میں افتاء کے عہدے پر مامور ہوئے۔ آخر میں اس سے کنارہ کشی اختیار کی اور لاہور میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔

رسالہ قطبیہ میں عبداللہ علی بن عبدالعلی لکھتے ہیں کہ یہ عام علما کے خلاف فتوے دیا کرتے تھے۔ بہت سی کتابیں لکھیں۔ حاشیہ علیٰ شرح العقائد، شرح منار الاصول، حاشیہ علی الہدایہ، شرح تہذیب منطق اور حاشیہ بیضاوی وغیرہ مشہور تصانیف ہیں۔

حالات کے لیے: (۱) الرسالۃ القطبیہ عبداللہ علی (۲) ذیل الدرایۃ (۳) نزہتہ ۵/۲۲۲ (۴) مآثر الکرام ص ۲۳۵

شیخ عبدالحق محدث دہلوی ——— ولادت ۹۵۸ھ وفات ۱۰۵۲ھ

ان کا خاندان خلجیوں کے دور حکومت میں ہندوستان آیا اور پایۂ تخت دہلی میں بس گیا۔ ان کے والد شیخ سیف الدین بھی بہت بڑے بزرگ اور اچھے عالم تھے۔ شیخ عبدالحق خود بھی بہت بڑے محدث، زبردست فقیہ اور بہترین مؤرخ و مفسر تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے اندر بڑی خوبیاں جمع کر دی تھیں۔ خود اپنے حالات میں لکھتے ہیں کہ بچپن ہی سے والد صاحب نے بزرگوں کے قصے اور حالات گوش گزار کرنے شروع کر دیے تھے۔ چھوٹی سی عمر میں قرآن کریم پڑھ لیا اور تھوڑے ہی عرصے میں کتابت اور انشا کا ڈھنگ بھی سیکھا۔ چند سال تک آگرہ کی علمی صحبتوں میں رہے پھر اس کے بعد حجاز گئے۔ اور بڑے بڑے اساتذہ سے حدیث کی سند اور بزرگان صوفیہ سے طریقت کی تعلیم حاصل کی۔ پھر وطن واپس لوٹے اور درس و تدریس کا مشغلہ اختیار کیا۔ خود کہتے ہیں کہ لڑکپن ہی سے کھیل کود سے واقف نہ تھا۔ آرام و آسائش کسے کہتے ہیں بالکل نہ جانتا تھا۔ تحصیلِ علم کا یہ حال تھا کہ کھانا کھانے کا ہوش نہ رہتا تھا۔ چراغ سامنے رکھ کر اُس کی روشنی میں لکھتے پڑھتے تھے۔ کئی بار عمامہ میں

آگ لگ گئی اور اُن کو اُس وقت خبر ہوئی جب سر کے بال جلنے لگے۔ نماز روزہ کے بچپن ہی سے پابند تھے۔ خشوع و خضوع بڑے بڑوں کو متاثر کرتا تھا۔ پچاس سال سے زیادہ دین کی خدمت کی اور لوگوں کو مختلف علوم سے متعارف کراتے رہے۔ آپ کے علمی کارناموں کو لوگ آج تک عظمت کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ ان کی تصانیف کی مجموعی تعداد سو سے زائد بتائی جاتی ہے۔ ان میں مشکوٰۃ کی شرح عربی و فارسی، جذب القلوب، مدارج النبوۃ، شرح فتوح الغیب، شرح قصیدۃ الجزریہ، اخبار الاخیار، زبدۃ الآثار، فتح المنان، زاد المتقین وغیرہ بہت مشہور اور اہم ہیں۔ آپ کا اصل کارنامہ حدیث کی تعلیم و اشاعت سمجھا جاتا ہے۔ نزاعی مسائل میں آپ درمیانی راہ اختیار کرتے اور سخت اختلاف میں بھی اپنے اسی اصول پر کاربند رہے۔ ۱۰۵۲ھ میں آپ کی وفات ہوئی اور دہلی میں حوض شمس کے کنارے دفن ہوئے۔

حالات کے لیے:۔ اخبار ص ۳۰۰، مآثر الکرام ص ۲۰۰ سبحۃ ص ۵۲
حدائق ص ۴۰۹ تذکرہ علمائے ہند ص ۱۰۹

شیخ محب اللہ الٰہ آبادی ـــــ ولادت ۹۹۶ھ وفات ۱۰۵۸ھ

صدر پور اودھ میں پیدا ہوئے۔ شیخ فرید الدین گنج شکر کے شاگرد تھے۔ علوم دینیہ میں ماہر اور اچھی نظر رکھتے تھے۔ اس زمانے میں ملا عبدالسلام لاہوری کا شہرہ تھا۔ انھوں نے ان سے بھی استفادہ کیا۔ سعد اللہ خان جو شاہ جہاں کے اہم امراء میں تھا۔ ان کا ہم سبق رہا تھا۔ بڑے اچھے عالم اور وسعت پرست صوفی تھے۔ ابن عربی سے بہت متاثر اور اُس کے فلسفے کے قدردان تھے۔ اس کی بہت سی چیزوں کو انھوں نے پوری طرح سے اپنا لیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اہل ہندان کو ہندوستان کا ابن عربی کہا کرتے تھے۔

ترجمۃ الکتاب التسویہ، شرح الفصوص، انفاس الخواص، عقائد الخواص، کتاب المبین وغیرہ ان کی مشہور کتابیں ہیں۔

حالات کے لیے: حدائق ص ۴۱۲ تذکرہ ص ۱۷۵ نزہتہ ۵/۳۲۲

شیخ طیب بن عبدالواحد بلگرامی ـــــ ولادت ۹۸۶ھ وفات ۱۰۶۶ھ

طیب بن عبدالواحد حسینی واسطی بلگرامی اللہ کے نیک بندوں میں سے تھے۔ اپنے والد سے کسب علم کیا اور عرصۂ دراز تک ان کے ساتھ رہے۔ غلام علی آزاد نے مآثر الکرام میں لکھا ہے کہ وہ دہلی جایا کرتے تھے اور شیخ عبدالحق دہلوی سے فیض حاصل کرتے۔ ان کے ساتھ رہتے۔ مشکل مسائل پر گفتگو کرتے اور علوم کا استفادہ کرتے۔ ہدایۃ الفقہ اور بیضاوی کی شرحیں لکھیں۔ شریف بن عمر بلگرامی کے مرأۃ المبتدئین میں لکھا ہے کہ وہ بڑے عبادت گزار تھے۔ سن شعور سے وفات تک کوئی نماز قضا نہیں ہوئی۔ یہ اپنی نیکی کی وجہ سے زمین کی برکت اور آسمان کے ستون تھے۔

حالات کے لیے: نزہتہ ۵/۱۸۹ مآثر الکرام، مرأۃ المبتدئین۔

شیخ محمد بن ابی سعید کالپوی ـــــ ولادت ۱۰۰۶ھ وفات ۱۰۷۱ھ

اپنے زمانے کے اہم اور عظیم علما میں سے تھے۔ کالپی میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد ان کی پیدائش سے پہلے دکن گئے تھے، اس کے بعد ان کا پتہ نہ چل سکا اس لیے یہ والد کے سائے سے محروم رہے۔ ان کی والدہ بڑی نیک خاتون تھیں۔ انھوں نے ان کی پرورش اور تربیت کا خاص طور سے خیال رکھا۔ شیخ محمد یونس " کرہ " اہم علما اور محدثین میں سے تھے۔ ایک مرتبہ وہ کالپی آئے۔ اس وقت محمد بن ابی سعید کی عمر سات سال تھی۔ انھوں نے شیخ سے استفادہ کیا۔ درسی کتب پڑھیں اور حدیث

کی سند لی۔ اس کے بعد طلب علم کے لیے حاج مئو گئے اور مولانا حاج موسیٰ سے استفادہ کیا۔ اس کے بعد "کوڑہ" گئے۔ اور تمام کتب درسی شیخ جمال بن مخدوم کوڑوی سے پڑھیں اور طریقت کی بھی تھوڑی بہت تعلیم حاصل کی۔ اپنے شہر واپس آ گئے اور عرصے تک درس و تدریس میں مشغول رہے۔ کافی دنوں کے بعد جالندھر کا رُخ کیا تاکہ وہاں اپنے خاندان کی کسی خاتون سے شادی کریں۔ راستہ میں آگرہ میں اُتر گئے۔ امیر ابو العلماء حسنی اکبر آبادی سے ملاقات ہوئی۔ عرصہ تک ان کے ساتھ رہے۔ انھیں سے "احراری طریقہ" سیکھا۔ دس سال تک علمی مشاغل جاری رہے پھر اکبر آباد گئے اور وہاں سے اپنے ملک واپس آئے اور مدت تک پڑھانے کا مشغلہ جاری رکھا۔ جب حال و استغراق کی کیفیت آخر عمر میں طاری ہوئی تو عزلت نشینی اختیار کرلی۔ تنہا اپنے گھر میں رہنے لگے۔ لوگوں سے ملنا جلنا۔ تعزیت و تہنیت سب کچھ چھوڑ دیا۔ اگر کسی کو ملنا ہوتا تو مسجد یا گھر میں مل لیتا تھا۔

(ضیاء محمدی)

مولانا آزاد بلگرامی مآثر الکرام میں لکھتے ہیں کہ آخر میں روزہ کو اپنے لیے لازمی کرلیا تھا۔ اس پر وہ استقلال کے ساتھ جمے رہے۔ دن میں مستقل روزہ رکھتے رہے اس کے بعد چھ سال تک زندہ رہے۔ ان کی تصانیف میں "تفسیر سورۂ یوسف"، "کتاب الروائح" (الحمد کی تفسیر) "رسالہ فی تحقیق الروح" "رسالہ فی وحدۃ الوجود"، "رسالہ فی محبت الفناء" "عقائد الصوفیہ"، "الواردات" "ارشاد السالکین فی السلوک" وغیرہ ہیں۔ ۶۵ سال کی عمر میں انتقال ہوا۔ ان کی قبر کالپی کے بیرونی علاقے میں ہے لوگ اس کو مبارک سمجھتے ہیں اور زیارت کرتے ہیں۔

رسالہ روائح کی ابتدا یوں ہے:۔

"الحامد اللہ والحامد والمحمود ھو مصلیا لرسول اللہ والرسولہ"

والوسالۃ والمرسل ھو قائلا بانہ قد ورد علی محمد بن ابی سعید ھذہ المعانی الشافیۃ فاراد املائھا والعامل والقول والمنقول ھو۔" نزھۃ ۳۲۸/۵

حالات کے لیے: نزہتہ ۳۲۷/۵ ضیا محمدی، مآثر الکرام ص ۸۱

شیخ عبداللہ دہلوی ـــــ ولادت ۱۰۱۰ھ وفات ۱۰۷۴ھ

علامہ عبداللہ بن عبدالباقی نقشبندی کابلی ثم دہلوی معارف الہٰیہ میں بڑی اونچی حیثیت رکھتے تھے۔ بچپن ہی میں ان کے والد کا انتقال ہوگیا تھا۔ شیخ حسام الدین دہلوی کے سایۂ عاطفت میں پرورش پائی۔ شیخ شاکر محمد اور شیخ عبدالحق دہلوی سے کتب درسیہ پڑھیں پھر سرہند گئے اور شیخ احمد بن عبدالاحد سرہندی سے بعض کتابیں پڑھیں۔ دہلی واپس آئے اور درس و تدریس میں مشغول ہوگئے۔ بہت بڑے عالم، صوفی بزرگ تھے۔ ارباب وجد و سماع میں سے تھے۔ شیخ محی الدین ابن عربی سے بہت متاثر اور معارف الہٰیہ میں ان کے پیرو تھے۔ ان کی "فصوص" اور "فتوحات" پر شرح بھی لکھی۔ بیضاوی کی شرح بھی لکھی "زادالمعاد" رسالہ فی مناقب شیخ حسام الدین" "رسالہ میراث" وغیرہ ان کی تصانیف ہیں۔

حالات کے لیے: نزہتہ ۲۵۵/۵ اسراریۃ

شیخ اہل اللہ البھلتی ـــــ وفات ۱۰۸۷ھ

اہل اللہ بن عبدالرحیم بن وجیہ الدین عمری اللہ تعالیٰ کے بہت ہی نیک بندوں میں سے تھے۔ شیخ ولی اللہ دہلوی نے کسب علم کیا۔ ان کی تصانیف بہت

سی ہیں جن میں سے "ہدایۃ الفقہ" اہم ہے۔ اس کے علاوہ انھوں نے قرآن مجید کی ایک تفسیر بھی لکھی جو "علی سبیل الایجاز" ہے۔ اس کی ابتدا ان الفاظ سے ہوتی ہے۔

"اللہ اصلہ الہ للمعبود وھو علم لذاتہ"

ان کی اس تصنیف کے کسی بھی نسخے کا پتہ نہیں چلتا ہے۔ صرف اتنا ہی تذکرہ نزہۃ الخواطر میں ملتا ہے۔ اس کے علاوہ عبدالعزیز دہلوی نے ایک خط میں جو انھوں نے ابو سعید محمد بن ضیاء بریلوی کو لکھا ہے۔ ان کا ذکر کیا ہے۔

حالات کے لیے : نزہۃ ۶/۱۴

شیخ یحییٰ بن محمود گجراتی ــــــ ولادت ۱۰۱۰ھ وفات ۱۱۰۱ھ

احمد آباد میں پیدا ہوئے اپنے دادا محمد حسن گجراتی سے بیس سال کسب علم کیا۔ اور قرآن مجید حفظ کیا۔ دادا کے بعد خود ان کی جگہ شیخ بنے اور مشائخ چشتیہ کے اہم لوگوں میں شمار ہوئے۔ غناء کے قائل تھے۔ دو مرتبہ حجاز کا سفر کیا۔ ایک بار اپنی والدہ کی زندگی میں حج کیا اور لوٹ آئے۔ دوسری بار ان کی وفات کے بعد چودہ سال قیام کیا۔ ایک سال مدینے میں گزارتے تھے تو دوسرا مکہ میں۔ تفسیر حسینی ان کی اہم تصنیف ہے۔ ایک مجموعہ بھی ملتا ہے بیالیس مضامین ہیں۔ مدینہ منورہ میں انتقال ہوا اور بقیع غرقد میں دفن ہوئے۔

حالات کے لیے : نزہۃ ۶/۴۲۲ مرأۃ احمدی

شیخ محمد بن جعفر گجراتی ــــــ ولادت ۱۰۴۷ھ وفات ۱۱۱۱ھ

فقیہہ محمد بن جعفر بن جلال بن محمد حسین البخاری ابو المجد محبوب عالم گجرات میں ۱۰۴۷ھ میں پیدا ہوئے۔ شروع میں اپنے والد سے علم حاصل کیا پھر علمائے

گجرات سے پڑھا۔ اپنے دور کے اہم علما میں سے تھے۔ ان کے بہت سے مشہور شاگرد ہوئے۔ ان کی تصانیف میں فارسی میں قرآن مجید کی تفسیر ہے جسے انھوں نے اہل بیت کی روایت سے لکھا ہے۔ اس کے علاوہ عربی میں جلالین کے انداز پر تفسیر لکھی۔ "زینۃ النکات فی شرح مشکوٰۃ" اور مضامین و رسائل بھی تصنیف کیے۔ احمد آباد میں ۱۱۱۱ھ میں انتقال ہوا اور وہیں دفن ہوئے۔

حالات کے لیے: نزہتہ ۶/ ۲۵۷

شیخ جمال الدین گجراتی

—— ولادت ۱۰۸۸ھ وفات ۱۱۲۳ھ

شیخ جمال الدین رکن الدین عمری چشتی گجراتی مشہور مشائخ میں سے ایک تھے۔ ۱۰۸۸ھ میں احمد آباد میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی اور پھر انھیں کے پاس رہ کر چشتیہ طریقہ سیکھا۔ اس کے بعد درس و تدریس میں لگ گئے۔ بہت ہی نیک اور انتہائی سخی تھے۔ طلباء اور مسافروں کے لیے ہر چیز خرچ کرنے کو تیار رہتے تھے۔ بڑے عبادت گزار اور متقی تھے۔ برابر تصنیف و تالیف میں مشغول رہے۔ انھوں نے ایک سو بیالیس کتابیں لکھیں جو تقریباً ہر موضوع پر ہیں۔ انھوں نے تفسیر بیضاوی، تفسیر مدارک، تفسیر محمدی اور تفسیر حسینی پر حاشیے لکھے۔ اس کے علاوہ دو تفسیریں تفسیر مختصر اور تفسیر لضیری بھی لکھی۔ ان میں سے کسی بھی کتاب کا پتہ نہیں چلتا ہے۔

حالات کے لیے: نزہتہ ۶/ ۵۹-۵۸

مفتی شرف الدین لکھنوی

—— وفات ۱۱۳۳ھ

شرف الدین بن محی الدین بن صدرالدین بن محمد الاعظمی لکھنوی لکھنؤ میں

پیدا ہوئے اور یہیں پرورش پائی۔ پہلے اپنے والد سے پڑھا پھر اُس دور کے بعض اور اساتذہ سے جن میں شیخ غلام نقش بند بن عطاء اللہ لکھنوی بھی شامل ہیں۔ اس کے بعد شہنشاہ عالم گیر کا تقرب حاصل کیا۔ چار سو کا منصب عطا ہوا۔ بعض شرعی خدمات ان کے سپرد کی گئیں۔ محمد شاہ کے زمانے میں اُن کا منصب تین ہزاری ہو گیا۔ انھوں نے کئی کتابیں لکھیں جن میں حاشیہ شرح مواقف اور حاشیہ شرح بیضاوی اہم ہیں۔

حالات کے لیے: نزہتہ ۱۰۴/۶ باغ بہار

مولانا امان اللہ بنارسی ——— وفات ۱۱۳۳ھ

حافظ امان اللہ بن نور اللہ بن حسین بنارسی بڑے عالم اور متقی تھے۔ بنارس میں پیدا ہوئے اور وہیں پرورش پائی۔ قرآن مجید حفظ کیا۔ شیخ محمد ماہ دیوکانی اور شیخ قطب الدین حسینی شمس آبادی وغیرہ سے درسی کتابیں پڑھیں۔ فقہ، اصول اور علم کلام میں بڑا نام پیدا کیا۔ اورنگ زیب عالم گیر کی طرف سے لکھنؤ کی صدارت پر فائز ہوئے۔ اسی زمانے میں مولانا محب اللہ بہاری لکھنؤ کے قاضی تھے۔ ان دونوں کے درمیان بڑے زبردست مباحثے و مناظرے ہوئے تھے۔ جس کی بہت سی مثالیں اُس دور کی کتابوں میں موجود ہیں۔

انھوں نے بہت سی اہم کتابیں تصنیف کیں جن میں "مفسر" اور اس کی شرح "محکم"، اصول فقہ میں "حاشیہ بیضاوی" اس کے علاوہ "العضدی" "الت[illegible]" "شرح عقائد" وغیرہ پر حواشی لکھے۔ مسئلہ حدوث پر ملا محمود جونپوری اور امیر باقر استر[illegible] کے درمیان محاکمہ بھی انھیں کی یادگار ہے۔ "التسویہ" کی شرح بھی یادگار ہے۔ د[illegible] کتابوں کے قلمی نسخے ملتے ہیں۔ باقی مفقود ہیں۔

حالات کے لیے: نزہتہ ص ۹۳ ج ۶
حدائق ص ۳۶۴ تذکرہ ص ۲۷

شیخ فتح محمد سیدانوی —— وفات ۱۱۴۳ھ

شیخ فاضل فتح محمد سیدانوی بڑے علما میں سے تھے۔ اُن کے اسلاف "سبزوار" سے آکر سیدانہ (الہ آباد کے قریب) میں آباد ہو گئے تھے۔ فتح محمد یہیں پیدا ہوئے اور یہیں کے علما سے کسب علم کیا اس کے بعد شیخ بن عبدالحق حسنی مانک پوری سے فیض حاصل کیا۔ الہ آباد میں درس و تدریس کے کام میں لگ گئے۔ انھوں نے تفسیر محمدی کے نام سے قرآن مجید کی بسیط تفسیر لکھی جس کے متعلق نزہتہ الخواطر (ج ۶ ص ۲۱۷) میں لکھا ہے۔

"کتاب بسیط فی تفسیر القرآن الکریم علی لسان الحقائق"

اس کے علاوہ معارف الٰہیہ میں کئی رسالہ مجمع الانوار مجمع الاسرار حل المشکلات کے نام سے بھی لکھے ہیں۔ ان کا انتقال رجب ۱۱۴۳ھ میں ہوا اور سیدانہ میں دفن ہوئے۔

حالات کے لیے: نزہتہ ص ۲۱۷ ج ۶

مولانا محمد طاہر الہ آبادی —— ولادت ۱۱۱۰ھ وفات ۱۱۴۳ھ

شیخ محمد طاہر بن محمد یحییٰ بن محمد امین عباسی افضلی الہ آبادی ۱۱۱۰ھ میں الہ آباد میں پیدا ہوئے۔ یہ اپنے والد کے سب سے بڑے لڑکے تھے۔ اس حساب سے علم و عمل میں بھی سب سے افضل تھے۔ مفتی جار اللہ الہ آبادی سے کسب علم کیا اور ماہر فن بنے۔ اس کے بعد درس و تدریس اور تصنیف و تالیف میں مشغول ہو گئے

فتوے بھی دیتے تھے۔ بہت ذہین اور سمجھ دار تھے۔ پرانے مذاہب اور علوم متعلقہ پر بڑی
اچھی نظر تھی۔ انھوں نے بہت سی کتابیں لکھیں جن میں تحقیق الحق فی رد احقاق الحق
للقاضی نوراللہ تستری شرح فصوص الحکم کتاب الفورین کا ترجمہ۔ اثبات خلافۃ
الصدیق، تعلیقات بیضاوی رسالہ فی تفسیر آیۃ التطہیر وغیرہ اہم ہیں۔ ا
والد کی زندگی میں ۱۱۴۳ھ وفات پائی۔

حالات کے لیے: نزہتہ ص ۲۲۲ ج ۶

شیخ ولی اللہ دہلوی —— ۱۱۵۰ھ

شیخ ولی اللہ حنفی دہلوی مشہور علما میں سے تھے۔ یہ شیخ عبدالاحد بن محمد سعید سرہندی
کے پوتے تھے۔ بہت سے لوگ ان کے اور شاہ ولی اللہ کے نام میں دھوکا کھا جاتے ہیں
دونوں کو خلط ملط کر دیتے ہیں۔ دونوں کا نام ایک ہی ہے اور دونوں دہلوی ہیں۔ لیکن
سلسلۂ نسب میں فرق ہے۔ دونوں شاعر بھی تھے۔ شیخ ولی اللہ کا تخلص اشتیاق تھا
شاہ ولی اللہ کا امین۔ ان کی کئی تصانیف ہیں جن میں قرآن کی تفسیر بھی شامل ہے۔ ان کا

۱۱۵۰ھ میں ہوا۔

حالات کے لیے: نزہتہ ص ۲۹۷ ج ۶

مولانا محمد حکم بریلوی —— وفات ۱۱۵۰ھ

علامہ سید محمد حکم بن محمد علم اللہ حسینی نقشبندی رائے بریلی میں پیدا
اپنے دور کے بڑے علما میں سے تھے۔ اپنے والد کے ساتھ ایک مدت تک
اور ان سے کسب علم کیا۔ اس کے بعد دوسرے شہروں میں گئے اور مشائخ
علم حاصل کیا۔ ان کے اساتذہ میں شیخ محمد یحییٰ اتکی، شیخ عبدالاحد بن محمد

سرہندی، شیخ سعدی بخاری وغیرہ اہم ہیں۔ انھوں نے فارسی میں قرآن مجید کی تفسیر حسینی کے نام سے لکھی ہے۔ اس کے علاوہ عربی میں بھی ایک تفسیر لکھی جس کا نام محکم التنزیل ہے۔ اس کے علاوہ ملخص البلاغۃ تلخیص الصراح اور نحو میں بعض رسائل بھی تصنیف کیے بیالیس سال کی عمر میں ۱۱۵۰ھ میں انتقال ہوا۔

حالات کے لیے: نزہتہ ص ۳۰۰ ج ۶

شیخ نورالدین محمد صالح گجراتی ولادت ۱۰۶۳ھ، وفات ۱۱۵۵ھ۔ اپنے دور کے اہم علماء میں سے تھے۔ احمد آباد میں پیدا ہوئے۔ بچپن ہی سے علم کا ذوق تھا۔ شیخ سعدی کی گلستاں اپنی والدہ سے پڑھی۔ درسی کتابیں احمد بن سلیمان گجراتی اور فریدالدین احمد آبادی سے پڑھیں۔ علم حدیث و طریقت شیخ محمد جعفر حسینی سے حاصل کیا اور فضل و کمال میں لاثانی ہوئے۔ ان کے نام سے اکرم الدین گجراتی نے احمد آباد میں ایک مدرسہ ۱۱۱۱ھ میں ایک لاکھ ۲۴ ہزار کے خرچ سے بنوایا۔ بڑے متقی اور پرہیز گار تھے۔ عبادت کا یہ عالم تھا کہ رات کے وسط میں نمازیں ادا کرتے تھے۔ جب بھی لیٹتے ایک ہزار مرتبہ کلمہ پڑھتے اور ایک ہزار مرتبہ نبی صلعم پر درود بھیجتے۔ بادشاہوں کے عطایا و ہدایا قبول نہ کرتے تھے۔ ۱۱۴۳ھ میں حرمین شریفین گئے۔ اس وقت ان کی عمر ۷۱ سال سے متجاوز تھی۔ حج و زیارت کے بعد ہندوستان واپس آئے۔ ان کی بہت سی تصانیف ہیں جو انھیں علم و ادب اور مذہب و دین کی دنیا میں بلند مرتبہ پر فائز کرتی ہیں۔ قرآن مجید کی مختصر تفسیر لکھی۔ تفسیر النورانی للسبع المثانی۔ تفسیر الربانی علی سورۃ البقرۃ حاشیہ علی اوائل تفسیر بیضاوی اس کے علاوہ نورالقاری شرح بخاری، شرح المواقف شرح المطالع، حاشیہ علی مطوّل، حاشیہ علی الشمسیہ

شرح لفصوص الحکم ان کی تصانیف کم وبیش ڈیڑھ سو شمار کی جاتی ہیں۔ ان کا انتقال ۱۱۵۵ھ میں احمد آباد میں ہوا۔

حالات کے لیے: نزہتہ ص ۲۹۰ ج ۶ حدائق ص ۴۴۴
مآثر الکرام دفتر اول ص ۲۱۹

قاضی محمد معظم ناجھوی ——— وفات ۱۱۵۸ھ

شیخ فاضل محمد معظم بن قاضی احمد حنفی مشہور علماء میں سے تھے۔ ناجھ پنجاب میں پیدا ہوئے۔ علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی سے تعلیم حاصل کی۔ ناجھ میں درس و تدریس میں لگ گئے۔ پھر قضاء کے عہدے پر فائز ہوئے۔ بہادر شاہ بن عالمگیر نے ان کو چند گاؤں دیے۔ انھوں نے قرآن مجید کی تفسیر لکھی۔ شرح مثنوی معنوی لکھی۔

حالات کے لیے: نزہتہ ص ۳۵۱ ج ۶ تذکرہ ص ۲۱۳

مولانا عابد لاہوری ——— وفات ۱۱۶۰ھ

محمد عابد حنفی نقش بندی السنامی لاہوری کا سلسلۂ نسب حضرت ابوبکر صدیق رض سے ملتا ہے۔ لاہور میں پیدا ہوئے اور یہیں ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ شیخ عبدالاحد بن محمد سعید سرہندی ان کے استاد تھے۔ ورع و تقوی کی وجہ سے ان کا مرتبہ بہت اونچا ہے۔ سعید سرہندی کے ساتھ بہت زمانے تک رہنے کے بعد ہندوستان واپس آئے۔

بڑے پرہیزگار اور بہت زیادہ نمازیں پڑھنے والے تھے۔ ہر رات تہجد میں سورۂ یٰسین ساٹھ بار پڑھتے تھے اور ہر دو رکعتوں کے بعد مراقبہ کرتے تھے۔ ساری عمر اسی پر عمل کرتے رہے۔ حتیٰ کہ مرض الموت میں بھی سورۂ مذکورہ ۳۵ بار، بیس ہزار کلمہ طیبہ اور درود شریف ایک ہزار دفعہ، ذکر النفی والاثبات بہ حبس دم اور ایک منزل قرآن شریف روزانہ پڑھتے تھے۔

اتنی تمام عبادتوں اور ذکر و فکر کے ساتھ ساتھ درس و تدریس اور علوم و فنون سے متعلق کتابیں لکھیں۔ بہت کم ایسا ہوتا تھا کہ ان کے مدرسے میں سو طالبانِ علم سے کم ہوں۔

فقیر محمد صاحب جہلمی نے حدائق الحنفیہ میں ان کی بہت سی تصانیف کا ذکر کیا ہے مگر افسوس ہے کہ ان میں سے کسی کا بھی پتہ نہیں چلتا۔ جن میں تعلیقاتِ بیضاوی۔ شرح خلاصۃ الکیدانی۔ شرح قصیدہ بانت سعاد۔ رسالہ فی وجوہ اعجاز القرآن وغیرہ، حدائق الحنفیہ کے علاوہ ان کتابوں کا ذکر کہیں اور نہیں ملتا ہے۔

حالات کے لیے: نزہتہ ص ۳۲۶ ج ۶ حدائق الحنفیہ ص ۴۴۴
تذکرہ ص ۲۰۱

شیخ محمد ناصر الٰہ آبادی —— ولادت ۱۱۲۲ھ وفات ۱۱۶۳ھ

شیخ محمد ناصر بن محمد یحییٰ بن محمد امین عباسی الٰہ آبادی بہت ہی اہم علما میں سے تھے۔ ۱۱۲۲ھ میں الٰہ آباد میں پیدا ہوئے اپنے چچازاد بھائی محمد طاہر بن محمد یحییٰ سے کسب علم کیا اس کے علاوہ اپنے والد اور ماموں کمال الدین سے بھی علوم متداولہ سیکھے۔ بچپن میں اپنے نانا محمد افضل کے ہاتھ پر بیعت کی۔ شعر بھی کہتے تھے تخلص افضل کرتے تھے۔ تین بڑے بڑے دیوان ہیں۔ ان کی تصانیف میں منتخب الاعمال "الجواہر النفیسۃ" الانکار العشرۃ" تذکرۃ الخلفاء، انوار الحقائق اور تفسیر آیۃ الاحکام مشہور ہیں۔ الٰہ آباد میں ۱۱۶۳ھ میں انتقال ہوا۔

حالات کے لیے، نزہتہ ص ۳۵۷ ج ۶ تذکرہ ص ۲۱۰

شیخ محمد وارث حسینی بنارسی —— ولادت ۱۰۸۷ھ وفات ۱۱۶۶ھ

شیخ محمد وارث بن عنایت اللہ بن حبیب اللہ فقہ اور اصول کے علما میں سے تھے۔

ان کا اصل وطن نوہرہ تھا۔ ان کے والد اسے چھوڑ کر بنارس آگئے۔ یہیں ان کی پیدائش ۱۰۸۷ھ میں ہوئی۔ بچپن ہی سے تعلیم کی طرف متوجہ ہوگئے۔ مولوی ابراہیم صاحب سے بہت دنوں تک پڑھتے رہے۔ یہاں تک کہ فقہ، اصول، علم کلام اور عربی زبان پر عبور حاصل کرلیا۔ ان کی بہت سی تصانیف کا ذکر ملتا ہے۔ جن میں حاشیہ شرح وقایہ حاشیہ میرزاہد وملا جلال اہم ہے۔ انھوں نے قرآن مجید کی تفسیر بھی لکھی تھی۔ بنارس ہی میں ۱۱۶۶ھ میں ان کا انتقال ہوا۔

حالات کے لیے: نزہتہ ص ۳۶۱ ج ۶ تذکرہ ص ۲۱۸

مولانا وحید الحق پھلواری ——— وفات ۱۲۰۱ھ

وحید الحق بن وجیہ الحق بن امان اللہ ہاشمی جعفری پھلواری اپنے دور کے ممتاز اساتذہ اور اہل علم میں شمار کیے جاتے تھے۔ اپنے ماموں اور والد سے تعلیم حاصل کی اور تکمیل کے بعد درس و تدریس میں لگ گئے۔ اچھے اخلاق کے مالک اور راست گو تھے۔ بڑے ملنسار اور شیریں گفتار تھے۔ متقی، پرہیزگار تھے۔ مشتبہ باتوں سے احتراز کرتے تھے۔ اچھے کاموں کا حکم دیتے اور برائیوں سے روکتے تھے۔ خود فقرا کا لباس استعمال کرتے تھے۔ چٹائی پر بیٹھتے تھے۔ سیاہ قمیص پہنتے تھے۔ فقہائے حنفیہ کی طرح شروع میں سماع سے بچتے تھے لیکن بعد میں اس سے دلچسپی ہوگئی تھی اور مجلس سماع میں شریک ہونے لگے تھے۔ درس و تدریس میں بہت مشغول رہتے تھے۔ ان کے بہت سے شاگرد ہوئے ہیں۔ جن میں خود ان کے لڑکے اور بھانجے شامل ہیں۔ انھوں نے ہدایۃ الفقہ، شمائل ترمذی اور تفسیر بیضاوی پر تعلیقات لکھی ہیں۔ ان کا انتقال ۱۲۰۱ھ میں ہوا۔

حالات کے لیے: نزہتہ ص ۵۲۳ ج ۷

شیخ اسلم بن یحییٰ کشمیری ـــــــ ولادت ۱۱۳۹ھ وفات ۱۲۱۲ھ

شیخ اسلم بن یحییٰ بن معین رفیق کشمیری ۱۱۳۹ھ میں پیدا ہوئے۔ قرآن مجید اپنے دادا معین الدین سے پڑھا۔ کتب درسیہ اپنے والد سے پڑھیں اور عرصے تک ان کے ساتھ رہے۔ یہاں تک کہ بہت سے علوم و فنون میں کمال حاصل کر لیا۔ بیس سال تک منصب افتاء پر فائز رہے۔ ان کے بہت سے شاگرد ہیں۔ جن میں شیخ عبدالوہاب، مولانا ابوالمکارم، ملا محب اللہ، مفتی ہدایت اللہ وغیرہ مشہور ہیں۔ انھوں نے فقہ اور تصوف میں بہت سی کتابیں لکھیں۔ اس کے علاوہ جامع صغیر اور جلالین پر تعلیقات لکھیں۔ ان کا انتقال ۱۲۱۲ھ میں ہوا۔

حالات کے لیے: نزہتہ ص ۵۵ ج ۷، حدائق ص ۴۶۱

مولانا عبدالباسط قنوجی ـــــــ ولادت ۱۱۵۹ھ وفات ۱۲۲۳ھ

شیخ عبدالباسط بن رستم علی بن اصغر علی صدیقی، قنوج کے مشہور علما میں سے تھے۔ دادا ملا اصغر اور والد رستم علی کی تمام خوبیاں اور علوم ان کو ورثہ میں ملے تھے۔ قنوج میں ۱۱۵۹ھ میں پیدا ہوئے۔ والد سے تعلیم حاصل کی اور جلد ہی شہرت حاصل کر لی۔ اس دور کے علماء میں ان کا ایک خاص مرتبہ تھا۔ نواب صدیق حسن خاں نے اتحاف النبلاء میں لکھا ہے کہ

> "وہ اپنے زمانے کے استاذ الاساتذہ اور شیخ المشائخ تھے۔ دور دور کے ملکوں سے لوگ طلب علم میں سفر کر کے اُن کے پاس آتے تھے۔ وہ علماء میں ایک روشن نشان تھے۔ انھوں نے درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کا بہت کام کیا۔"

انھوں نے بہت سی کتابیں مختلف مسائل پر تصنیف کیں۔ طرز استدلال سادہ

اور واضح ہے۔ مفہوم کو پوری طرح سمجھاتے اور بات کی تشریح کرتے ہیں۔ ان کا خط بہت اچھا تھا اور تیز لکھتے تھے۔ اُس دور کے علماء ان کی بڑی تعظیم و تکریم کرتے تھے۔ بہت سے لوگوں نے ان سے استفادہ کیا اور مشہور ہوئے۔ ان کی تصانیف میں زبدۃ الفرائض، شرح اربعین شرح تہذیب المنطق، المنازل الاثنی عشریۃ فی طبقات الاولیاء۔ شرح زبدۃ الصرف۔ شرح خلاصۃ الحساب اور عجیب البیان فی اسرار القرآن وغیرہ بہت مشہور ہوئیں۔ ۱۲۲۳ھ میں ان کا انتقال ہوا۔

حالات کے لیے: حدائق ص ۴۶۴ نزہتہ ص ۴۳۴ ج ۷، تذکرہ ص ۱۰۷

مولانا امین اللہ عظیم آبادی ———— وفات ۱۲۳۳ھ

امین اللہ بن سلیم اللہ بن علیم اللہ انصاری عظیم آبادی مشہور علما میں سے تھے۔ حکمت ادب اور منطق میں اُن کی نظیر مشکل سے ملتی ہے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی۔ پھر الٰہ آباد گئے اور منطق اور حکمت قائم الٰہ آبادی سے حاصل کی۔ اس کے بعد دہلی کا رُخ کیا۔ شاہ ولی اللہ بن عبدالرحیم اور ان کے بیٹے شاہ عبدالعزیز کے آگے زانوئے شاگردی تہہ کئے۔ پھر اپنے وطن واپس آئے اور درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ بہت سے لوگوں نے ان سے کسبِ علم کیا۔

"ولکم فی القصاص حیوۃ" کی تشریح و تفسیر میں ایک رسالہ لکھا ہے۔ اس کے علاوہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف میں ایک قصیدہ بھی ہے۔ میر زاہد کے رسالے پر حاشیہ لکھا ہے۔ مسلم الثبوت کا بھی حاشیہ لکھا۔ فارسی میں اشعار بھی کہتے تھے۔ ایک دیوان موجود ہے۔ کلکتہ میں ۱۲۳۳ھ میں انتقال ہوا۔

حالات کے لیے: نزہتہ ص ۸۵ ج ۷

مولانا محمد اشرف لکھنوی ـــــــ وفات ۱۲۴۴ھ

محمد اشرف بن نعمت اللہ مشہور علما میں سے تھے۔ لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ شیخ مخدوم حسینی لکھنوی سے درسی کتب پڑھیں۔ علامہ نور الحق انصاری سے بھی کسب علم کیا۔ پھر تدریس کا کام شروع کر دیا۔ بہت سے لوگوں نے ان سے فائدہ اٹھایا۔ ان کی تصانیف میں الاصول الراسخۃ۔ قسطاس الصرف۔ تذکرہ علماء الہند (عربی) اور تفسیر القرآن اہم ہیں۔ ۱۲۴۴ھ میں ان کا انتقال ہوا۔

حالات کے لیے: نزہۃ ص ۴۷، ج ۷

شاہ رفیع الدین بن شاہ ولی اللہ ـــــــ ۱۲۴۹ھ

شاہ ولی اللہ رح کے دوسرے صاحبزادے تھے۔ کئی پشت سے علم و فضل و کمال کا ان کے یہاں چرچا تھا۔ چچا اور والد سے فیض اُٹھایا اور بہت جلد اچھی قابلیت بہم پہنچا لی۔ قرآن کریم کا اُردو ترجمہ اور بعض دوسری اہم تصانیف ان کی فہم و ادراک کا بیّن ثبوت ہیں۔ علم و حقائق میں ان کی کتاب "رفع الباطل فی بعض المسائل الغامضہ" کافی شہرت رکھتی ہے۔ کتاب التکمیل مقدمۃ العلم رسالہ عروض، رسالہ شق القمر وغیرہ ان کی یادگار رہیں۔ انھوں نے "آیۃ النور" کی تفسیر بھی لکھی ہے جس کا قلمی نسخہ انڈیا آفس میں ہے۔

حدائق میں لکھا ہے کہ ان کی وفات ۱۲۳۸ھ میں ہوئی۔

حالات کے لیے: حدائق ص ۴۶۹۔ تذکرہ ص ۶۶

مولانا محمد معین لکھنوی ـــــــ وفات ۱۲۵۸ھ

لکھنؤ میں پیدا ہوئے اور پرورش پائی۔ یہیں علم و کمالات سے بہرہ ور ہوئے۔ مفتی ظہور اللہ اور مولانا ولی اللہ لکھنوی سے کسب علم کیا۔ حدیث کی سند مولانا

شیخ عبدالحفیظ محدث سے لی۔ اس کے بعد درس و تدریس میں مشغول ہو گئے۔ فقہ اور حدیث میں ان کی کئی تصانیف بہت اہم ہیں۔ ان میں سے "غایۃ البیان فیما یحل و یحرم من الحیوان" "غایۃ الکلام فی القرأۃ خلف الامام"، "ابراز الکنوز فی احوال ابراز الرموز" "المغیبتہ فی تحریم المتعۃ" وغیرہ ہیں۔ وراثت کی آیتوں کی تفسیر بھی کی ہے جو اہم ہے۔ اس کے علاوہ بھی بعض کتابوں کی شرح کی ہے اور کچھ تعلیقات بھی لکھی ہیں۔ لکھنؤ میں انتقال ہوا اور یہیں دفن ہوئے۔

حالات کے لیے: نزہتہ ص ۴۶۴ ج ۷

مفتی محمد قلی کنتوری ـــــــــ ولادت ۱۱۸۸ھ وفات ۱۲۶۰ھ

شیخ فاضل مفتی قلی کنتوری بن محمد حسین بن حامد حسین مشہور شیعہ علما میں سے تھے۔ ۱۱۸۸ھ میں پیدا ہوئے اور لکھنؤ کے علما سے تعلیم حاصل کی پھر سید دلدار علی بن محمد معین نقوی کی شاگردی اختیار کی۔ فقہ، اصول اور علم حدیث کی تکمیل کی۔ پھر منصب افتاء پر میرٹھ میں فائز ہوئے اور بہت دنوں تک وہیں رہے۔ بہت سی کتابیں تصنیف کیں جن میں السیف الناصری، تقلیب المکاید الا جوبتہ الفاخرۃ، الفتوحات الحیدریۃ اور تقریب الافہام فی تفسیر آیات الاحکام وغیرہ مشہور ہیں۔ ۱۲۶۰ھ میں ان کا انتقال ہوا۔

حالات کے لیے: نزہتہ ص ۳۶۰ ج ۷

مولانا جان محمد لاہوری ـــــــــ ولادت ۱۱۹۳ھ وفات ۱۲۶۸ھ

شیخ جان محمد حنفی المذہب تھے۔ اپنے دور کے مشہور و ممتاز اساتذہ سے علم کی دولت حاصل کی پھر درس و تدریس میں لگ گئے۔

بہت سی کتابیں تصنیف کیں۔ جن میں سے "زبدۃ التفاسیر" "اثبات الخلافۃ لمعاویۃ رضی اللہ عنہ"، "رسالہ فی العقاید" "رسالہ فی الرد علی الشیعۃ"، "شرح قصیدہ بردہ"، "شرح بدء الامالی"، "رسالہ فی عدم فرضیۃ صلوٰۃ الجمعۃ" وغیرہ مشہور ہیں۔

حالات کے لیے: نزہتہ ص ۱۱۲ ج ۷، حدائق الحنفیہ ص ۴۷۵۔ تذکرہ ص ۴۰

مولانا ولی اللہ لکھنوی ——— وفات ۱۲۷۰ھ

علامہ ولی اللہ بن حبیب اللہ بن محب اللہ انصاری لکھنوی مشہور اساتذہ میں سے تھے۔ اپنے چچا ملا مبین سے علم حاصل کیا اور عرصے تک ان کے درس میں شریک ہوتے رہے۔ اس کے بعد علما کے مقالات کا مطالعہ کیا اور تدریس میں لگ گئے۔ ان سے بہت سے لوگوں نے فائدہ اُٹھایا۔ ان کی تصانیف بہت سی ہیں۔ تفسیر معدن الجواہر، حاشیہ ہدایۃ الفقہ۔ حاشیہ عروۃ الوثقیٰ، نفائس الملکوت، شرح مسلم الثبوت، شرح تذکرہ المیزان، مرأۃ المومنین، آداب السلاطین، اغصان الاربعہ وغیرہ۔ اٹھاسی سال کی عمر میں ۱۲۷۰ھ میں انتقال ہوا۔

حالات کے لیے: نزہتہ ص ۵۲۸ ج ۷، تذکرہ ص ۲۵۲

مفتی یوسف بن اصغر لکھنوی ——— ولادت ۱۲۲۳ھ وفات ۱۲۹۶ھ

مفتی یوسف بن مفتی اصغر بن مفتی ابوالرحیم انصاری لکھنوی ۱۲۲۳ھ میں لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد کے علاوہ مفتی ظہور اللہ اور مفتی نور اللہ سے تعلیم حاصل کی۔ اپنے والد کے بعد افتاء پر مامور ہوئے۔ ایک مدت تک یہ فرض ادا کرتے رہے پھر سب سے الگ ہو کر اپنے گھر میں رہنے لگے۔ پھر مدرسہ حنفیہ جون پور میں پڑھانے کا

کام سپرد ہوا۔ ۱۲۸۶ھ میں حج کے لیے گئے اور وہیں مدینۂ منوّرہ میں انتقال ہوا۔ ساری عمر درس و تدریس میں گزار دی۔ ان کی بہت سی تصانیف ہیں۔ حاشیہ علیٰ شرح مسلم ملا حسن۔ حاشیہ سلم للقاضی۔ حاشیہ علی شمس بازغہ للجونپوری حاشیہ شرح وقایہ اور تعلیقات بیضاوی مشہور ہیں۔

حالات کے لیے: نزہتہ ص ۵۲۵ ج ۷

مولانا عبدالحکیم لکھنوی ——— وفات ۱۲۸۶ھ

علامہ عبدالحکیم بن عبدالرب بن عبدالعلی بن نظام الدّین انصاری لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ کتب درسی مولانا محمد دائم سے پڑھیں۔ اس کے بعد شیخ نور الحق بن انوار الحق لکھنوی کے پاس آ گئے اور کتب درسی و غیر درسی ان سے پڑھیں۔ بڑے عبادت گزار اور متقی تھے۔ طلباء کو درس دیتے اور ان سے حسن سلوک کرتے۔ ان کی بہت سی تصانیف ہیں جن میں شرح السلم لحمداللہ، حاشیہ علی میر زاہد ملا جلال، حاشیہ علی عروۃ الوثقیٰ للفتحپوری، حاشیہ ہدایۃ الفقہ اور تعلیقات بیضاوی وغیرہ مشہور ہیں۔

حالات کے لیے: نزہتہ ص ۲۴۶ ج ۷، تذکرہ ص ۱۱۱

راجہ امداد علی خان الکنتوری ——— ولادت ۱۲۱۸ھ وفات ۱۲۹۲ھ

امداد علی بن رحمان بخش شیخ الکنتوری اپنے دور کے مشہور لوگوں میں سے تھے۔ کنتور میں پیدا ہوئے اور وہیں سید علی حسین حکیم کنتوری سے کچھ درسی کتابیں پڑھیں۔ پھر لکھنؤ آ گئے اور شیخ ولی اللہ بن حبیب اللہ اور شیخ اعظم علی سے کسب علم کیا۔ ان کی بہت سی تصانیف ہیں جن میں سے منہج السداد۔ قرآن کریم کی تفسیر ہے۔ تفسیر سورۂ یوسف عربی میں صنعت اہمال میں۔ الخطبۃ الشقشقیۃ شرح علی مقامات

حریری۔ منطق میں ایک رسالہ وغیرہ اہم ہیں۔

حالات کے لیے: نزہتہ ۸۷ ج ۷

مولانا نصیر الدّین برہان پوری ——— وفات ۱۲۹۳

سید نصیر الدین عبید اللہ بن سید جلال الدین حسینی فقہ اور اصول کے علماء میں سے تھے۔ برہان پور میں پیدا ہوئے اور وہیں پلے بڑھے۔ اپنے والد اور دوسرے علما سے علم حاصل کیا۔ اس کے بعد درس و تدریس میں لگ گئے۔ ان کی بہت سی تصانیف ہیں۔ التیسیر فی مہمات التفسیر، برہان الہدیٰ فی تفسیر الرحمان علی العرش استوی روضتہ الریحان فی فضائل رمضان۔ لطائف التہذیب، معیار الافراس، منتخب الایمان رسالہ فی تعداد الآیات والحروف والسور والسجدات فی القرآن الکریم وغیرہ مشہور ہیں۔ آخر میں حرمین شریفین گئے اور مدینہ منورہ میں ہی ۱۲۹۳ھ میں انتقال ہوا۔

حالات کے لیے: نزہتہ ص ۵۰۲ ج ۷ تذکرہ ص ۲۳۹

مولانا عبد العلی نگرامی ——— ولادت ۱۲۳۱ھ وفات ۱۲۹۶ھ

عبد العلی بن پیر علی بن غلام مہندی نگرامی فقہائے حنفیہ میں سے تھے۔ اپنے ماموں علیم اللہ اور سید انور علی مرادآبادی سے کسب علم کیا۔ شیخ اوحد الدین بلگرامی اور شیخ عبد الحکیم بن عبد الرب لکھنوی سے بھی پڑھا۔ قاضی عبد الکریم نگرامی سے طریقت کی تعلیم حاصل کی۔ بڑے متقی، نیک اور پرہیزگار تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعے سے بہت سے لوگوں کو ہدایت دی۔ ان کی کئی مشہور تصانیف ہیں جن میں تفسیر آیات الاحکام، تحقیق الامور فی حدوث الفاتحہ والسنور، رد ما حرر علیٰ التحریر فی المزامیر وغیرہ ہیں۔ ۱۲۹۶ھ میں ان کا انتقال ہوا۔

حالات کے لیے :۔ نزہتہ ص ۲۷۸ ج ۷ ۔ تذکرہ ص ۱۲۴

مولانا لطف اللہ لکھنوی ـــــ وفات ۱۲۹۷ھ

علامہ لطف اللہ بن عبداللہ حنفی کے اسلاف غازی پور سے لکھنؤ میں آکر بس گئے ۔ تحصیل علم کے لیے سفر کیے ۔ زیادہ تر کتب درسیہ مولانا ولی اللہ بن حبیب اللہ لکھنوی سے پڑھیں ۔بہت ذہین اور ہوشیار تھے ۔ حافظہ بہت اچھا تھا ۔ بحث و مباحثہ سے بہت دلچسپی تھی ۔ اپنی ساری عمر درس و تدریس میں گزاردی ۔ فن مناظرہ میں کئی کتابیں لکھیں ۔ جن میں سے " ارتداد الحدید لمنکر الاجتہاد والتقلید ،، صولتہ الاسد علی اعداء التقلید ،، مشہور رہیں ۔ انھوں نے "منظہر العجائب" لکھی ۔ جس میں سورۃ الفاتحہ کی تفسیر بیان کی ہے ۔ اس کے علاوہ " طعن السنان ،، اور " القبقات ،، بھی لکھیں ۔

حالات کے لیے : نزہتہ ص ۴۰۲ ج ۷

شیخ نقی علی بریلوی ـــــ ولادت ۱۲۴۶ھ وفات ۱۲۹۷ھ

شیخ علی نقی بن رضا علی بن کاظم علی فقہائے حنفیہ میں سے تھے ۔ اپنے والد سے کچھ کتابیں پڑھیں پھر سید آل رسول مارہروی سے حدیث کی سند لی ۔ اس کے بعد ہندوستان آگئے ۔ نزہتہ الخواطر میں ان کے متعلق لکھا ہے ۔

" وکان من ینتصر للبدع والرسوم "

ان کی تصانیف میں الکلام الاوضح فی تفسیر الم نشرح ، وسیلۃ النجاۃ ، جواہر البیان فی اسرار الارکان ، ہدایۃ البریۃ الی الشریعۃ الاحمدیہ وغیرہ مشہور ہیں ۔ تذکرہ علمائے ہند میں ان کی پچیس کتابوں کے نام لکھے ہیں ۔ ۱۲۹ھ

میں ان کا انتقال ہوا۔

حالات کے لیے: نزہتہ ص ۵۰۸ ج ۷ تذکرہ ص ۲۲۴

سیّد ناصر حسین جون پوری

ناصر حسین بن مظفر حسین الحسینی شیعی فقہائے شیعہ میں سے تھے۔ جون پور میں پیدا ہوئے۔ کتب درسیہ مولانا سخاوت علی حنفی جون پوری اور شیخ عبدالحلیم بن امین اللہ انصاری سے پڑھیں۔ پھر شیخ گلشن علی شیعی جون پوری سے فقہ اور علم کلام مذہب امامیہ کے انداز پر حاصل کیا۔ پھر لکھنؤ گئے اور سید محمد تقی مجتہد شیعہ سے کسب علم کیا۔ پھر حرمین گئے۔ مشاہد عراق بھی دیکھا۔ ان کی بہت سی تصانیف ہیں۔ علم الادب فی مناہج کلام الادب۔ رشق النبال جس میں اثبات متعہ اور تحریف قرآن کے مسائل سے بحث کی ہے اور تفسیر آیۃ التطہیر۔ اس کے علاوہ مصائب اہل بیت سے متعلق ایک ضخیم کتاب بھی لکھی۔

حالات کے لیے: نزہتہ ص ۴۹۳ ج ۷

شیخ صفدر علی فیض آبادی

شیخ فاضل صفدر علی بن حیدر علی حسینی دہلوی ثم فیض آبادی علمائے شیعہ میں مشہور تھے۔ انھوں نے "احسن الحدائق" کے نام سے سورۂ یوسف کی تفسیر ۱۲۵۳ھ میں لکھی۔

حالات کے لیے: نزہتہ ص ۲۲۲ ج ۷

تفسیروں کی فہرست

پہلا باب

۱۔ کاشف الحقائق وقاموس الدقائق۔ محمد ابن احمد تھانیسری ۸۰۲ھ قلمی ایشیاٹک سوسائٹی بنگال

۲۔ تفسیر ملتقط سید محمد گیسودراز ۸۲۵ھ قلمی ناصریہ لکھنؤ

۳۔ تبصیر الرحمٰن وتیسیر المنان علی مہائمی ۸۳۵ھ مطبوعہ

۴۔ تفسیر القرآن حاجی عبدالوہاب بخاری ۹۳۲ھ مطبوعہ (اخبار الاخیار)

۵۔ التفسیر المحمدی۔ محمد بن احمد میاں جیو ۹۸۳ھ قلمی سالار جنگ

۶۔ منبع عیون المعانی شیخ مبارک ۱۰۰۱ھ قلمی سید تقی لکھنؤ

۷۔ سواطع الالہام ابوالفیض فیضی ۱۰۰۴ھ مطبوعہ

۸۔ انوار الاسرار شیخ عیسٰی بن قاسم ۱۰۳۱ھ قلمی (معارج الولایۃ)

۹۔ زبدۃ التفاسیر معین الدین کشمیری ۱۰۸۵ھ قلمی پٹنہ

۱۰۔ زبدۃ التفاسیر للقدماء المشاہیر شیخ الاسلام بن عبدالوہاب ۱۱۰۹ھ قلمی رام پور

۱۱۔ ثواقب التنزیل علی اصغر قنوجی ۱۱۴۰ھ قلمی

۱۲۔ قرآن القرآن بالبیان شیخ کلیم اللہ جہان آبادی ۱۱۴۱ھ مطبوعہ

۱۳۔ تفسیر صغیر ابوعبداللہ محمد بن علی اصغر ۱۱۷۸ھ قلمی کاکوری

۱۴۔ تفسیر مظہری قاضی ثناء اللہ پانی پتی ۱۲۲۵ھ مطبوعہ

۱۵۔ فتح البیان فی مقاصد القرآن نواب صدیق حسن خاں ۱۳۰۷ھ مطبوعہ

۱۶۔ تفسیر القرآن بکلام الرحمٰن مولانا ثناء اللہ امرتسری ۱۹۴۸ء مطبوعہ

دوسرا باب

۱۔ النفح القدسی فی تفسیر آیۃ الکرسی — ابوبکر محی الدین عبدالقادر — ۱۰۳۸ھ قلمی — بہار کلکتہ

۲۔ تیسیر التفسیر — ابن امیر قاسم جیلانی — ۱۰۶۱ھ — قلمی — بنگال

۳۔ تفسیر القرآن — شاہ محمد بدخشی — ۱۰۷۲ھ — مطبوعہ (نزہتہ)

۴۔ تفسیر سورۃ الفاتحہ — محمد نورالحق بن انوار الحق — ۱۰۷۳ھ — قلمی — بنگال

۵۔ " " — عبداللہ بن عبدالحکیم — ۱۰۹۳ھ — قلمی — رام پور

۶۔ انوار الفرقان و ازہار القرآن — شیخ غلام نقشبند لکھنوی — ۱۱۲۶ھ — قلمی — رام پور

۷۔ شجرۃ الطور فی شرح آیۃ النور — محمد علی بن ابی طالب بن عبداللہ — ۱۱۸۰ھ — قلمی — رام پور

۸۔ تفسیر سورۃ الفاتحہ — مولوی محمد عاشق بن عبید اللہ — ۱۱۸۷ھ — قلمی — رام پور

۹۔ ینابیع الانوار — محمد تقی بن سید حسین — ۱۲۸۹ھ — قلمی — لکھنؤ

۱۰۔ مرآۃ القرآن — محمد قطب الدین امروہوی — مطبوعہ — ۱۲۹۷ھ

۱۱۔ تفسیر سورۃ یوسف — علی عباس خان رام پوری — ۱۲۹۸ھ — قلمی — رام پور

۱۲۔ تتمہ ینابیع الانوار — سید محمد ابراہیم بن سید تقی — ۱۳۰۷ھ — قلمی — لکھنؤ

۱۳۔ نظام القرآن — حمید الدین فراہی — ۱۳۴۹ھ — مطبوعہ

۱۴۔ تفسیر غرائب القرآن — شیخ محمد بن حافظ محمد شریف — قلمی آصفیہ

۱۵۔ خلاصۃ التفاسیر — محمد حسین بن محمد باقر — قلمی لکھنؤ

۱۶۔ تفسیر احسن القصص — سید علی محمد — مطبوعہ

۱۷۔ الرسالۃ فی التفسیر — محمد الکرمی — قلمی پٹنہ

۱۸۔ آیات للسائلین — عنایت اللہ اثری — مطبوعہ ۱۳۴۸ھ

۱۹۔ نقد الدرر — مظہر حسن جے پوری — مطبوعہ

تیسرا باب

نمبر	کتاب	مصنف	سنہ	نوعیت	مقام
۱۔	حاشیہ علی مدارک التنزیل	اللہ داد جونپوری	۹۲۳	قلمی	علی گڑھ
۲۔	حاشیہ بیضاوی	وجیہ الدین علوی	۹۹۸	قلمی	آصفیہ سالار جنگ
۳۔	الرسالۃ العلویہ	"	"	"	رام پور
۴۔	حاشیہ بیضاوی	صبغۃ اللہ بن روح اللہ	۱۰۱۵ھ	قلمی	ایشیاٹک سوسائٹی بنگال
۵۔	حاشیہ بیضاوی	عبد السلام لاہوری	۱۰۳۷ھ	قلمی	"
۶۔	"	عبد الحکیم سیالکوٹی	۱۰۶۷ھ	مطبوعہ	
۷۔	"	سید جار اللہ الہ آبادی	۱۱۱۰ھ	قلمی	علی گڑھ
۸۔	"	محمد بن عبد الرحیم جون پوری	۱۱۷۳ھ	قلمی	بہار کلکتہ
۹۔	حواشی ترجمہ قرآن	شاہ ولی اللہ	۱۱۷۶ھ	قلمی	جامعہ دہلی
۱۰۔	برہان التاویل فی شرح اکلیل	سراج احمد	۱۲۲۳ھ	قلمی	علی گڑھ
۱۱۔	ہلالین شرح جلالین	تراب علی لکھنوی	۱۲۸۱ھ	مطبوعہ	
۱۲۔	تعلیقات الجلالین	فیض الحسن سہارن پوری	۱۳۰۴ھ	"	
۱۴۔	القول العظیم فی حل کلام البیضاوی فی تفسیر قولہ تعالیٰ الم	محمد عبد الواحد غازی پوری	۱۳۰۹ھ	مطبوعہ	
۱۵۔	الاکلیل علی مدارک التنزیل	عبد الحق مہاجر مکی	۱۳۳۰ھ	"	
۱۶۔	ہدایۃ المسالک فی حل تفسیر المدارک	عبد الہادی بھوپالی		"	

چوتھا باب

۱۔ دستور المفسرین عماد الدین عبدالنبی اکبرآبادی ۱۰۲۱ھ قلمی علی گڑھ

۲۔ ہاریہ قطب شاہی۔ محمد علی کربلائی ۱۰۴۵ھ قلمی آصفیہ۔ خدابخش

۳۔ مجمع الفوائد۔ قلی بن بادشاہ قلی ۱۱۱۱ھ قلمی علی گڑھ

۴۔ ترتیب مطالب القرآن ۱۱۲۰ھ قلمی جامعہ دہلی

۵۔ التفسیرات الاحمدیہ۔ احمد بن سید ملا جیون ۱۱۳۰ھ مطبوعہ

۶۔ فتح الخبیر۔ شاہ ولی اللہ ۱۱۷۴ھ //

۷۔ خلبۃ النعیم فی فضائل القرآن الکریم محمد ہاشم بن عبدالغفور ۱۱۷۴ھ قلمی رام پور۔ پٹنہ

۸۔ الجداول النورانیہ۔ ناصر بن حسین حسینی ۱۲۰۰ھ قلمی رام پور پٹنہ

۹۔ الافادات العزیزیہ مرتبہ محمد رفیع الدین ۱۲۲۳ھ قلمی لکھنؤ ندوۃ

۱۰۔ نثر المرجان فی رسم نظم القرآن۔ محمد غوث ارکاٹی ۱۲۳۸ھ مطبوعہ

۱۱۔ تعداد الاسماء فی القرآن۔ غلام حسین کتابت ۱۲۴۱ھ قلمی لکھنؤ ناصریہ

۱۲۔ اوضح البیان فی بیان اسامی القرآن سید ابوتراب جعفری تالیف ۱۲۷۸ھ

۱۳۔ السبع المثانی۔ سید محمد بن دلدار علی ۱۲۸۴ھ قلمی لکھنؤ کتب خانہ تقی صاحب

۱۴۔ الامالی فی التفسیر والمواعظ۔ سید حسین بن دلدار علی قلمی // //

۱۵۔ سبیل الرسوخ فی علم الناسخ والمنسوخ عبدالکریم ٹونکی ۱۲۹۴ھ مطبوعہ

۱۶۔ آیات الاعجاز۔ مولانا عبدالرشید کشمیری ۱۲۹۸ھ قلمی لکھنؤ ندوۃ

۱۷۔ مرآۃ التفسیر ذوالفقار احمد نقوی ۱۳۱۷ھ مطبوعہ

۱۸۔ نیل المرام من تفسیر آیات الاحکام صدیق حسن خاں ۱۳۰۷ھ مطبوعہ

۱۹۔ جواہر التنزیل محمد ریاست علی شاہ جہاں پوری ۱۳۲۵ھ مطبوعہ

۲۰۔ وجوہ المثانی مع توجیہ الکلمات والمعانی مولانا اشرف علی تھانوی ۱۳۲۷ھ مطبوعہ

۲۱۔ سبق الغایات فی نسق الآیات مولانا اشرف علی تھانوی ۱۳۲۷ھ ″

۲۲۔ الفاظ القرآن مسمی بہ نجوم الفرقان مولانا اہل اللہ فقیر اللہ مطبوعہ ۱۳۳۱ھ مطبوعہ

۲۳۔ ملخص التفاسیر سید محمد ہارون زنگی پوری ۱۳۳۷ھ قلمی لکھنؤ مدرسۃ الواعظین

۲۴۔ کنز المتشابہات حافظ محبوب علی انجینیئر ۱۳۴۳ھ مطبوعہ

۲۵۔ کتاب مفردات القرآن حمید الدین فراہی ۱۳۴۹ھ مطبوعہ

۲۶۔ نجوم الفرقان مصطفےٰ ابن محمد سعید مطبوعہ

۲۷۔ رسالہ دربیان اقسام آیات قرآنیہ ″

۲۸۔ رسالہ رسم خط کلام اللہ محمد کامل چریا کوٹی قلمی علی گڑھ

۲۹۔ مشکلات القرآن مولانا انور شاہ کشمیری مطبوعہ

۳۰۔ مقدمہ تفسیر فتح العزیز مولانا عبدالعزیز قلمی رام پور

۳۱۔ بیان الفرقان علیٰ علم البیان ثناء اللہ امرتسری ۱۹۳۸ء مطبوعہ

۳۲۔ تیسیر الکلام لرکوع الصیام محمد ہدایت اللہ قلمی آصفیہ

جو کتابیں صرف انڈیا آفس لائبریری میں ہیں(۱)

انڈیا آفس لائبریری کا نمبر

۱۔ حاشیہ تفسیر بیضاوی — جلال بن نصیر — ۱۱۱۹

۲۔ تستعۃ کلمات یتعلق بتفسیر البیضاوی ۔ شاگرد غلام نقش بند لکھنوی — ۱۱۲۷

۳۔ تفسیر الحکم و تشئون المنزلات — خلیفہ شیخ علی متقی — ۱۱۵۲

۴۔ فریدۃ الزمانہ فی تفسیر انا عرضنا الامانۃ ۔ شاہ عبداللہ جالبی صاحب — ۱۱۵۶

۵۔ تفسیر سورۃ الاعراف — غلام نقش بند لکھنوی — ۱۱۵۹

۶۔ حاشیہ علی تفسیر الفاتحۃ للسیالکوٹی ۔ محمد فضل اللہ (خواہر زادہ مولوی عبداللہ بن عبد الحکیم سیالکوٹی) — ۱۱۶۲ (فہرست ص ۶۵-۶۶ / ۲۲)

۷۔ مجمع التاویل فی اسرار التنزیل — محمد قاسم بن محمد نذیر — ۱۱۶۳

۸۔ تفسیر آیۃ النور — محمد رفیع الدین دہلوی — ۱۱۶۹

۹۔ زبدۃ الوعظ — محمد کریم اللہ دہلوی — ۱۱۷۰

۱۰۔ الرسالہ فی الناسخ و المنسوخ ۔ امیر کبیر سید علی ہمدانی — ۱۱۸۱

Catalogue of the Arabic MANUSCRIPTS the Lib of the INDIA office by C A. Storey Oxford University Press 1930 V. II

پانچواں باب

ان لوگوں کے حالات جن کی تفسیریں نہیں ملتی ہیں

۱۔ میر سید علی ہمدانی
۲۔ شیخ اشرف جہانگیر سمنانی
۳۔ شیخ محمد بن یوسف
۴۔ خواجہ حسین بن خالد ناگوری
۵۔ شیخ طاہر بن رضی ہمدانی
۶۔ شیخ محمد بن عاشق چریاکوٹی
۷۔ شیخ علی متقی برہان پوری
۸۔ شیخ شمس الدین بیجاپوری
۹۔ شیخ محمد بن احمد گجراتی
۱۰۔ شیخ ہبۃ اللہ شیرازی
۱۱۔ مولانا مصلح الدین لاری
۱۲۔ شیخ سعد اللہ لاہوری
۱۳۔ امیر تاتار خان دہلوی
۱۴۔ مفتی عبد السلام دیوی
۱۵۔ شیخ عبد الحق محدث دہلوی
۱۶۔ شیخ محب اللہ الہ آبادی
۱۷۔ شیخ طیب بن عبد الواحد گجراتی

۱۸۔ شیخ محمد بن ابی سعید کالپوی

۱۹۔ شیخ عبداللہ دہلوی

۲۰۔ شیخ اہل اللہ پھلتی

۲۱۔ شیخ یحییٰ بن محمود گجراتی

۲۲۔ شیخ محمد بن جعفر گجراتی

۲۳۔ شیخ جمال الدین گجراتی

۲۴۔ مفتی شرف الدین لکھنوی

۲۵۔ مولانا امان اللہ بنارسی

۲۶۔ شیخ فتح محمد سیدانوی

۲۷۔ مولانا محمد طاہر الہ آبادی

۲۸۔ شیخ ولی اللہ دہلوی

۲۹۔ شیخ نور الدین محمد صالح گجراتی

۳۰۔ مولانا محمد حکم بریلوی

۳۱۔ قاضی محمد منظم نابھوی

۳۲۔ مولانا عابد لاہوری

۳۳۔ شیخ محمد ناصر الہ آبادی

۳۴۔ شیخ محمد وارث حسینی بنارسی

۳۵۔ مولانا وحید الحق پھلواری

۳۶۔ شیخ اسلم بن یحییٰ کشمیری

۳۷۔ مولانا عبدالباسط قنوجی

۳۸۔ مولانا امین اللہ عظیم آبادی

۳۹۔ مولانا محمد اشرف لکھنوی

۴۰۔ شاہ رفیع الدین دہلوی

۴۱۔ مولانا محمد مبین لکھنوی

۴۲۔ مفتی محمد قلی کنتوری

۴۳۔ مولانا جان محمد لاہوری۔

۴۴۔ مولانا ولی اللہ لکھنوی،

۴۵۔ مفتی یوسف بن اصغر لکھنوی

۴۶۔ مولانا عبدالحکیم لکھنوی

۴۷۔ راجہ امداد علی خاں

۴۸۔ مولانا نصیر الدین برہان پوری

۴۹۔ مولانا عبدالعلی نگرامی

۵۰۔ مولانا لطف اللہ لکھنوی

۵۱۔ شیخ نقی علی بریلوی

۵۲۔ سید ناصر حسین جون پوری

۵۳۔ شیخ صفدر علی فیض آبادی

کتابیات

۱۔ ابجد العلوم نواب صدیق حسن خان متوفی ۱۳۰۷ھ مطبع صدیقی بھوپال

۲۔ الثقافۃ الاسلامیہ فی الہند سید عبدالحئی بن فخر الدین رائے بریلوی لکھنوی
۱۳۴۱ھ طبع دمشق

۳۔ تعلیقات الجلالین۔ فیض الحسن سہارن پوری۔ انسٹی ٹیوٹ پریس علی گڑھ

۴۔ تفسیر القرآن بکلام الرحمٰن۔ شیخ ثناء اللہ امرتسری متوفی (۱۹۴۸ء) آفتاب پریس امرتسر

۵۔ خلاصۃ الاثر فی اعیان القرآن۔ محمد امین بن فضل
الحادی عشر (چار جلدیں) اللہ بن محب اللہ محبی متوفی ۱۱۱۱ھ طبع مصر ۱۲۸۴

۶۔ سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان غلام علی آزاد بلگرامی طبع بمبئی ۱۳۰۳ھ

۷۔ سواطع الالہام ابوالفیض فیضی ۱۰۰۴ھ مطبع نول کشور لکھنؤ ۱۳۰۶ھ

۸۔ کشف الظنون عن اسامی شیخ مصطفےٰ ابن عبداللہ مشہور بہ حاجی خلیفہ
الکتب والفنون متوفی ۱۰۶۸ھ

۹۔ مرأۃ القرآن شیخ قطب الدین چشتی امروہوی عمدۃ المطابع امروہہ

۱۰ معجم الادباء (۲۰ جلدیں) شیخ شہاب الدین ابوعبداللہ یاقوت الحموی
متوفی ۶۰۶ھ

۱۱۔ نجوم السماء فی تراجم العلماء محمد صادق بن مہدی کشمیری مطبع جعفری لکھنؤ ۱۲۹۷ھ

۱۲۔ نزہۃ الخواطر و بہجۃ المسامع سید عبدالحیی لکھنوی
والنواظر (۷ جلدیں) دائرۃ المعارف حیدر آباد

۱۳۔ النور السافر عن اخبار القرن العاشر محی الدین ابوبکر عبدالقادر العیدروس احمد آبادی (۱۰۳۸ھ)

۱۴۔ اتحاف النبلاء فی تراجم الکملا نواب صدیق حسن خاں مطبع نظامی کانپور

۱۵۔ اخبار الاخیار فی اسرار الابرار شیخ عبدالحق محدث دہلوی ۱۰۵۲ھ مطبع مجتبائی دہلی

۱۶۔ الاسراریہ سید محمد کمال بن سید لال المعروف رضا لائبریری رام پور بہ دانش مند

۱۷۔ الاکسیر فی اصول التفسیر نواب صدیق حسن خاں مطبع نظامی کانپور ۱۲۹۱

۱۸۔ منتخب التواریخ (تین جلدیں) عبدالقادر بن ملوک شاہ بدایونی متوفی ۱۰۰۴ھ

۱۹۔ تاریخ برہان پور خلیل الرحمٰن برہان پوری مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۱۷ھ

۲۰۔ تجلی نور (تذکرہ مشاہیر جون پور) سید نور الدین زیدی ظفر آبادی جادو پریس جون پور

۲۱۔ روضۃ الابرار (تذکرۂ حضرات کشمیر) ابوالحسن محمد عرف محمد الدین لاہوری ۱۹۱۴ء سراج المطابع جہلم

۲۲۔ تذکرہ علمائے ہند رحمٰن علی مطبع نول کشور لکھنؤ

۲۳۔ تذکرہ مصنفین دہلی۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی مطبع تاریخ حیدر آباد

۲۴۔ تقصار جیود الاحرار نواب صدیق حسن خاں مطبع شاہجہانی بھوپال ۱۲۹۸ھ

۲۵۔ خزینۃ الاصفیاء مفتی غلام سرور لاہوری ہوپ پریس لاہور ۱۲۹۰ھ

۲۶۔ سبیل الرسوخ فی علم الناسخ والمنسوخ عبدالکریم ٹونکی مطبع علوی لکھنؤ

۲۷۔ مآثر الکرام آزاد بلگرامی

۲۸۔ تاریخ المشاہیر قاضی محمد سلیمان سلمان مطبع سلمان کمپنی لاہور ۱۹۲۹ء

۲۹۔ تذکرہ علمائے فرنگی محل عنایت اللہ فرنگی محلی مطبع اشاعۃ العلوم لکھنؤ

۳۰۔ تذکرہ کاملانِ رام پور احمد علی خاں شوق اصح المطابع لکھنؤ

۳۱۔ تراجم علمائے حدیث ہند ابو یحییٰ امام خاں نوشہری جید برقی پریس دہلی
۳۲۔ حدائق الحنفیہ فقیر محمد جہلمی مطبع نول کشور لکھنؤ
۳۳۔ حدیقۃ الاولیاء غلام سرور خان مطبع خورشید عالم لاہور
۳۴۔ حیات ولی محمد رحیم بخش دہلوی افضل المطابع دہلی۔
۳۵۔ شعر العجم شبلی نعمانی مطبع معارف اعظم گڑھ
۳۶۔ علمائے ہند کا شاندار ماضی محمد میاں مرادآبادی الجمعیۃ پریس دہلی
۳۷۔ قاموس الاعلام سید شمس اللہ قادری اعظم اسٹیم پریس حیدرآباد
۳۸۔ قضاء الارب من ذکر علماء النحو والادب احمد بن علی معروف ذوالفقار احمد نقوی مطبع مفید عام آگرہ
۳۹۔ ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت مناظر احسن گیلانی مطبع انتظامی حیدرآباد
۴۰۔ یاد ایام حکیم سید عبد الحیٔ شاہی پریس لکھنؤ
۴۱۔ Contribution of India to Arabic Literature Z. Ahmad Dikshit Press Allahabad
۴۲۔ الاعلام
۴۳۔ زبدۃ المقامات محمد ہاشم کشمی
۴۴۔ آب کوثر شیخ محمد اکرام
۴۵۔ تذکرہ فقیہ علی مخدوم مہائمی ابو محمد عبد الحق
۴۶۔ رسالہ ضمیر الانسان سید ابراہیم مدنی
۴۷۔ معارج الولایۃ
۴۸۔ شکار نامہ مرتبہ ڈاکٹر ثمینہ شوکت

۴۹۔ دربارِ اکبری	محمد حسین آزاد
۵۰۔ حیاتِ عبدالحق	خلیق احمد نظامی
۵۱۔ تاریخ مشائخ چشت	پروفیسر خلیق احمد نظامی
۵۲۔ مآثر الامراء	شاہ نواز خان
۵۳۔ مآثر عالمگیری	مستعد خان
۵۴۔ منتخب اللباب	خافی خان

اہم مطبوعات

امریکا کے کالے مسلمان

(ڈاکٹر) مشیر الحق

امریکا کے تقریباً دو کروڑ حبشیوں میں عیسائیوں اور یہودیوں کے علاوہ ایک خاصی بڑی تعداد مسلمانوں کی بھی ہے۔ ان حبشی مسلمانوں میں سُنی مسلمان، شیعہ مسلمان قادیانی مسلمانوں کے علاوہ ایک فرقہ ایسا بھی ہے جو نسبتاً سب سے بڑا اور سب سے منظم ہے۔ یہ اپنے ملک میں "کالے مسلمان" کہے جاتے ہیں۔ ان کے یہاں رنگ و نسل پر بہت زور دیا جاتا ہے۔ ان کے عقیدے کے مطابق سفید فام امریکیوں پر اسلام کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند ہو چکا ہے۔ امریکا کی ایک ایسی سیاسی و سماجی تحریک جس سے ہر مسلمان کا واقف ہونا ضروری ہے۔

قیمت ۲/۰۰

مسلمان اور سیکولر ہندوستان

(ڈاکٹر) مشیر الحق

اردو زبان میں یہ پہلی کتاب ہے جس میں مسلمانوں کی موجودہ مذہبی تعلیم، مذہبی رہنمائی عائلی قانون اور سیکولر نظریۂ حیات جیسے موضوعات کا پوری علمی دیانتداری کے ساتھ غیر جانب دارانہ تجزیہ پیش کیا گیا ہے۔

قیمت ۶/۵۰

خواتینِ کربلا کلامِ انیسؔ کے آئینے میں

صالحہ عابد حسین

صالحہ عابد حسین کے پر زور قلم نے خدائے سخن میر انیسؔ کی زبانی ان محترم و مقدس خواتین کے کارناموں کو اس کتاب میں پیش کیا ہے جنھوں نے حضرت امام حسینؑ کے ساتھ کربلا میں اور کربلا کے بعد کوفہ و دمشق میں کلمۂ حق بلند کیا۔ اس کا مطالعہ یقیناً خواتین ملت کے دل میں حق پرستی اور اصولِ اسلام کے لیے بڑی سے بڑی قربانی پیش کرنے کا جذبہ پروان چڑھاتا رہے گا۔

قیمت ۱۲/۰۰

لبرٹی آرٹ پریس (پرو پرائٹرز : مکتبہ جامعہ لمیٹڈ) ۱۵۲۸ پٹودی ہاؤس دریا گنج - دہلی ۶